

www.sirat-e-mustaqeem.net

جلد نمبر ۷

7

فہرست

صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون
۶۹	منافقوں کا کردار	۳۲	جنگ خین	۵	سورہ براءۃ کے فضائل
۷۳	رکوع نمبر ۱۳	۳۶	نجاست مشرکین	۶	بسم اللہ کا جزو سورہ نہ ہونا
"	زکوٰۃ کا بیان	۳۷	رازی کی تحقیق	۶	موضوع سورہ براءۃ
۷۶	زکوٰۃ کے متعلق احادیث	۳۸	نجاسات	۸	شان نزول
۷۷	شرائط و بوجوب زکوٰۃ	"	اہل کتاب کا حکم	۱۰	نتائج
۷۸	ادنیٰ کی زکوٰۃ	۴۰	رکوع نمبر ۱۱	۱۰	دلیل خلافت
۷۹	گائے بھینس کی زکوٰۃ	"	ساتھ ساتھ کا چار توہم کے غنائے مناظرہ	۱۲	فضل بن روزبہان کا تعصب
۸۰	بھیر بجری کی زکوٰۃ	۴۳	حضرت قائم آل محمد	۱۲	روایات بطریق اہل بیت
۸۱	سونے چاندی کی زکوٰۃ	"	مال جمع کرنے والے	۱۵	نظرو منکر
"	غلہ کی زکوٰۃ	۴۷	بارہ مہینے	۱۶	اذان میں علی کا نام ہے
۸۲	نصاب زکوٰۃ غلہ	۴۷	تاویل آیت	۱۸	رکوع ۵۷
۸۳	مستحقین زکوٰۃ	"	نسبی کا معنی	۲۰	ناکثین
۸۵	مستحقین کے اوصاف	۴۸	رکوع نمبر ۱۲ غزوہ تبوک	۲۲	قاسطین
۸۶	زکوٰۃ کا بہترین مصرف	۴۹	توہم کی ترقی کا راز	۲۳	رکوع ۶۰ تعمیر مساجد
"	اسرار و رموز	۵۰	ہجرت کا بیان	"	احکام مساجد
۸۷	ایذا و رسول	۵۲	غارتور کا محل وقوع	۲۴	مساجد میں مراتب کا فرق
۸۹	شاہان کی ناراضگی کی تاویل کا جواب	۵۴	نکات علمیہ	"	مسجد کوفہ
۹۱	منافقوں کی چالیں	"	آیت غارت سے فضائل کا استنباط	۲۵	مسجد ہلم مسجد خیف مسجد براتنا
۹۳	رکوع نمبر ۱۵	۴۸	نتیجہ	۲۶	بیت المقدس مسجد نبوی
"	منافقوں کی نشانیاں	۴۳	تائید ملائکہ	"	مسجد کوجانا
۹۵	علامات مومن	۶۳	کلمۃ اللہ کی بلندی	۲۷	مسجد سے کنارہ کشی
۹۶	رکوع نمبر ۱۶	۶۵	دوران جنگ میں پاکستان	۲۸	آداب مسجد
"	منافقوں سے جہاد کا حکم	۶۶	عوامی غائرات	۳۰	حضرت علی کی فضیلت
۹۸	تعلیم کا واقعہ	۶۷	رکوع نمبر ۱۳	۳۱	دلیل خلافت
۱۰۱	دکھنوع ۱۷	۶۷	مصلحت جہاد	۳۲	رکوع نمبر ۱
۱۰۲	مومن و منافق کا جنازہ	۶۸			

۱۹۱	رکوع نمبر ۱۸ اللہ رازق ہے	۱۲۳	سورہ یونس	۱۰۴	رکوع نمبر ۱۸
۱۹۲	آسمان و زمین کی خلقت	۱۲۴	رکوع نمبر ۶		پارہ ۱۱
۱۹۳	امت کے معانی	"	ضرورت نبی	۱۰۶	رکوع نمبر ۱
"	رکوع نمبر ۲ - صبر و شکر	۱۲۵	دلائل بر وجود خدا	۱۰۷	قصہ تبوک
۱۹۶	پیغام ولایت	۱۲۶	مفتی جعفر حسین قبلہ کی تحقیق	۱۰۸	علی مثل ہارون ہے
۱۹۷	مومن کا انجام	۱۲۷	ہینوں اور سالوں کا تعین	۱۰۹	حضرت ابوذر کا قصہ
۱۹۹	بلبلیہ اور شہاد	۱۲۸	رکوع نمبر ۱	۱۱۱	الاعراب اشدا کفرا
"	شہاد سے مراد علی ہے	۱۲۹	رکوع نمبر ۸	۱۱۳	السابقون الاولون
۲۰۰	اشہاد سے مراد	۱۳۰	رکوع نمبر ۹ توحید	۱۱۴	سابق کون لوگ ہیں
۲۰۳	رکوع نمبر ۳ حضرت نوح کا ذکر	۱۳۱	رکوع نمبر ۱۰	۱۱۶	رازی کی منطق
۲۰۴	نور و بشر	۱۳۲	نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے	۱۱۷	ابو طالب اور خدیجہ کی قربانی
۲۰۷	افکار و رموز	۱۳۳	رکوع نمبر ۱۱	۱۱۸	ساتھ جانے اور بستر پر سونے والے میں فرق
۲۰۸	فصرت اور شفاعت میں فرق	"	قرآن روحانی جہانوں کا علاج ہے	"	علی سابق الایمان ہے
۲۱۰	رکوع نمبر ۴	۱۳۴	درود سینہ کے لئے	۱۳۱	ایمان والوں کے تین گروہ
۲۱۱	کشتی نوح	۱۳۵	رکوع نمبر ۱۲	"	آل رسول پر ظلم
۲۱۲	اہل کی تحقیق	۱۳۶	مرنے والے کے سر ہانے علی	۱۳۷	منافقین و مذنبین
۲۱۳	مسجد کوفہ کے فضائل	۱۳۷	رکوع نمبر ۱۳	"	وجوب زکوٰۃ
"	تنور کی تحقیق	۱۳۸	حضرت نوح کا ذکر	۱۳۹	اللہ شاہد اعمال ہیں
۲۱۷	بیٹے کے لئے دعا کی وجہ	۱۳۹	حضرت موسیٰ کا ذکر	۱۴۰	مسجد حجاز
۲۱۸	نبی کی عصمت	۱۴۰	رکوع نمبر ۱۴	۱۴۱	رکوع نمبر ۳
۲۱۹	علم غیب	۱۴۱	حقوق والدین	"	مومن کے لئے جنت
۲۲۰	رکوع نمبر ۵ حضرت ہود کا ذکر	۱۴۲	فرعون کی غرقابی	۱۴۲	مشرک کے لئے دعا کرنا
۲۲۱	رکوع نمبر ۶ حضرت صالح کا ذکر	۱۴۳	رکوع نمبر ۱۵	۱۴۳	رکوع نمبر ۴
۲۲۲	رکوع نمبر ۷ حضرت ابراہیم کا ذکر	۱۴۴	حضرت یونس کا ذکر	"	صادقین کے ساتھ ہونا
۲۲۳	بشارت	۱۴۵	رکوع نمبر ۱۶ - تمام حجت	۱۴۴	رازی کے قول کا رد
۲۲۴	انوار لطیفہ	۱۴۶	سورہ یونس کا پچوڑ	۱۴۵	آیت نفر
۲۲۷	حضرت لوط کا ذکر	۱۴۷	سورہ ہود کے فضائل	۱۴۶	اجتہاد و تقلید
۲۲۸	نبات کا معنی	۱۴۸	رکوع نمبر ۱۷ حکم و مفصل	۱۴۷	رکوع نمبر ۵
۲۲۹	رکوع نمبر ۸	۱۴۹	پارہ نمبر ۱۲	۱۴۸	سلامتی کا درو
۲۳۰	حضرت شعیب کا ذکر	۱۵۰			
"	رکوع نمبر ۹ - حضرت موسیٰ کا ذکر	۱۵۱			
۲۳۱	سعید و شقی	۱۵۲			
۲۳۲	رکوع نمبر ۱۰	۱۵۳			
۲۳۳	نماز کے اوقات	۱۵۴			
۲۳۴	نماز کے فضائل	۱۵۵			
۲۳۵	انسانی اختلاف کی وجہ	۱۵۶			
۲۳۶	مسئلہ علم غیب	۱۵۷			
۲۳۷		۱۵۸			
۲۳۸		۱۵۹			
۲۳۹		۱۶۰			

سُورَةُ الْبُرَاةِ

- یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس کی کل آیات ایک سو اسی ہیں۔ یہ سورہ ۹۴ میں نازل ہوا۔ اس کے خواص و فضائل یہ ہیں۔
- ۱۔ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا۔ بروز قیامت نفاق سے بری ہو کر اٹھے گا۔
 - ۲۔ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے عامر یا لڑپی میں رکھے تو جہاں بھی ہوگا چوروں سے محفوظ رہے گا۔ اور اس کو جہاں بھی دیکھیں گے چور اس سے کنارہ کو جائیں گے۔
 - ۳۔ اگر آگ پڑے محلے کو گھر سے تب بھی اس کے مکان کے قریب نہ جائے گی۔
 - ۴۔ کوئی دشمن اس پر کارگر نہ ہوگا۔ جب تک یہ اس کے پاس لکھی ہوئی رہے گی۔ (برہان عن خواص القرآن)
 - ۵۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورہ الانفال اور سورہ البراءة ایک ہیں۔ (برہان)
 - ۶۔ ثعلبی سے بروایت عائشہ جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ قرآن آیت اور حرف حرف نازل ہوا ہے سورۃ سورۃ اور توحید کے یکے جا نازل ہوئے۔ اور ان کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے اترے۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے اس کی وجہ یہ منقول ہے کہ سورہ برأتہ کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں اُتری کیونکہ بسم اللہ امان اور رحمت کے لئے ہے۔ اور برأتہ رفع امان کے لئے ہے۔

بسم اللہ کا جزو سورہ نہ ہونا

حضرت امیر کا یہ فرمانا کہ بسم اللہ اس سورہ کے اول میں نہیں اُتری یہ جواب ہے ایک سوال کا کہ اس سورہ کے اول میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی پڑھی جاتی۔ یعنی قرآن مجید کی باقی سورتوں کے اوائل میں بسم اللہ کا ہونا تبرک یا ذاتی تصرف کے ماتحت نہیں۔ بلکہ مصلحت و حکمت پروردگار کے ماتحت بن سورتوں کے اوائل میں نازل ہوئی وہاں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ جزو سورہ ہے۔ اور جہاں نہیں نازل ہوئی وہاں نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے۔ اور چونکہ اس سورہ کے اول میں نہیں اُتری لہذا ترک کی گئی ہے اور یہی دلیل قاطع ہے اس امر کی کہ بسم اللہ ہر سورہ کی جزو ہے سوائے سورہ برأتہ کے۔

اس کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے اس کی علت و وجہ بیان فرمائی کہ چونکہ بسم اللہ امان و رحمت کے لئے ہوا کرتی ہے اور اس سورہ کا مسنون رفع امان ہے۔ لہذا شروع میں بسم اللہ نہیں اُتاری گئی تو اس پر سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی اور سورتیں بھی ایسی ہیں جن میں عذاب خداوندی کا تذکرہ ہے۔ اور کافروں سے پیڑاری کا تذکرہ ہے۔ مثلاً سورہ معارج۔ سورہ غاشیہ اور سورہ کافرون وغیرہ پھر ان سورتوں کے اول میں بسم اللہ کیوں نازل کی گئی تو اس کا جواب ہے کہ یہ مصلحت و حکمت پروردگار ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے من جملہ دیگر مصالح و حکم کے ایک مصلحت کا نام لے لیا اور اس مصلحت کے لئے ضروری نہیں کہ حکم کے لئے علت نامہ کی حیثیت رکھتی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور وجہ بھی ہوں جن کی بنا پر یہ سورہ خصوصی امتیاز کا حامل قرار دیا گیا ہو۔ اور من جملہ وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو یہ یقین ہو جائے کہ بسم اللہ کا باقی سورتوں کے اوائل میں ہونا صرف تبرک نہیں بلکہ حکمت تنزیل کے ماتحت ہے جس کو خود اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں گذر چکی ہے۔ اس سورہ مجیدہ کا نام برأت بھی ہے اور توبہ بھی۔ اور ان کے علاوہ اس سورہ کے آٹھ نام اور بھی ہیں۔

قرآن مجید کی تمام سورتوں میں سے اس سورہ کا نام بھی نزلا ہے اور اس کا موضوع بھی نزلا ہے اور وہ ہے برأت موضوع سورہ یعنی پیڑاری اور دوسرے لفظوں میں اس کو تبری کہتے ہیں جو غلط عام تبر استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے اس

سورہ کے نام اور موضوع نے یہ ثبوت کر دیا کہ برأت یا تبر کوئی کالی گلوچ نہیں۔ ورنہ قرآن مجید جو بالعموم سب اور کالی سے منع فرماتا ہے۔ اس میں تبری یا برأت کا ذکر تک نہ ہوتا چہ جائیکہ ایک سورہ کا عنوان بیان ہی تبری ہو جی کہ اس کا نام بھی برأت رکھ دیا جائے اور خداوند حکیم نے اس سورہ کے اندر جو تفصیلات بیان فرمائیں ان سے تو صاف ہو گیا کہ برأت کا معنی کالی نہیں ہے بلکہ جو قوم عقائد حقہ اور اعمال صحیحہ سے دور ہو۔ ان سے اہل ایمان کو برأت یعنی پیڑاری کرنی چاہیے۔ اور لطف یہ کہ قرآن مجید کے تمام سورتوں میں سے کسی سورہ کا نام مروت یا محبت یا دلا یا تولا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ برأت اور ولایت یا تبری و تولی جسے غلط عام استعمال میں تبرا و تولا کہتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ایک کے ذکر سے دوسرا خود بخود سمجھا جاتا ہے جس سے برأت ہوگی۔ اس کی ضد

یا نقیض سے محبت ہوگی۔ اور جس سے محبت ہوگی اس کے مخالف پہلو سے برأت اور نفرت ہوگی۔ اس سورہ مبارکہ میں مشرکوں اور کافروں سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے جس کا مفہوم صحیح یہ ہے کہ خدا اور رسول اور ان کے ماننے والوں یعنی مومنوں سے محبت واجب ہے اسی بنا پر جب ایک سورہ کا نام برأت ہو گیا تو ولایت نامی دوسرے سورہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہی سورہ برأت مفہوم مخالف کے اعتبار سے سورہ ولایت بھی ہو سکتی ہے۔ اب سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ برأت منفی پہلو ہے۔ اور ولایت مثبت پہلو ہے۔ اس سورہ میں منفی پہلو کو عنوان بیان قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی منفی پہلو کی مناسبت سے سورہ کا نام بھی رکھا گیا حالانکہ مثبت پہلو کو پیش پیش ہونا چاہیے تھا۔

اس کا جواب اور حل یہ ہے کہ یہاں دو مقام ہیں۔ ایک مقام اعتقاد اور دوسرا مقام عمل۔ پس جہاں تک مقام عمل کا تعلق ہے وہاں صرف مثبت پہلو کو ہی معرض ظہور اور منصفہ شہود پر لانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جس سے منفی پہلو خود بخود مضحمل اور نسبت و نابود رہتا ہے۔ لیکن جہاں تک اظہار عقیدہ کا تعلق ہے وہاں منفی پہلو کے اعلان کو زیادہ وقعت و اہمیت دی جا یا کرتی ہے۔ اگرچہ دل و دماغ میں وجود صرف مثبت کا ہی ہوتا ہے لیکن اقرار لسانی میں پیش پیش ذکر منفی ہوا کرتا ہے۔ اور کلمہ توحید اس کا بین گواہ موجود ہے یہی وجہ ہے کہ برأت کے ذکر کو ولایت کے ذکر سے مقام اعلان میں اہمیت دی گئی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے لوگ جو منافقانہ رویہ کے ماتحت یا ظاہری رواداری اور ملنساری کے روابط کے پیش نظر ادھر خدا اور رسول کی محبت کا دم بھرتے ہوں اور ادھر کفار و مشرکین سے بھی میل جول رکھتے ہوں تو کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا ظاہر کرنے کے لئے اعلان برأت کی ضرورت ہوئی تاکہ اپنے اپنے ہو جائیں اور بیگانے، بیگانے رہیں۔ پس جو لوگ ادھر بھی محبت رکھتے ہیں۔ اور ادھر بھی محبت رکھتے ہیں۔ اب ایک طرف ہو جائیں گے۔ یا خالص ادھر آجائیں گے یا صاف ادھر ہو جائیں گے۔ نیز جو لوگ نہ ادھر تھے نہ ادھر تھے اب ان کو بھی ادھر یا ادھر ہو جانا پڑے گا۔ اور یہ مطلب صرف اقرار ولایت سے نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اعلان برأت سے ہی ہو سکتا تھا تاکہ دونوں فریقین سے ایک جیسا تعلق رکھنے والے درمیان میں لٹکے نہ رہیں بلکہ اعلانیہ طور پر ایک کنارے لگ جائیں۔

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ معصوم ایک دفعہ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ ایک شخص وہاں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا آپ نے اس کو سلام کہا۔ اور اس نے جواب سلام دیا پھر دوبارہ تشریف لے گئے تو ایک شخص کچھ پڑھ رہا تھا۔ آپ اس کے پاس سے گذر گئے اور اس کو سلام نہ دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ حضور اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے شخص کو سلام دیا اور دوسرے کو سلام نہیں دیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلا شخص محمد و آل محمد پر درود پڑھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے اس کو سلام دیا لیکن دوسرا محمد و آل محمد کے دشمنوں سے برأت کا ورد کر رہا تھا۔ اس لئے میں نے اس کو سلام نہیں دیا تاکہ اس کے ذکر خیر میں رکاوٹ نہ ہو۔

بہر کیف سورہ برأت میں خدا اور رسول کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اگرچہ کفار قریش اور مشرکین مکہ ہی وقت نزول اس کے مصلحتاً تشریح تھے۔ لیکن چونکہ آیات کلام اللہ ناقیامت باقی اور زندہ ہیں۔ لہذا ان کے تاویلی مصداق باقی ہیں۔ اور ناقیامت باقی رہیں گے۔ اور ناقیامت اہل ایمان کو ان سے برأت کرنی واجب ہے۔ پس جن لوگوں کا عقیدہ خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے مطالب

کے خلاف ہو یا جن کے اعمال و کردار اسلامی ہدایات کے سنائی یا مخالف ہوں۔ ان سے برأت کرنا اور نفرت کرنا ہر مومن کا فرض ہے اور وہ لوگ انہی آیات کے تاویلی مصداق ہو سکتے ہیں۔

شان نزول

مفسرین اور محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب سورہ برأت نازل ہوئی تو حضرت رسالت مآب نے اہل مکہ کو حکم خداوندی سنانے کے لئے حضرت ابوبکر کو مامور فرمایا اور پھر ان کو اس عہدہ جلیلہ سے معزول کر کے حضرت علیؓ کو متعین فرمایا۔ اس کی تفصیل میں الفاظ روایات میں قدرے اختلاف ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہے کہ حضور نے ابوبکر کو روانہ فرمایا کہ سورہ برأت کی دس آیتیں ان کے سامنے جا کر پڑھے اور ان کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمانہ کو منسوخ کر دے۔ اور پھر حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر سے عہدہ لے کر خود جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ جناب رسالت مآب کی مخصوص سواری ناتہ غضبار پر سوار ہو کر تیزی سے روانہ ہوئے اور مقام فدوالخلیفہ یا عرج یا خنجان یا جحفہ پر ان کو جاملے اور ان کو اپنی معزولی کا شہدہ سنا کر اپنے عہدہ کا چارج سنبھالا اور آگے روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں حضرت ابوبکر واپس آئے اور خدمت نبوی میں پیشینہ عرض کی کہ حضور کیا میرے حق میں کوئی سزائش کی قسم کی آیت تو نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ لیکن یہ اعلان چونکہ میری طرف سے ہے لہذا اس کو میں نے ہی پہنچانا ہے یا میری جانب سے صرف وہی پہنچا سکتا ہے جو مجھ سے ہو۔ روایت کے لفظ یہ ہیں۔ لایؤدی عنی الا انکا اودجل مہتی۔ اور یہ روایت اکابر صحابہ سے مروی ہے۔

۱۔ حضرت امیر المومنین علیؓ علیہ السلام جب جناب رسالت مآب پر سورہ برأت کی دس آیتیں اتریں تو آپ نے ابوبکر کو بلایا تاکہ اہل مکہ کے سامنے پڑھے۔ پھر مجھے بلوایا اور فرمایا جلدی سے جاؤ۔ ابوبکر کو جس مقام پر لو اس سے کتاب لے لو۔ اور خود جا کر اہل مکہ کو سناؤ۔ پس میں مقام جحفہ پر جا ملا۔ اور ان سے کتاب لے لی۔ ابوبکر واپس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کچھ آتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جبریل پہنچا ہے۔ اور اس نے اطلاع دی ہے کہ آپ خود پہنچائیں یا وہ شخص پہنچائے جو تجھ سے ہو۔

درمنثور ج ۲ صفحہ ۲۹۹ کنز العمال ج ۱ صفحہ ۲۴۹ سند احمد ج ۱ صفحہ ۲۴۹ تفسیر شوکانی ج ۲ صفحہ ۳۱۹ تاریخ ابن کثیر ج ۵ صفحہ ۳۵۷، عینی شرح بخاری ج ۸ صفحہ ۶۳۷ خصائص نسائی صفحہ ۱۰۰ میں ہے کہ ابوبکر غلیظ واپس آئے اور پوچھا کہ کیا میرے بارے میں کچھ آتا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ یا خود پہنچاؤں یا وہ شخص پہنچائے جو میری اہل بیت سے ہو۔

۲۔ حضرت ابوبکر۔ جناب رسالت مآب نے برأت رے کر ان کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا۔ اور جنت میں صرف مسلمان ہی جائے گا۔ اور جس جس کا جناب رسول خدا کے ساتھ عہد و پیمانہ ہے تو وہ اپنی مدت تک رہے گا۔ اور اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔ پھر تین روز کے بعد حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا کہ ابوبکر کو واپس بھیج دو اور خود برأت کا اعلان پہنچاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تو ابوبکر نے خدمت نبوی میں پہنچ کر رو دیا اور عرض کی حضور کیا مجھ سے کچھ صادر ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم سے کچھ صادر نہیں ہوا۔ لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ خود پہنچاؤں یا وہ پہنچائے جو مجھ سے ہو۔ سند احمد ج ۱ صفحہ ۲۴۹ کنز العمال ج ۱ صفحہ ۲۴۹ تفسیر شوکانی ج ۲ صفحہ ۳۱۹ تاریخ ابن کثیر ج ۵ صفحہ ۳۵۷

۳۔ ابن عباس :- کہ جناب رسالتاً نے ابوبکر کو بھیجا کہ اہل مکہ میں مندرجہ بالا اعلان کرے پھر علی کو چھپے روانہ کیا۔ ابوبکر نے راستہ میں ایک مقام پر چھپے سے جناب رسالتاً کی ناقہ قصوا کی آواز سنی تو گبر گیا کہ شاید حضور خود ہی تشریف لارہے ہیں۔ پس حضرت علی سینے اور ابوبکر سے جناب رسول خدا کا نوشتہ لے لیا۔ اور جا کر اہل مکہ کو سنایا۔ الحدیث جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۵ سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۲۲ مناقب خوارزمی ص ۹۹ مطالب السؤل ابن طلحہ ص ۱ تفسیر شوکانی ج ۲ ص ۳۱۹۔

۴۔ انس بن مالک :- کہ جناب رسالتاً نے ابوبکر کو برأت دی کہ اہل مکہ کو سنبھالے لیکن پھر ان کو واپس بلا لیا اور فرمایا کہ یہ اور کوئی نہیں سنبھال سکتا۔ مگر وہ جو میری اہل سے ہو۔ پس علی کو بلا لیا اور ان کو یہ عہدہ تفویض کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب ابوبکر فد الخلیفہ پر سپنج گئے تو حضرت علیؑ کو مامور فرمایا کہ اس کو نہ سنبھالے مگر میں خود یا وہ جو میری اہل بیت سے ہو۔

دسمت احمد ج ۳ ص ۲۱۲ و ص ۲۸۳ ترمذی ج ۲ ص ۱۳۵ خصائص نسائی ص ۲ تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۲۸ تفسیر ابن کثیر ج ۳۳۳ قطلانی شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۳۶ فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۷ عینی ج ۸ ص ۶۳۶ درمنثور ج ۳ ص ۲۰۹ وغیرہا۔

۵۔ ابوسعید خدری :- حضور نے برأت دے کر ابوبکر کو روانہ کیا پھر علی کو بلا کر فرمایا کہ اس کو یا میں سنبھالوں یا تم سنبھالو۔ پس اپنی ناقہ عصابا پر سوار کر کے روانہ کیا اور راستہ میں انہوں نے ابوبکر سے وہ عہدہ سنبھال لیا۔ پس ابوبکر کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں میرے بارے میں کچھ آواز نہ ہو تو خدمت نبوی میں اگر عرض کی کہ حضورؐ کیا بات ہے۔ الحدیث درمنثور ج ۳ ص ۲۰۹ روح المعانی ج ۱ ص ۱۶۸ وغیر ذلک

۶۔ ابورافع :- حضرت نے ابوبکر کو بھیجا تو بعد میں جبریل نازل ہوا کہ یا خود سنبھالو یا وہ سنبھالے جو تم سے ہو۔ پس حضرت نے علی کو روانہ فرمایا جنہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ابوبکر سے اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۷ درمنثور ج ۳ ص ۲۱۱)

۷۔ سعد بن ابی وقاص :- حضور نے ابوبکر کو بھیجا اور بعد میں علیؑ نے بحکم رسول ابوبکر سے عہدہ لے لیا تو ابوبکر غمگین ہوئے۔ جناب رسالتاً نے فرمایا اس کو ادا نہیں کر سکتا مگر میں یا وہ جو مجھ سے ہو۔ (خصائص نسائی ص ۲ درمنثور ج ۳ ص ۲۰۹ وغیر ذلک اور ابن عباس نے حارث بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں نے مکہ میں سعد بن ابی وقاص سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تو نے علی کی کوئی فضیلت سنی ہے۔ تو سعد نے جواب دیا کہ میں حضرت علیؑ کی چار فضیلتوں کا شاہد ہوں کہ اگر ان میں سے میرے لئے ایک بھی ہوتی تو میں پوری دنیا کی حکومت سے افضل سمجھتا۔ جب کہ حضرت نوح کے برابر عمر بھی دی جاتی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور نے ابوبکر کو برأت دے کر مشرکین مکہ کی طرف روانہ کیا۔ وہ ایک دن رات کا سفر کر چکا تو علیؑ کو فرمایا کہ ابوبکر کو جا کر ملو اور ان سے وہ لے لو اور خود جا کر سنبھالو۔ اور ابوبکر کو واپس میری طرف بھیج دو۔ پس ابوبکر روتا ہوا واپس آیا اور عرض کی یا رسول اللہؐ کیا میرے بارے میں کچھ آواز ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ اچھائی ہے۔ ان میری طرف سے نہیں سنبھال سکتا۔ مگر میں خود یا وہ جو مجھ سے ہو۔ یا وہ جو میری اہل بیت سے ہو۔

۸۔ ابوسریہ (۹) عبداللہ بن عمر (۱۰) حبشی بن جنادہ (۱۱) عمران بن حصین (۱۲) ابوذر غفاری (۱۳) جابر بن عبداللہ۔ ان سے بھی کتب صحاح میں اسی مضمون کی احادیث باختلاف الفاظ مروی ہیں۔ تفصیلی بحث الغدیر ج ۶ ص ۲۳۸ تا ص ۳۵۔ بہر کیف

اگر کسی حدیث کو متواتر کہا جاسکتا ہے تو حدیث برأت یقیناً متواترات میں سے ہے۔ تہتم اہل سنت کے علمائے اعلام نے اپنی معتبر تصانیف میں اس حدیث کو تیرہ اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے۔ اگرچہ جزوی طور پر اختلاف ہے کہ حضرت علی مقام صحبان میں یا عرج میں یا ذوالحلیفہ میں یا حنفہ میں جا کر ابوبکر سے ملے اور عہدہ اُن سے واپس لیا۔ بہر کیف اس میں شک نہیں کہ حضرت نے پہلے ابوبکر کو بھیجا تھا اور وحی کے اترنے کے بعد حضرت علی کو بھیج کر ابوبکر کو اس عہدہ سے معزول کیا گیا۔

اس حدیث سے چند نتائج نکلتے ہیں جو ارباب بصیرت کے لئے غور و فکر کا محل ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر سے اس عہدہ کا چارج لیا گیا اور ان کو معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔

۲۔ عہدہ کی اہمیت اس امر سے خوب واضح ہے کہ یا اس کو رسول خود پہنچائے یا وہ پہنچائے جو رسول سے جو یا رسول کی اہلیت سے ہو۔

۳۔ عہدہ تبلیغ برأت کی معزولی سے حضرت ابوبکر کے دل پر صدمہ ہوا۔ اور غمزدہ واپس آئے۔ حتیٰ کہ فرط غم سے رو دیا۔

۴۔ رسول کا کسی کو اپنے عہدہ سے معزول کرنا وحی کی آمد اور اللہ کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے۔

۵۔ اگر حضرت ابوبکر تبلیغ برأت کے لئے اللہ کے نزدیک موزوں ہوتے تو اُن کی بلا وجہ معزولی خلاف عدل قرار پاتی۔

۶۔ حضرت ابوبکر کا پوچھنا کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے یا مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہے (باختلاف روایت)

اور حضور کا نہیں: میں جواب دے کر فرمایا کہ یہ میرا میری اہل بیت کا فریضہ ہے۔ یعنی ہم خود ہی اس کے اہل ہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ تم کو اس لئے معزول کیا گیا ہے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو۔

۷۔ جو شخص دس آیتوں کی تبلیغ کے لئے صرف اہل مکہ کا مبلغ نہیں ہو سکتا تو کل قرآن کی تبلیغ کے لئے کل عالم کا مبلغ کیسے بن سکتا ہے؟

۸۔ روایات سے صاف واضح ہے کہ حضرت علی کی تبلیغ میں وہی شان و حیثیت تھی جو خود جناب رسالت مآب کی ہے۔

۹۔ حضرت کا اپنی مخصوص سواری پر روانہ کرنا اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ جو مقام رسول کے لئے ہے ان کے بعد وہ مقام

صرف علی کو ہی زیب دے سکتا ہے۔ چنانچہ یہاں اپنی سواری عطا فرمائی اور شبِ ہجرت اپنا بستر عنایت فرمایا۔

۱۰۔ سعد بن ابی وقاص کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت علی کی فضیلت پر پردہ ڈالنے کے عادی تھے اور اس امر کی کوشش

کی جاتی تھی کہ حضرت علی کی منقبت لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے اور ڈھونڈنے والے صحابہ رسول سے علیہ کی اور خلوت میں کچھ نہ کچھ پوچھ

ہی لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حارث بن مالک نے ایک ڈھنگ سے سعد بن ابی وقاص سے پوچھ لیا۔ اور یہ فضیلت اتنی واضح تھی

کہ سعد بن ابی وقاص کو کہنا پڑا کہ پوری روئے زمین کی حکومت سے یہ فضیلت بہتر ہے۔

حدیث کے الفاظ پر غور کرنے اور مطلب کی تہ تک پہنچنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی

طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت علی تبلیغ آیات قرآنیہ کے لئے خداوند کریم کی جانب سے

نامزد تھے۔ اور اُن کی حیثیت خود رسول کی حیثیت تھی تو جب قرآن کے ایک منقصر حصہ کی تبلیغ کے لئے ایک محدود رقم تک محدود

حدیث برأت دلیل خلافت

علاقہ میں کوئی شخص ان فرط قرار دیا جاتا ہے۔ یہ عقل سلیم کیسے تسلیم کرے کہ وہ کل قرآن کا مبلغ ہو اور تمام قوموں اور تمام ملکوں کا خدا کی جانب سے پیشہ ہو۔ پس حضرت علی کی پوزیشن کو واضح کر کے گویا رسول خدا عملی اعلان فرما رہے تھے کہ میری جگہ پر تبلیغ قرآن کے لئے حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی بھی سوزوں نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابو بکر اس کے اہل نہ تھے تو جناب رسالت مآب نے پہلے ان کا انتخاب کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف تصویر کا ایک رخ پیش کرنے سے کبھی حقیقت نہیں کھلتی۔ اگر آپ پہلے سے ہی حضرت علی کو بیچ دیتے تو کہنے کو بات رہ جاتی کہ آپ اپنی مرضی سے ہر عہدہ جلیلہ کے لئے حضرت علی کو ہی نامزد فرما لیتے ہیں ورنہ ہم کسی سے کیا کم ہیں؟ جنگ احد میں جب علیؑ نے لاشیٰ الاعلیٰ کا تغیر پایا تو شاید کسی دل میں اس تمخ کا لالچ بھی پیدا ہوا ہو۔ پس اس قسم کے شکوک رفع کرنے کی خاطر حضور نے بعض غزوات میں پہلی دفعہ حضرت علی کو نامزد فرمایا جیسا کہ نزوہ ذات السلاسل کا قصہ تاریخوں میں محفوظ ہے۔ ایک صحابی کو فوج کی کافی جمعیت دے کر روانہ فرمایا جب وہ میدان جنگ سے بھاگ کر واپس آئے تو دوسرے کو علم عطا فرمایا تاکہ دل میں اس کی بھی حسرت نہ رہے۔ جب وہ بھی ناکام واپس پلٹے۔ تو حضرت علی کو روانہ فرمایا۔ اور حضرت علی فوج و کامرانی سے واپس پلٹے تو سورۃ والعدایات کی آیتیں اتریں جن میں پروردگار نے علیؑ کے گھوڑوں کی قسمیں کھائیں۔ ینابیع المودۃ سے بھی اس واقعہ کو نقل کیا گیا ہے پھر جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لئے صحابہ کو مخاطب فرمایا لیکن کان علیؑ رؤسہم اللیلین۔ (گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے تھے) اور بحکایت قرآن بَلَّغْتَ الْقُلُوبَ الْحَنَاجِرَ (سانس حلقوم تک پہنچ گئے تھے) اور آنکھیں خون سے دھنس گئی تھیں۔ پس حضرت علیؑ نے مردانہ وار اس نئے مقابلہ کیا۔ اور سر تلم کر کے خدمت نبوی میں لائے۔ جاتے ہوئے کل ایمان کا لقب لیا بروز الایمان کلا۔ الخ اور پلٹ کر حسرتہ علیؑ یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین کا تغیر پایا۔ ایسے گزرتے رہے خطابات اور نئے طبیعتوں کی لچاسرٹ کے لئے ہمیشہ تھے۔ ضرور طبیعتیں ابھرتی ہوں گی۔ تو حضرت رسالت مآب نے حاصل کزیرالوں کے لئے راستہ کھول دیا۔ اب خیبر کا معرکہ سامنے تھا تو علم فرج ایک صحابی کو دیا تاکہ اس کا ذلی ارمان مٹ جائے۔ جب وہ ویسے کے ویسے پلٹے تو دوسرے کو آگے بڑھایا وہ بھی فرورد ہو کر واپس پلٹے اور کہتے تھے کہ ساتھیوں نے بزدلی کی۔ ساتھی کہتے تھے علیؑ دار پہلے بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم بعد میں میدان سے بھاگے۔ خیر سب کی حقیقت کھل گئی۔ آخری دن حضرت علیؑ نے میدان حیت کر فوج اسلام کا بھرم رکھ لیا اور بفرمان رسالت محبت و محبوب خدا کرار وغیر فرار کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ پوری تفصیل تفسیر کی جلد ۳ میں آئے گی۔

حضرت رسالت مآب جانتے تھے کہ ان مقامات میں علیؑ کے سوا کوئی بھی اہل نہیں ہے لیکن یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ وقت گذر جانے کے بعد کوئی دوسرا اپنی اہلیت کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے۔ یہاں تبلیغ آیات برات کے موقع پر بھی حضور کو معلوم تھا کہ حضرت علیؑ ہی اس عہدہ جلیلہ کے اہل ہیں لیکن بعد کی چیمیکوئیوں کا سدباب کرنے کے لئے پہلی دفعہ حضرت علیؑ کا انتخاب نہ فرمایا بلکہ پہلے حضرت ابو بکر کو نامزد کیا اور پھر حکم پروردگار ان کو معزول کر کے حضرت علیؑ کو متعین فرمایا۔

ان دونوں مقاموں میں فرق یہ ہے کہ مقام جنگ میں جب دوسروں کو علم عنایت فرماتے رہے تو ان کو راستہ سے واپس نہیں

ہلویا بلکہ وہ ناکام پلٹے تو دوسرے کو دیا اور آخر میں حضرت علی کو مامور فرمایا۔ اور اس مقام پر راستے سے ہلویا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام جنگ میں بعض مجاہدین کی کڑوسی یا پپائی کا فوراً مرد میدان مجاہد اور جاننا زہاد سے تدارک کیا جاسکتا تھا لیکن مقام تبلیغ میں ایک مبلغ کی ناکامی اس نازک دور میں پورے اسلامی مشن کی توہین و تذلیل کے مترادف تھی جس کا تدارک صرف زور بازو سے نہیں ہو سکتا تھا۔ بنا بریں خالق کو گوارا نہ ہوا اور جو اہل نہجھا گیا اس کو فوراً واپس ہلویا گیا۔ اور اہل کو مامور کر کے بھیج دیا گیا۔

بہر کیف کھنڈ والوں کے لئے یہ مقام تاریخ اسلام میں ایک اہم حقیقت کا حامل ہے۔ اور اس موقع پر فرمان نبوی حضرت علیؑ کی خلافت بلا فضل کا غیر مبہم بیان ہے۔ ایک کی برطرفی اور دوسرے کا تعین دونوں کے مراتب و منازل میں زمین و آسمان کے فرق کا بیانگ دہل اعلان ہے جس کو حقیقت آشنا کان سن رہے ہیں۔ اور دوسرے داغ قبول کر رہے ہیں۔

علامہ علی اعلی اللہ مقار نے اس حدیث کو دلیل خلافت قرار دیا تو فضل بن رزبہان متعصب سیخ پا ہو کر اس کے جواب میں لکھتا ہے۔ شہد میں حضور نے حضرت ابوبکر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ اور یہ ہدایت کی کہ موسم حج میں سورہ برآة کی پہلی آیتیں مشرکین کو سنائیں۔ اور چونکہ حضرت رسالت کا قبائل عرب کے ساتھ عہد و پیمان تھا۔ اس لئے ان کو حکم دیا کہ ان کے عہد و پیمان کی چارہاہ عدم مقرر کر دیں۔ جیسے خود ارشاد خداوندی ہے۔ سورہ کی دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ تم زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔ اور ابوبکر کو یہ بھی حکم دیا کہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ جب حضرت ابوبکر روانہ ہو چکے تو حضرت رسالت آیت کی سورہ برآة کی تبلیغ کے بارے میں رائے تبدیل ہو گئی کیونکہ اس میں عہد ختم کرنے کا اعلان تھا۔ یا ان کی ماہ تک عہد بندگی کا حکم تھا اور عرب کسی عہد کو ختم کرنے کے لئے سوائے صاحب عہد یا اس کی قوم کے آدمی کے دوسرے کسی کی بات کو باور نہیں کرتے تھے۔ ابوبکر چونکہ بنی تمیم سے تھا پس حضرت علی کو بھیجا۔ اب ابوبکر امیر حج بھی رہا اور دوسرے اعلانات بھی اس کے ذمے تھے۔ جب پیچھے سے حضرت علی پہنچے تو ابوبکر نے پوچھا کیا آپ امیر حج بن کر آئے ہیں تو حضرت علی نے جواب دیا نہیں بلکہ میں تو عہد و پیمان ختم کرنے کی ڈیوٹی پر مامور ہیں۔ پس دونوں اکٹھے روانہ ہوئے۔ حج سے فارغ ہو کر واپس آئے تو ابوبکر نے پوچھا حضور کیا میرے بارے میں کوئی آیت اتری تھی۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ چیز یا میں نے پہنچانی تھی یا وہ پہنچاتا جو میری اہلیت سے ہو۔ اس کے بعد کہتا ہے یہ ہے حقیقت خبر نہ اس میں نص خلافت ہے۔ اور نہ اس میں حضرت ابوبکر کی کوئی تفتیح ہے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا مجھے جبریل نے بتایا ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ اصل حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ دیکھئے اس ناصبی نے حضرت علی کی دشمنی میں اندھے ہو کر کس قدر حق پر پروہ ڈالنے کی ناپاک سعی لاحاصل کی ہے۔ تمام کتب احادیث سے نقل شدہ روایات کو قطع و برید کر کے ایک نئے سانچے میں ڈھال کر نئی روایت تیار کر لی اور نہایت نظر ہو کر آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ یہ ہے حقیقت خبر۔ حالانکہ اگر اس حقیقت خبر میں نظر تحقیق ڈالی جائے تو کئی وجہ سے یہ خبر بے حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

۱۔ کتب صحاح اور مسانید معتبرہ میں اس طریق بیان سے قطعاً یہ روایت کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ ہم نے متعدد کتابوں سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور الغیر میں دیگر متعدد کتب سے اس روایت کے الفاظ منقول ہیں۔ لیکن یہ بیان کسی کتاب میں نہیں ہے۔

۲۔ حضرت رسالت مآبؐ کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ برس تھی تو کیا اس لمبی عمر میں حضورؐ کو عربوں کے عادات و اطوار اور طرز و تمدن سے واقفیت حاصل نہ ہو سکتی تھی کہ عرب لوگ کسی عہد کی تزیین یا تینخ کے لئے صاحب عہد یا اس کے کسی قریبی کے علاوہ کسی دوسرے کی بات پر باور نہیں کیا کرتے؟ اور پاس بیٹھنے والے بھی سارے عرب تھے۔ کیا عربوں کے اس دستور کا مہاجرین و انصار کو بھی پتہ نہیں تھا؟ اور حضرت ابو بکرؓ جس کو پہلے یہ عہدہ دیا جا رہا تھا۔ وہ بھی عربوں کی خصوصاً مکہ والوں کی اس عادت کو نہیں جانتے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ حضورؐ عربوں کے عمومی دستور کو خوب جانتے تھے۔ لیکن جاننے کی صورت میں پہلی دفعہ معاذ اللہ غلط قدم کیوں رکھا؟ کیا خدا نے اس غلطی پر آمادہ کیا۔ یا خود لاپرواہی سے کام لیا۔؟ اور یہ دونوں صورتیں قابل قبول نہیں۔ علاوہ ازیں مہاجرین و انصار نے جو خود خالص عرب تھے۔ کیوں نہ روکا۔ اور خود حضرت ابو بکرؓ نے یہ عہدہ دیدہ و دانستہ کیوں قبول کر لیا؟

۳۔ حضرت علیؓ کی تقرری اگر دستور عرب کے مطابق تھی تو حضرت ابو بکرؓ کو اپنی معزولی پر غم کیوں ہوا۔ اور وہ رونے کیوں لگ گئے اور ان کو واپس آکر یہ دریافت کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے؟ بلکہ حق تو یہ ہے کہ وہ دستور عرب کے خلاف ایک عہدہ پر مامور تھے جو ان کے لئے معرض خطر تھا۔ پس ان کی معزولی ان کے لئے باعث خوشی تھی۔ نہ کہ مقام گریہ۔

۴۔ عربوں کا جو قاعدہ بیان کیا ہے۔ قطعاً بے بنیاد ہے۔ صاحب عہد کی طرف سے جو بھی بحیثیت سفیر یا قاصد جائے اسی کا ہی قول معتبر ہوا کرتا ہے خصوصاً صاحب کہ حضورؐ کی طرف سے تحریر بھی اُس کے پاس موجود ہو۔

۵۔ ان کے کہنے کے مطابق اگر وہ بدستور امیر الحاج رہے تو صرف نئے عہد کی ڈیوٹی سے سبکدوش کئے جانے پر تشویش ان کو کیوں لاحق ہوئی؟

۶۔ اگر عام عرب دستور کی مطابقت مقصود تھی تو اس کو صاحبان مسانید و صحاح نے حضرت کے فضائل و مناقب میں بلکہ خصوصاً میں کیوں درج کر لیا۔ حتیٰ کہ سعد بن ابی وقاص کو کہنا پڑا کہ حضرت نوح کی عمر کے برابر کی روئے زمین پر حکومت سے بھی افضل اور محبوب تر ہے۔ روایات منقولہ میں صاف ہے کہ حضرت ابو بکرؓ وہاں سے ہی واپس پلٹا یا گیا۔ جہاں حضرت علیؓ نے اپنے عہدہ کا چارج لیا اور بعض روایات میں مہرحت سے مذکور ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ہدایت کی تھی کہ ابو بکرؓ سے لے کر خود جاؤ اور ان کو واپس بھیج دو۔ چنانچہ وہ روئے ہوئے غمگین واپس آئے۔

۸۔ روایات میں ہے کہ تینخ عہد کے علاوہ باقی اعلانات بھی حضرت علیؓ علیہ السلام نے خود ہی کئے تھے۔

(۱) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔

(۲) بیت اللہ کا طواف کوئی برہمن نہ کرے گا۔

(۳) جن لوگوں کے عہد کی جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ مدت مقرر ہے وہ اپنی مقررہ مدت تک رہیں گے۔ اور جن کی مدت

مقرر نہیں ہے تو اب اس کی مدت چار ماہ تک ہے۔

۴۔ جنت میں صرف مومن ہی جائیں گے۔ کنز العمال ج ۱۲، ترمذی شریف۔ سورہ توبہ

بہر کیف ہزار کوشش کر کے حضرت علی کی فضیلت پر پردہ ڈالا جائے لیکن بالآخر حقیقت بے نقاب ہو کر رہتی ہے۔ خدا رسول کو عالم تھا کہ اس عہدہ جلیلہ کے لئے سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا موزوں نہیں ہے۔ پس پہلے حضرت ابوبکر کو متعین کیا گیا۔ اور جب یہ چرچا عام ہو گیا۔ اور لوگوں میں خبر پھیل گئی تو اس کو معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔ اور حضرت علیؑ کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا تاکہ ہر خاص و عام کے ذہن نشین ہو جائے کہ نیابت رسول کے عہدہ کے لئے حضرت ابوبکر موزوں نہیں تھے۔ اور حضرت علیؑ ہی موزوں تھے۔ اور جب جزوی تبلیغ میں حضرت علیؑ کے سوا کوئی دوسرا رسول کی قائم مقامی کا اہل نہیں ہو سکا۔ تو کلی و عمومی تبلیغ کے لئے خدا و رسول اس کو کیسے نامزد کر سکتے ہیں؟ اور ظاہر ہے کہ اگر پہلی مرتبہ ہی حضرت علیؑ کو بھیجا جاتا تو یہ تنبیہ حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے

روایت بطریق اہل بیت

کہ سورہ کو جب جناب رسالت مآب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو یہ آیتیں آئیں اور حضورؐ نے جب مکہ فتح کیا تو مشرکین کو اس سال حج کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ اور عربوں کا دستور تھا کہ جو مکہ میں داخل ہو کر اپنے لباس میں طواف کرتا تھا پھر اس لباس کو صدقہ کر دیتا تھا۔ اور طواف کے بعد اس لباس کا پننا وہ اچھا نہ سمجھتے تھے۔ لہذا باہر سے آنے والے عاریتہ یا کرایہ پر بھی لباس لے لیا کرتے تھے۔ اور اس میں طواف کر کے مالک کو واپس لوٹا دیا کرتے تھے۔ اور جس کو عاریتہ یا کرایہ پر لباس نہ مل سکتا تھا وہ برہنہ طواف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حسین و جمیل نوجوان عورت مکہ میں بغرض طواف پہنچی تو اس کو عاریتہ اور کرایہ پر لباس نہ مل سکا اور اُس کو کہا گیا کہ اگر تو نے اپنے لباس میں طواف کیا تو یہ لباس تجھے صدقہ کرنا پڑے گا۔ کہنے لگی میرے پاس کوئی دوسرا لباس تو ہے نہیں اس کو کیسے صدقہ کر سکتی ہوں؟ پس اُس نے لباس اتار کر برہنہ طواف کیا۔ اور لوگ گزریں اٹھا کر اُس کو دیکھنے لگے۔ تو اُس نے اپنے آگے اور پیچھے پر ہاتھ رکھ لئے۔ اور اس مضمون کا اس نے شعر بھی پڑھا جب طواف سے فارغ ہوئی تو لوگوں نے اُس سے شادی کی خواہش کی لیکن اُس نے صرف ایک بات کہہ کر سب کی انگلیوں پر پانی پھیر دیا کہ میں شوہر دار ہوں۔

سورہ برآۃ کے نزول سے پیشتر حضور کا یہ دستور تھا کہ خود لڑائی کی ابتداء نہ کرتے تھے بلکہ صرف ان سے جہاد کرتے تھے جو پہلے کریں اور سورہ برآۃ میں قتل مشرکین کا عام حکم تھا لیکن حضورؐ نے بعض لوگوں کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر معاہدہ کیا تھا اب ان کو چار ماہ کی مدت دی گئی جو دسویں ذوالحجہ سے لے کر دسویں ربیع الثانی تک تھی۔ پس آپ نے سورہ برآۃ کی آیتیں ابوبکر کو دے کر روانہ فرمایا۔ چنانچہ مقام ردماء پر حضرت علیؑ نے ابوبکر سے وہ آیات لے لیں اور ابوبکر واپس آگیا۔ اور عرض کی کہ حضورؐ! کیا میرے بارے میں کوئی چیز اتنی ہی ہے تو آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خود پہنچاؤں یا وہ شخص جو مجھ سے ہو۔ پہنچائے۔

بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فتح مکہ ۱۱ھ میں برأت ۱۲ھ میں اور حجۃ الوداع ۱۳ھ میں ہوئی اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے تلوار نیام سے نکال کر اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ طواف نہ کرے۔ اور جن کے عہد کی مدت مقرر ہے وہ اپنی مدت تک ہوگا۔ اور جن کی مدت مقرر نہیں اب اُس کی مدت چار ماہ

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ①

بیزاری اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے طرف ان کے جن سے تم نے عہد کیا تھا مشرکین میں سے (کہو کہ) ہوگی (اس کے بعد اس کا قتل حلال ہوگا)۔ (صافی)

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کس لئے بیچھے گئے تھے۔ تو فرمایا چار چیزوں کے پیچھے گئے (۱) کعبہ میں سوائے مومن کے کوئی داخل نہ ہو (۲) بیت اللہ کا طواف عربوں کو کرنا نہ کرے (۳) اس سال کے بعد مومن و کافر مسجد طرام میں جمع نہ ہوں گے (۴) جس کے عہد کی مدت مقرر ہے وہی مدت رہے گی۔ اور جس کی مدت مقرر نہیں اُس کی چار ماہ مدت ہوگی اور تفسیر برہان میں ہے کہ مشرکین نے جو اب دیا کہ تم تیرے اور تیرے چچا زاد کے عہد سے بیزار ہیں۔ اور اب ہمارے درمیان تلوار و نیزہ چلے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو ہم خود ہی اس کی ابتدا کریں گے۔ تب حضرت علی نے فرمایا کہ اِنَّكُمْ غَيْرُ مُعَٰجِزِي اللَّهِ - تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ہو الخ۔

نظر و فکر آل محمد کی تنقیص اُن کے دشمنوں کا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے۔ حتیٰ کہ کسی شخص کی عمومی مقبولیت کا معیار بھی عداوت آل محمد قرار پاگئی۔ پس جس کسی نے آل محمد کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ علامہ بھی کہلایا۔ پیر و مرشد بھی بنا۔ اور امام کے لقب سے بھی نوازا گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جس جس مقام پر آل محمد کی مدح موجود ہے وہاں سستی شہرت کے خواہشمند اور بڑے بڑے القاب کے دلدادہ حضرات نے آل محمد پر زیادہ سے زیادہ کیڑا چھپا لینے کی کوشش کی۔ اور جہاں بھی آل محمد کے اعداء کی تنقیص قرآن مجید میں صراحتاً یا کنایتاً موجود ہے وہاں ان ضمیر فروش ملاؤں نے ان کی تاویلات کر کے کسی نہ کسی طریقہ سے اُن کو فضائل کا لباس اٹھانے کی سعی نامسعود کی۔ لیکن بقول شاعر

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن
چھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

فضائل آل محمد کو چھپانا ان لوگوں کے بس کا رنگ نہیں ہے بلکہ خود ہی ان لوگوں کے قلم لبا اذقات حق اُگلنے پر مجبور ہو جایا کرتے ہیں۔ اور حق بین نگاہیں باطل کے تہ بہ تہ گہرے پردوں کے باوجود حقیقت کا سراغ لگا لیا کرتی ہیں۔ جیسا کہ سورہ برأت کے متعلق وارد شدہ روایات۔ بیانگِ دہلی اس امر کی شاہد ہیں۔ اور آل محمد کی صداقت کی اس سے زیادہ واضح دلیل اور کیا ہوگی کہ دشمن کا قلم بھی بے بس ہو کر بے طریقہ سے ان کی فضیلت کا اعلان کر جاتا ہے ع والفضل ما شہدت به الاعداء۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ - یعنی خدا و رسول کا ذمہ مشرکین سے بری ہے۔ ان سے جن سے عہد کیا جا چکا ہے۔ تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عہد شکنی کو اس مقام پر کیوں روارکھا گیا ہے۔ حالانکہ عہد کی وفا واجب ہو کرتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تین صورتوں میں عہد کا توڑ ناجائز ہو کرتا ہے۔ (۱) جب کہ عہد مشروط ہو۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ہمارے درمیان عہد اس وقت تک ہے جب تک کہ خدا بند لیرجی اس کو اٹھانے دے (۲) مشرکین کی جانب سے خیانت اور عہد شکنی کی ابتدا ہو چکی ہو (۳) عہد کی مدت مقرر ہو اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ روایت میں ہے حضور نے مشرکین کے ساتھ عہد مشروط کیا تھا۔ اور نیز یہ بھی مروی ہے کہ مشرکین نے

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَلِمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ

پس چل پھر لو زمین میں چار مہینے اور جانو کہ تحقیقی تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو

وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ﴿٢﴾ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ

اور تحقیق اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو اور اطلاع ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو

عہد شکنی کی ابتدا کی تھی یا یہ کہ وہ عہد شکنی کا ارادہ رکھتے تھے۔ پس خداوند کریم نے سورہ برأت نازل فرمادی۔

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ - یعنی چار ماہ تک کی مدت یعنی ۱۰ ذوالحجہ سے ۱۰ ربیع الثانی تک تم زمین میں با امن و امان چلو پھرو۔ اس سعاد کے گزرنے کے بعد مسلمانوں پر تمہارا خون مباح ہوگا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سال حج ۱۰ ذوالقعدہ کو تھی۔ اور یہی قربانی کا دن تھا لہذا چار ماہ کی مدت ۱۰ ربیع الاول تک تھی۔ اور دوسرے سال حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ ذی الحجہ قربانی کا دن مقرر ہوا۔ (مجمع البیان)

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ كَامِصْدَاقِ عَلِيٍّ

۱۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں اذان کا مصداق علیؑ ہے (۱۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے آسمان پر حضرت کا ایک نام اذان بھی مقرر کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جناب رسالت مآبؐ کی جانب سے شکرین مکہ کو برأت سنیالی تھی کہ پہلے حضورؐ نے ابوبکر کو بھیجا تھا تو جبریل نازل ہوا کہ اس کو نہ سنیائے مگر تو خود یا وہ شخص جو تجھ سے ہو۔ پس حضورؐ نے حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا۔ پس حضرت علیؑ نے راستہ میں ابوبکر سے صحیفہ لے لیا اور مکہ میں گئے تو زندانے ان کا نام اذان مقرر کیا۔ اور یہ پروردگار کا حضرت علیؑ کو عطیہ ہے۔

۱۳) نہروان سے واپسی پر حضرت امیر علیہ السلام نے کوفہ میں خطبہ پڑھا جبکہ آپ کو اطلاع ملی کہ معاویہ آپ کو سب کرتا ہے اور عیب جوئی کرتا ہے۔ نیز آپ کے طرفداروں کو قتل کرتا ہے۔ تو آپ نے حمد و ثناء درود و سلام کے بعد اپنے بیان میں ارشاد فرمایا اَنَا الْمَوْذُونُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ - میں دنیا و آخرت میں خدا کی جانب سے موزن ہوں۔ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے وَ أَذَانٌ مَّوْذُونٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ - یعنی اس دن موزن اذان دے گا کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر اَفَا ذٰلِكَ الْمَوْذُوْنُ - وہ موزن میں ہوں گا۔ اور دوسرا ارشاد ہے - وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ - اور یہاں اذان سے مراد میں ہوں۔

علامہ علیؑ قدس سرہ نے اس آیت مجیدہ کو بھی حضرت علیؑ کی خلافت، انصاف کی دلیل قرار دیا ہے اور سند احمد سے نقل کیا گیا ہے کہ اس اذان سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اور دلائل الصدق میں درمثور سے منقول ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں حضرت علیؑ کا نام موجود ہے لیکن لوگ جانتے نہیں ہیں۔

حکیم بن حمید راوی حدیث کہتا ہے میں نے دریافت کیا کہ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا فرماتا ہے - وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ - خدا کی قسم اس کے مصداق آپ ہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کی جانب سے یہ لقب حضرت امیر علیہ السلام

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ إِن تَبْتَدُوا فَمَوْ

روز حج اکبر کہ تحقیق اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول پس اگر توبہ کرو تو

خَيْر لَّكُمْ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ نَاعِلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ

بستر ہے تمہیں اور اگر منہ پھیرو تو جانو کہ تحقیق تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو اور خوش خبری دو

كُفْرًا وَعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ

کافروں کو عذاب دردناک کی مگر جن مشرکین کے ساتھ تم نے عہد کیا اور پھر

کی عظمت شان اور رفعت مقام کا واضح مینار ہے۔ پس خدا کی احکام کی تبلیغ اور رسول کی نیابت انہی کی ذات والا صفات کے لئے ہی زیبا ہے۔

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد قربانی کا دن ہے اور اس کے مقابلہ میں حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس سال چونکہ مسلمانوں اور مشرکوں نے مل کر حج کیا تھا۔ اس لئے وہ دن حج اکبر کا دن کہلایا اور اس کے بعد پھر مشرکین کا بیت الحرام میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ پہلی برأت سے مراد نقض عہد ہے۔ اور یہاں برأت سے مراد دوستانہ تعلقات کا اختتام ہے۔ لہذا تکرار لازم نہیں آتا۔

فَإِن تَبْتَدُوا۔ یعنی مشرکوں کو بتا دو کہ اگر توبہ کر لیں اور شرک سے باز آجائیں تو فائدہ میں رہیں گے۔ لیکن اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں اور شرک پر ڈٹے رہیں تو وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ گویا یہ بھی دبے لفظوں میں ان کی تہدید تھی۔ پھر اس کے بعد صاف طور پر فرمایا کہ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیدو۔

إِلَّا الَّذِينَ۔ یہ استثناء ہے۔ یعنی ایسے مشرک جن کے ساتھ تمہارا عہد و پیمانہ ہے۔ اور انہوں نے عہد شکنی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور نہ تمہارے دشمنوں کے ساتھ مل کر تمہاری ایذا کے درپے ہوئے تو ان کے عہد کو اپنی مدت تک پورا کرو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے عہد و پیمانہ ختم کر دئے گئے یا چار ماہ کی مدت مقرر کر دی گئی ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے عہد شکنی کی طرف اقدام کر چکے تھے۔ اور مروی ہے کہ بنی کنانہ اور بنی ضمرہ کی قوم کے آدمیوں کے عہد کی مدت ابھی نو ماہ باقی تھی۔ انہوں نے نہ عہد شکنی کی تھی اور نہ مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی امداد میں حصہ لیا تھا۔ پس حکم ہوا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک رہنے دیا جائے۔

الْأَشْهُرِ الْحُرُمِ۔۔ یہاں حرمت والے مہینوں سے مراد وہ مدت ہے جو کفار کے عہد و پیمانہ کی مقرر کی گئی تھی۔ یعنی چار ماہ۔ یعنی اس مدت کے گزر جانے کے بعد کفار کا خون مباح ہے۔ ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو پکڑو۔ اور قید کرو۔ اور مسجد الحرام میں آنے سے روکو۔

يَتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝۱۸ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا آتَاكُمْ اللَّهُ خَيْرًا مِّنْ أَمْوَالِكُمْ يَتَّقُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَأُولِي الْأَرْحَامِ مِنَ الْأَمْوَالِ الَّتِي آتَاكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۱۹

انہوں نے نہیں نقصان دیا تم کو کچھ اور نہ مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان کا عہد اپنی مدت

مَدَّتْهُمْ إِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝۲۰ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا

تیک تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے ڈرنے والوں کو پس جب گذر جائیں سینے حرمت والے تو قتل کرو

الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَأَحْصِرُوهُمْ وَأَقْعُدُوا لَهُمْ

مشرکوں کو جہاں ان کو پاؤ اور پکڑو ان کو اور بند کرو ان کو اور بیٹھو ان کے لئے ہر گھات پر پس اگر

كُلَّ مَرْصِدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوٰۃ کو تو چھوڑ دو ان کا راستہ تحقیق

اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۲۱ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ

اللہ غفور رحیم ہے اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ لے تو اس کو پناہ دو

وَأَقْعُدُوا لَهُمْ ۝۲۲ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ ۝۲۳ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ ۝۲۴

وَأَقْعُدُوا لَهُمْ ۝۲۲ یعنی ہر جلیہ اور ہر طریقہ سے ان کو ذلیل کرو۔ اور ان پر زندگی کا میدان تنگ کر دو۔ یہ اس لئے کہ اسلام تمدن انسانی کی راہوں کو ہموار کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور انسانوں میں سے جو بھی اس راہ میں رکاوٹ کا باعث بنے۔ وہ ازراہ عقل واجب القتل ہے۔ جس طرح انسانی اعضا میں سے اگر ایک عضو خراب ہو جائے تو باقی اعضا کی حفاظت کے پیش نظر تقاضائے عقل وہ خراب اور موزمی عضو کاٹ دینے کے قابل ہوتا ہے۔ اور یہ ظلم نہیں بلکہ دفع ظلم ہے جس پر انسانیت کی بقا کا دار و مدار ہے۔ لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا بلکہ اسلام اپنے معنی برصداقت اصولوں کی بنا پر مقبول عام ہوا اور انسانیت کی ناک کو ڈوبونے کے درپے ہونے والوں کو اس راستہ سے بقوت بازو ہٹا دیا گیا۔

وَإِنْ أَحَدٌ ۝۲۵ حضرت امیر علیہ السلام سے ایک مشرک نے سوال کیا تھا کہ یہ بتائیے اگر مدت گذ جائے اور ہم میں سے کسی نے جناب رسول خدا سے ملنا ہو تو اس کے لئے بھی عہد حتم ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ خدا نے فرمایا ہے اگر کوئی مشرک تم سے پناہ لے تو اس کو پناہ دو۔ قرآن مجید سننے کا اس کو موقع دو۔ پھر با امن اس کو اپنے گھر سناؤ۔ اور یہ امان اس لئے ہے کہ وہ ایمان اور قرآن مجید کو جانتے نہیں ہیں۔ پس اس ایمان کے ذریعے سے ان کو موقع دیا گیا ہے کہ سنیں اور سمجھیں اور راہ راست پر آئیں۔

کَيْفَ يَكُونُ ۝۲۶ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قبائل بکر میں سے بنو خزیمہ بنو مدلیج۔ بنو عفرہ اور بنو مدلیج نے قریش کے ساتھ مل کر حدیبیہ کے دن جناب رسالت مآب کے ساتھ عہد و پیمانہ کئے تھے۔ پس ان

رکوع نمبر ۸

حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَا مَنَّهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

تا کہ سنے کلام خدا کو پھر پہنچاؤ اس کو اس کے امن کی جگہ پر یہ اس لئے کہ وہ نادان قوم ہیں

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ

کیسے رہ سکتا ہے مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان کے جن کے ساتھ تم نے عہد کیا

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ

مسجد الحرام کے پاس پس جب تک وہ ثابت رہیں تو تم بھی ثابت رہو ان کے لئے تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے

الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا ذِمَّةً

ڈرنے والوں کو یہ کیسے ہو گا حالانکہ وہ اگر غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ رکھیں گے تمہاری قرابت کا اور نہ عہد کا وہ تم کو

يَرْضَوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَابَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ اشْتَرُوا

راضی کرنے ہیں منہ سے اور نہیں مانتے ان کے دل اور وہ اکثر فاسق ہیں جو خریدتے ہیں اللہ کی

عہدوں کو قریش اور بنو مدی نے توڑ دیا تو ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ اللہ و رسول کے نزدیک ان مشرکوں کے عہد کی کیا وقعت ہے جو عہد شکنی میں خود پہل کریں۔ ہاں وہ لوگ جو اپنے عہد پر ثابت ہیں تو تم بھی ان کے لئے ثابت رہو اور عہد شکنی نہ کرو۔

کَيْفَ وَإِن - یعنی ایسے لوگوں کا کیا عہد جو موقع کی تاڑ میں ہوں۔ اگر ان کا بس لگے تو تم کو ہر ممکن ایذا دیں گے۔ پھر نہ تمہاری رشتہ داری کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد کی پاس کریں گے۔

اللَّهِ - اس کا لغوی معنی قرابت بھی ہے اور اس کا معنی عہد بھی ہوا کرتا ہے چنانچہ یہ الہل سے ماخوذ ہے اور الہل کا معنی ہے چمک۔
 اَلْ يَوْمِ اَلْآ (چمکنا) اُذُنٌ مَّوَلَّئَةٌ (تیرکان) اس مقام پر الہل کا معنی قرابت ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ذمّۃ مذکور ہے۔ جس کا معنی عہد ہے۔ اور بعضوں نے الہل کا معنی ہمسائیگی بھی کیا ہے۔ نیز بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ خداوند کریم کے ناموں سے ایک نام ہے۔
 اَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ - کافر سب کے سب فاسق ہوا کرتے ہیں۔ اس جگہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو عہد و پیمان کی کوئی قدر نہیں کرتے بلکہ بے وفا اور غدار ہوتے ہیں۔

ثُمَّ قِيلَ لَا مَنَّا - کہتے ہیں ابو سفیان نے عوب کی ایک قوم کو کھانے کی دعوت دی تھی تا کہ ان کے دلوں میں نبی علیہ السلام کی عدالت راسخ ہو۔ پس اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ آیات اللہ کے بدلہ میں وہ معمولی منافع دنیاویہ خرید کر لیتے ہیں۔

لَا يَرْقُبُونَ - اس کا مادہ رقبہ ہے۔

اور مجمع البیان میں ہے کہ رقبہ - انتظار مرقبہ - مراعات اور محافظہ سب کا معنی ایک ہے۔

بَايَاتِ اللّٰهِ تَمَنَّا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهِ اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩﴾

آیات کے بدل میں قیمت تھوڑی پس روکتے ہیں اس کے راستہ سے تحقیق وہ برا کرتے ہیں

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاذِمَّةً وَاَوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ فَاِنْ

نہیں لحاظ کرتے مومن کے بارے میں رشتہ کی اور نہ عہد کی اور وہ ظالم ہیں پس اگر

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفُصِّلُ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور تم کھولتے ہیں

الْاَيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْا اِيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ

آیات کو اس قوم کے لئے جو جانیں اور اگر توڑ دیں اپنی قسموں کو بعد عہد کرنے کے اور اعتراض کریں تمہارے

طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا اِنَّهُمْ اَلْكٰفِرٰٓئِيْنَ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿١٢﴾

دین میں تڑجنگ کو کفر کے سرخون سے تحقیق ان کی کوئی قسم نہیں تاکہ وہ باز آئیں

وَاِنْ نَّكَثُوْا - حنان بن سدير سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ بصرہ

ناکثین کے کئی آدمی میرے پاس آئے اور انہوں نے طلحہ اور زبیر کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے جواب دیا وہ ائمتہ الکفر

تھے (یعنی کفر کے سرخنے اور امام تھے) کیونکہ بصرہ میں جب دونوں فریضیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام

نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا جلدی مت کرو۔ پہلے میں اپنا عذر تمام کروں جو میرے ان کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ پس کھڑے

ہو کر فرمایا۔ اے اہل بصرہ! کیا میں نے حکم میں کوئی ظلم کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے کسی قسم کی خلاف ورزی

کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ کیا میں نے اپنے اور اپنی عیال کے لئے مال دنیا جمع کیا ہے اور تم کو محروم کیا ہے؟ تو

کہنے لگے نہیں۔ پھر فرمایا کیا میں نے تم میں حدود کو جاری کیا اور غیروں کو معافی دی ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ پس فرمایا کیا دجہ ہے

کہ میری بیعت کو تم توڑ رہے ہو۔ اور غیر کی بیعت کو تم نے نہیں توڑا۔ میں نے معاف کیا۔ تم کو پرکھا ہے۔ پس سوائے کفر اور

تلوار کے مجھے کوئی بات نظر نہیں آتی۔ یہ کہہ کر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ آیت پڑھی۔ وَاِنْ نَّكَثُوْا - الایۃ پھر قسم کھا کر

فرمایا کہ اس آیت کے مصداق یہی لوگ ہیں۔ اور آج تک اس آیت کے مصداق لوگوں سے لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ یعنی اس آیت پر پہلے پہل

میں ہی عمل کر رہا ہوں اور جب سے آزی ہے آج تک تشنہ تعیل تھی (برہان و صفائی)

اور تفسیر مجمع البیان اور برہان میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں

ذکر فرمایا کہ جناب رسالت مآب نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ اے علی لتقتلن الفیئۃ التاکیئۃ والفیئۃ الباغیۃ والفیئۃ

الْآتِقَاتُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَرَبُوا بِاِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدُّوْكُمْ

نہم کیوں نہیں لڑتے ایسی قوم سے جنہوں نے تمہارے عہد کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور وہ ابتدا کر چکے ہیں

أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَ اللَّهَ أَحَقَّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

پہلی دفعہ کیا ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس سے ڈرو اگر مومن ہو

قَاتِلُوهُمْ رِيعًا بِلِهَادِ اللَّهِ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

ان سے لڑو خدا ان کو عذاب دیجاتا ہے ہاتھوں اور ان کو رسوا کرے گا اور تمہاری مدد کرے گا اور شفا دے گا

صُدُورُ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَيَذْهَبُ غِيظُ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى

مومن قوم کے دلوں کو اور ختم کرے گا ان کے دلوں کے غصہ کو اور توبہ قبول کرے گا جس کی

مَنْ لِيَشَاءَ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ أَرْحَبُ حَرًّا أَنْ تَتْرُكُوا وَلَسَاءَ يَعْلَمُ اللَّهُ

چاہے اور اللہ جاننے والا دانا ہے کیا تم نے خیال کیا کہ چھوڑ دیے جاؤ گے اور نہ جانے گا اللہ

المؤمنين۔ یعنی تم بیعت توڑنے والوں۔ بغاوت کرنے والوں اور دین سے خارج ہونے والوں سے ضرور لڑو گے۔ پس پہلی جماعت سے مراد جنگ جمل والے ہیں جن کے سرغنے طلحہ و زبیر تھے۔ اور ان کو ناکثین کہا جاتا ہے۔ اور دوسری جماعت سے مراد جنگ صفین والے ہیں جن کا سرغنہ معاویہ تھا۔ اور ان کو قاسطین کہا جاتا ہے۔ اور تیسری جماعت نہروان کے خارجیوں کی ہے جن کو مارقین کہا جاتا ہے۔ بہر کیف یہ لوگ اس آیت مجیدہ کے تاویل میں مصداق ہیں۔ اور تنزیل کے لحاظ سے اس کے مصداق بعد اسقریش اور اکابر مشرکین تھے جنہوں نے عہد شکنی کی ابتدا کی تھی۔

أَوْ تَقَاتِلُونَ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قوم یہود ہے۔ جنہوں نے عہد کو پہلے پہل توڑا۔ اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی اولاد کی۔ اور مدینہ سے رسول خدا اور مسلمانوں کے نکالنے کی تدبیریں کیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد بھی کفار مکہ ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں پر جو رستم کی ابتدا بھی کی تھی۔ اور مکہ سے نکال بھی دیا تھا۔ اور پھر عہد کے توڑنے کی ابتدا بھی انہوں نے ہی کی تھی۔

وَيَذْهَبُ غِيظُ قُلُوبِهِمْ۔ یعنی جو مومن مدت سے کفار کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ اب ان کے دل ٹھنڈے ہونے لگے۔ اور کافر لوگ ذلیل و خوار ہونے لگے۔ پس ان سے لڑو اور خوب لڑو۔

وَيَتُوبُ اللَّهُ۔ یعنی اب بھی اگر ان میں سے کوئی توبہ کرنا چاہے تو توبہ کا دروازہ بند نہیں بلکہ خدا توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ بشرطیکہ دل سے توبہ کرے۔ مشیت کی قید لگانے کا مقصد یہی ہے کہ وہ چونکہ دلوں کے حالات کا دانا بنا ہے۔ پس جس کی توبہ صدق نیت سے ہوگی اس کو قبول کرے گا۔ اور جو زبان سے توبہ کرے گا اور دل صاف نہ ہوگا تو خدا اس کی توبہ

الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ

ان کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور نہ بنائے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے علاوہ کوئی

قبول نہ کرے گا۔

برادیت عیاشی ابوالاغرینی یا تمیمی سے منقول ہے کہ جنگ صفین کا میں تماشا دیکھ رہا تھا کہ عباس بن ربیعہ بن

حان بن عبد المطلب ہتھیار لگائے ہوئے سر پر خود رکھے ہوئے شکی گھوڑے پر سوار تھے۔ اور ادھر فرج شام

کی طرف سے ایک بہادر عرار بن ادھم نامی میدان میں نکلا۔ اور اس نے عباس کو لٹکارا۔ پس حضرت عباس بن ربیعہ اس کے مقابلے

میں نکلے۔ گھوڑوں سے اتر کر دونوں نے پایادہ تلوار سے لڑائی کی۔ کافی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اور زہروں کی مضبوطی کی وجہ سے

کوئی ایک دوسرے پر غالب نہ آسکا۔ آخر کار عباس نے اس شامی کو مار گرایا۔ پس لوگوں میں نعرہ تکبیر کی گونج پیدا ہوئی کہ زمین بھی

لڑتی نظر آئی۔ میں نے سنا کہ ایک شخص نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ - الآية - جب میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت علیؑ تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ہماری طرف سے کون لڑ رہا

تھا۔ تو میں نے جواب دیا آپ کی قوم کے بزرگ ناد۔ عباس بن ربیعہ تھے۔ پس حضرت نے عباس کو بلایا اور فرمایا کیا میں نے تم کو اور حسن و

حسین و عبد اللہ بن جعفر کو ایک جگہ ٹھہرے رہنے کو نہیں کہا تھا۔ پھر کیوں تم میدان میں گئے۔ اس نے عرض کی۔ اے آقا! اس شامی نے مجھے

لٹکارا تھا۔ اس لئے میں چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ معاویہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم کی نسل ختم ہو جائے۔ تم ہرگز میدان میں نہ جاؤ۔ اور اپنے امام کی

اطاعت کو لازم پکڑو۔ ادھر معاویہ نے اپنی فرج میں آواز دی کہ کوئی ہے جو عرار کا بدل لے۔ چنانچہ دو سجدھی جوان میدان میں کودے اور

عباس کو لٹکارا۔ عباس نے کہا میں اپنے سردار سے اجازت لے لوں۔ چنانچہ خدمت امام میں پہنچ کر حقیقت بیان کی۔ آپ نے

فرمایا اپنے ہتھیار اور گھوڑا مجھے دے دو۔ چنانچہ عباس کے ہتھیار لگا کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر خود میدان میں پہنچے۔ انہوں نے پوچھا

سردار سے اجازت لے لی ہے؟ تو آپ نے آیت قرآن پڑھی۔

أَذُنَ لِلَّذِينَ يُفَاتِنُونَ (الآیۃ) یعنی جو لوگ جہاد کرتے ہیں ان کو اجازت دی گئی ہے۔ کیوں کہ وہ مظلوم ہیں۔ پس یہ اللہ ہی جنبش سے

ایک کا سر فلک کیا۔ اس کے بعد فوراً دوسرا آیا تو اس کو بھی دربان جہنم کے حوالہ کیا اور واپس آکر گھوڑا اور ہتھیار عباس کو واپس کر دیتے۔ معاویہ

یہ خبر سن کر بہت شرمندہ ہوا۔ (مختصر از زبان)

أَمْ حَسِبْتُمْ - یعنی خداوند کریم مومنوں کو آزماتا ہے۔ اس بناء پر ارشاد ہے کیا انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہمیں ایسا ہی چھوڑ دیا جائے گا بلکہ

خدا تو پرکھنا چاہتا ہے کہ مجاہد کون ہیں اور میدان جنگ سے کنارہ کرنے والے کون ہیں؟ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ اللہ و رسول و مومنین کے ساتھ

دل و جان اور قلب و لسان سے کون کون ہیں۔ اور ظاہری محبت رکھ کر اندرونی طور پر اغیار سے محبت رکھنے والے کون ہیں؟ اور اس

کے باطنی مصداق کے لحاظ سے معصومین علیہم السلام سے متعدد روایات منقول ہیں کہ آیت مجیدہ میں مومنین سے مراد ائمہ ہدیٰ علیہم السلام

ہیں۔ اور ولیعہد سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اول الامر کے علاوہ ہو۔ اور لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دے۔

وَلِيَجْهَ وَاللَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا

اندرونی دوست اور خدا جانتا ہے جو تم کرتے ہو نہیں جائز مشرکوں کے لئے کہ تعمیر کریں اللہ کی مسجد کی درحالیہ

مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي

شاہد ہیں اپنے نفسوں پر کفر کے ان لوگوں کے صنائع ہو گئے عمل اور وہ دوزخ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٦﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ

میں ہمیشہ رہیں گے صرف تعمیر مسجد خدا ان کا حق ہے جو ایمان لائیں اللہ پر اور قیامت پر اور

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ - یعنی مشرکوں کا کوئی حق نہیں کہ وہ مسجد کی تعمیر کریں یا اس کی ترویج سنبھالیں بلکہ یہ رکوع نمبر و تعمیر مسجد

حق صرف مسلمانوں کو ہی حاصل ہے اور تعمیر سے مراد عام ہے خواہ وہ تعمیر از قسم بنا و مرمت ہو یا از قسم عبادت و اطاعت ہو کیونکہ مسجد میں اطاعت کے لئے داخلہ مسجد کی آبادی و تعمیر کہلاتی ہے اور مشرکین کا اپنے نفس پر کفر کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال ان کے کفر کے شاہد ہیں پس مسجد میں آنا جانا ان کی مرمت اور دیکھ بھال کرنا صفائی کرنا روشنی کا انتظام کرنا اور اس میں عبادت کرنا صرف مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔

مَسْجِدَ اللَّهِ - بعض لوگوں نے اس لفظ کو واحد کے صیغے سے مسجد اللہ ٹھہرا ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہ حکم صرف مسجد الحرام کے لئے مختص ہے لیکن مشہور قرأت کی بنا پر اس کو مسجد چڑھنا چاہیے تاکہ تمام مسجد کے لئے حکم عام ہو جائے۔ لغت میں مسجد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سجدہ کیا جائے لیکن اصطلاح میں اس مکان کو مسجد کہتے ہیں جو نماز کے لئے تیار کیا جائے نیز نمازی کے وہ سات اعضا جو بوقت سجدہ زمین پر ہوتے ہیں ان کو اصطلاح فقہ میں مسجد کہا جاتا ہے۔

بنا مسجد - ابو عبیدہ حدیث سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا فرما رہے تھے احکام مسجد

کہ جو شخص مسجد بنائے تو خدا اس کے بدلے میں اس کا گھر جنت میں تیار کرتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام راہ مکہ میں میرے پاس سے گزرے جب کہ میں نے ایک مقام پر پتھروں کو درست کر کے مسجد کی جگہ بنا رکھی تھی تو میں نے پوچھ لیا کہ حضور کیا یہ مسجد بھی اسی کا فرد ہے (جو آپ نے فرمایا تھا) آپ نے فرمایا ہاں۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ایک پرندہ کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر بھی مسجد بنائے خدا اس کا گھر جنت میں بنائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹی مسجد بنا کر بھی جنت میں گھر بنانے کے مترادف ہے۔

مسئلہ - مسجد کے وقف کرنے کے لئے بالخصوص عربی میں صیغہ جاری کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ نیت کافی ہے جیسا کہ محققین کا قول ہے اور اس میں ایک نماز پڑھنے سے وقف نچتے ہو جاتا ہے۔ خواہ وقف کرنے والا خود ہی پڑھ لے۔ اور اکثر مسجد اسی طریقہ سے بنائی جاتی ہیں۔ اور سابق روایت بھی ظاہراً اسی کی تائید کرتی ہے۔

اقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشِ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أَوْلِيٰكَ أَنْ يَكُونُوا

قائم کریں نماز کو اور دیں زکوٰۃ اور نہ ڈریں مگر اللہ سے تو یقین ہے کہ ایسے لوگ

مسئلہ - اپنے گھر میں جو مقام نماز کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے اس پر سجدہ کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی تبدیلی بھی جائز ہے۔ اگرچہ اس پر گھر والے مسجد کا اطلاق بھی کرتے ہیں۔

مسئلہ - جس طرح اصل مسجد میں یہ جائز نہیں کہ اس کو ایک جگہ سے نقل کر کے دوسری جگہ بنایا جائے۔ اس طرح جو اشیاء مسجد کے لئے وقف کی جائیں وہ بھی مسجد سے باہر استعمال نہیں کی جاسکتیں۔

مسئلہ - مسجد گر جائے تو اس کو از سر نو بنانے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مسجد کی توسیع یا اگر نچھتہ بنانا بھی جائز ہے۔

مسئلہ - اگر ایک مسجد سے کوئی سامان وافر ہو تو دوسری مسجد میں اُسے صرف کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ - اگر مسجد سے متعلق کسی چیز کے فنانع ہونے کا خطرہ ہو اور اس مسجد میں یا دوسری مسجد میں وہ صرف بھی نہ کی جاسکتی ہو تو ایسی صورت میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد کی ضروریات میں صرف کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ - مسجد کو ملکیت میں داخل کرنا حرام ہے اور اسی طرح مسجد کو راستہ بنانا یا راستے میں اس کا کچھ حصہ داخل کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ - اگر مسجد گر جائے اور مسجد کے آثار بھی ختم ہو جائیں تاہم اس جگہ کو کسی دوسرے تصرف میں لانا جائز نہیں۔ اور اس جگہ کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اور اس میں پڑھی ہوئی نجاسات کو دور کرنا واجب ہے کیونکہ مسجد کو پاک رکھنا واجب ہے اور اس کو نجس کرنا

حرام ہے۔ اسی بنا پر مسجد میں سونا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ - اگر نماز کا وقت ہو اور مسجد میں نجاست موجود ہو تو نمازی پر واجب ہے کہ پہلے نجاست کو دور کرے اور پھر نماز پڑھے۔ بشرطیکہ نماز کا وقت تنگ نہ ہو۔ ورنہ پہلے نماز پڑھے کہ پھر تطہیر مسجد کرے۔

گھر میں نماز پڑھنا صرف فرض کی ادائیگی ہے۔ اور گلی کی مسجد میں ایک نماز بارہ نمازوں کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور جامع مسجد میں ایک نماز ایک سو نماز

کے برابر ہے۔

مسجد کوفہ - حدیث میں وارد ہے کہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے

منقول ہے کہ یہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس میں ایک ہزار ستتر سفیروں نے نماز ادا فرمائی۔ الخ - امام

جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں ایک ہزار نبی اور ایک ہزار وحی نے نماز پڑھی۔ بلکہ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق

علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی عبد صالح نہیں گزارا بلکہ کوئی نبی نہیں گزارا جس نے اس مسجد میں نماز ادا کی ہو۔ اور اس میں نافلہ یا پنجسو

نماز کے برابر ہے۔ اور اس مسجد میں بغیر تلاوت و عبادت بیٹھ رہنا بھی عبادت ہے۔ الخ - اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ

پہلے پہل اس کا نشان حضرت آدم نے قائم کیا تھا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ خدا و رسول کے حرم کے بعد زمین کا

مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہدایت یافتہ ہوں گے کیا بنایا ہے تم نے حاجیوں کی سیرابی اور مسجد الحرام کی آبادی کو برابر اس کے جو

کونسا قطعہ افضل ہے۔ تو آپ نے فرمایا کوفہ۔ یہ پاک و پاکیزہ ہے۔ اس میں نبیوں اور وصیوں کی قبریں ہیں۔ اس میں مسجد سہل ہے جس میں ہر نبی نے نماز ادا کی ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کا عدل قائم ہوگا۔ الخ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مکہ اللہ کا حرم ہے اور نبی و علی کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اور ایک درہم خرچ کرنا ایک لاکھ درہم کے برابر ہے۔ اور مدینہ اللہ و رسول و علی کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز دس ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور ایک درہم دس ہزار درہم کے برابر ہے اور کوفہ خدا و رسول و علی کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک دن فرمایا اے اہل کوفہ تم کو خدا نے وہ چیز عطا کی ہے۔ جو اور کسی کو نہیں عطا کی گئی تمہاری جائے عبادت حضرت آدم کا گھر ہے۔ حضرت نوح کا گھر ہے۔ اور حضرت ابراہیم کا گھر ہے اور حضرت خضر اور میرا مصلیٰ ہے۔ اور تمہاری مسجد ان چار مسجدوں میں سے ہے۔ جن کو خدا نے سچ لیا ہے۔ اور یہ مسجد بروز محشر اپنے اہل کے لئے اور ان لوگوں کے لئے شفاعت کرے گی جس نے اس میں نماز پڑھی ہوگی اور اس کی شفاعت قبول ہوگی۔ اور زمانہ گذرے گا کہ اس میں حجر اسود نصب کیا جائے گا۔ اور ایک زمانہ ہوگا کہ یہ مسجد حضرت مہدی علیہ السلام کا مصلیٰ ہوگا جو میری اولاد سے ہوگا۔ اور ہر مومن کا مصلیٰ ہوگا۔ اور مومن جہاں بھی ہوں گے اُس میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ پس اس کو نہ چھوڑو۔ اور اللہ کے قرب کے لئے اس میں نماز پڑھا کرو۔ اور اپنی حاجات طلب کیا کرو۔ اگر لوگ اس کی برکات جانتے ہوتے تو اطراف زمین سے اس کی طرف کھینچ کر آتے اگرچہ برف پر ہی اُن کو چلنا پڑتا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس میں ایک نماز حج کا ثواب رکھتی ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت نوحؑ نے کشتی اسی جگہ تیار کی تھی۔ اور کشتی میں سے چلی تھی۔ اسی جگہ کے صفا پر مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس میں حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم کا گھر ہے۔ اور حضرت خضر کا مسجد سہلہ مقام ہے۔ اور اسی میں نفع صدور ہوگا۔ پس اس مسجد کے پہلو سے ستر ہزار آدمی اٹھیں گے جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ اس مسجد میں مغرب و عشا کے درمیان دو رکعت نماز حاجت کا پڑھنا دفع مصیبت کا باعث ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ بدھ کی رات یہ عمل کیا جائے۔ جیسا کہ صاحب جوہر نے ذکر کیا ہے۔ اور مروی ہے کہ یہ مسجد بھی تمام انبیاء کا مصلیٰ ہے اور ہم نے نخت کے قیام کے دوران میں دیکھا ہے کہ اکثر صلحاء بدھ کی شب کو وہاں جا کر ہمیشہ نماز مغرب میں ادا کرتے ہیں۔ مسجد خبیث۔ مروی ہے کہ اس میں ایک ہزار نبی نے نماز پڑھی ہے۔ یہ مسجد منیٰ میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اس مسجد میں ایک سو رکعت نماز ادا کرنا ستر سال کی عبادت کے برابر ہے۔

مسجد الحرام۔ یہ مسجد بیت اللہ کے ارد گرد ہے۔ مروی ہے کہ جو شخص اس میں ایک نماز ادا کرے گا اس کی عمر بھر کی تمام نمازیں مقبول ہو جاتی ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ میری مسجد میں نماز باقی مسجدوں کی ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور مسجد الحرام کی ایک نماز میری

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ

ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور جہاد کرے اللہ کے راستہ میں یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور اللہ

مسجد کی ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مروی ہے کہ رکن اور مقام کے درمیان کی جگہ انبیاء کی قبروں سے پر ہے۔

مسجد براثنا۔ اس میں حضرت مریم حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم اور حضرت علی علیہ السلام نے نماز پڑھی۔

حضرت امیر علیہ السلام جب واقعہ نہروان سے واپس تشریف لائے تو مسجد براثنا کے مقام پر آکے رکے اور ہر ایک راہب

نے اپنے عبادت خانہ سے سزکال کر کہا کہ اس جگہ منت آتو۔ کیونکہ یہاں نبی یا وحی نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں آتو سکتا۔ آپ

نے فرمایا میں آخر الزمان پیغمبر کا وحی ہوں۔ راہب جلدی سے اُترا اور مشرف باسلام ہوا کہنے لگا میں نے انجیل میں تیرے اوصاف

پڑھے ہیں کہ تو نے زمین برائیاں اُترنا ہے جو حضرت مریم و عیسیٰ کا گھر تھا۔ پس حضرت نے ایک مقام پر پاؤں سے ٹھوکر لگائی تو

ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت نے فرمایا یہ وہ چشمہ ہے جو حضرت مریم کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ پھر اس سے سترہ ذراع کے

فاصلے سے زمین کو کھود کر ایک سفید پتھر نکالا۔ اور فرمایا کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت مریم نے عیسیٰ کو سلا کر نماز ادا کی تھی۔ پس

آپ نے وہاں نماز پڑھی اور چاروں قیام فرمایا۔ اور فرمایا یہاں نبیوں نے نماز ادا کی تھی۔

مسجد بیت المقدس۔ یہ ان چاروں مسجدوں میں سے ہے جو دنیا میں جنت کے محل ہیں۔ اور وہ چار یہ ہیں۔ مسجد الحرام۔

مسجد نبی۔ مسجد بیت المقدس اور مسجد کوفہ جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔

مسجد نبوی :- معاویہ بن وہب سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت

رسالت مآب نے فرمایا تھا۔ ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ یعنی میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ

جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں! اس مسجد میں نماز کا ثواب مختصر آسان ہو چکا ہے۔ اور نماز

ساجد کا پڑھنا بھی اس میں مستحب ہے۔ اس مسجد کے فضائل بہت ہیں جن کا ذکر طول کا باعث ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص مسجد کو جائے گا وہ آٹھ فائدوں میں سے کوئی ایک تو ضرور ہی

مسجد کو جاننا حاصل کرے گا (۱) خالص اللہ کی رضامندی کے لئے کسی مومن بھائی سے ملاقات (۲) علم کی کوئی بات (۳)

آیت عکرم (۴) ہدایت کا کلمہ (۵) رحمت پروردگار (۶) ہلاکت سے بچانے کا کلمہ (۷) ترک گناہ خوف سے (۸) ترک گناہ شرم

سے (وسائل)

(۲) آپ نے فرمایا خداوند کریم زمین والوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب عام میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جب سفید ریش

نماز کے لئے مسجد کا رخ کرتے ہیں اور کچھ قرآن پڑھنے کو چلتے ہیں تو وہ اپنے عذاب کو ٹال دیتا ہے (متدرک)

(۳) حضرت رسالت مآب نے فرمایا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔ سات قسم کے لوگوں کو خدا اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا

(۱) امام عادل (۲) نوجوان عابد (۳) مسجد کا محبت (۴) دو شخص جو اللہ کی اطاعت میں اکٹھا وقت گزاریں اور اسی حالت

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۱۹ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو جو لوگ ایمان لائیں اور ہجرت کریں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں

پر ایک دوسرے سے جدا ہوں (۵) وہ شخص جو عالم تنہائی میں اللہ کی عظمت کو یاد کر کے گریہ کرے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں (۶) وہ شخص جس کو تنہائی میں خوبصورت عورت زنا کی دعوت دے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) جو شخص خفیہ صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے دئے کا علم نہ ہو (وسائل)

(۶) حدیث قدسی میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ زمین پر مساجد میرے گھر ہیں طوبیٰ ہے اس شخص کے لئے جو اپنے گھر میں طہارت کر کے میرے گھر میں میری ملاقات کو آئے۔ اور مہربان پروا جب ہے کہ وہ آنے والے ہمان کی عزت کرے۔ (وسائل)

(۷) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جنت میں بیٹھنے سے مسجد میں بیٹھنا افضل ہے۔ کیونکہ جنت میں بیٹھنا نفس کے لئے ہے۔ اور مسجد میں بیٹھنا اللہ کے لئے ہے۔

(۸) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف روانہ ہو۔ زمین کے خشک وتر پر جہاں بھی قدم رکھتا ہے ساتوں زمینیں اس کے لئے تسبیح کرتی ہیں۔

(۹) جناب رسالت مآب نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف چلتا ہے اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اس کے نادر اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ دس گناہ محو کئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ (وسائل)

(۱۰) آپ نے فرمایا مسجد میں نماز کی انتظار میں بیٹھنا عبادت ہے۔ (مستدرک)

(۱۱) آپ نے فرمایا کہ خدا فرماتا ہے زمین میں میرے گھر مساجد ہیں جو اہل آسمان کے لئے ایسے چمکے ہیں جس طرح ستارے اہل زمین کو چمکتے نظر آتے ہیں۔ طوبیٰ ہے اس عبد کے لئے جو گھر میں وضو کر کے میرے گھر میں میری زیارت کو آئے اور جس کی زیارت کی جانے اس پر اپنے زائر کی عزت واجب ہے جو لوگ تاریخوں میں مساجد کی طرف جاتے ہیں ان کے لئے بشارت ہو کہ قیامت کے دن ان کے چہروں سے نور ساطع ہوگا۔

(۱۲) آپ نے فرمایا بہتر انسان وہ ہے جو سب سے پہلے مسجد میں جائے اور سب کے آخر میں باہر نکلے۔ (مستدرک)

(۱۳) آپ نے فرمایا جب دیکھو کسی انسان کو کہ وہ مسجد کا عادی ہے۔ تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يَعْمرُ

مَسْجِدَ اللَّهِ الْاِيْتِه۔ یعنی مسجد کی آبادی وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز و زکوٰۃ کے پابند ہوں۔ الخ

(۱۴) آپ نے فرمایا جب لوگ مسجد میں قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو سناتے ہیں تو اس وقت وہ اللہ کے ہمان ہوتے ہیں

اور فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں۔ جب تک وہ اس عبادت میں مشغول رہیں۔ الخ (مستدرک)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا جو ہمسایہ مسجد ہو کر فراغت رکھتے ہوئے بھی نماز فرضیہ مسجد میں نہ

مسجد سے کنارہ کشی ادا کرے تو اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرًا عِندَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾

اپنے مالوں اور نفسوں کے ساتھ بڑے درجہ والے ہیں اللہ کے نزدیک اور وہی ہیں کامیاب

(۲۰) حضرت امیر علیہ السلام کو ایک مرتبہ اطلع پہنچی کہ ایک قوم مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتی تو آپ نے خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا جو لوگ مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتے تو ان کا کھانا پینا مشورہ نکاح اور باقی لین دین ہمارے ساتھ بند ہے۔ جب تک کہ ہماری جماعت میں شریک نہ ہوں۔ اور اگر وہ باز نہ آئے تو قریب ہے کہ میں ان کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دوں۔ پس لوگوں نے ان سے قطع تعلق کر لی کھانا پینا وغیرہ سب بند کر دیا تو وہ مسجد میں آنے لگ گئے۔

(۲۱) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تین چیزیں قیامت کے روز شکوہ کریں گی۔

(۱) مسجد خراب جس میں نماز کوئی نہ پڑھے (۲) جہال کے درمیان عالم (۳) قرآن لشکا ہوا جس پر گرد وغبار جمع ہو چکا ہو۔

اور دوسری حدیث نبوی میں عالم کی بگڑت کا ذکر ہے۔ قرآن کہے گا۔ اے اللہ! انہوں نے مجھے جلا یا تھا اور پھاڑا تھا۔ مسجد کہے گی۔ انہوں نے مجھے مصل کیا تھا اور صنائع کیا تھا۔ اور عترت کہے گی انہوں نے ہمیں قتل کیا تھا۔ جلا وطن کیا تھا اور گھروں سے نکال دیا تھا۔ پس میں زانوں کے بل خصوصیت کے لئے بیٹھوں گا تو خدا فرمائے گا اس خصوصیت کے لئے میں خود سزاوار تر ہوں۔

(۴) مردی ہے کہ غیر مسجد میں باجماعت نماز سے مسجد کی فرادی نماز افضل ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جماعت افضل ہے بہر کیف مسجد بھی ہو اور جماعت بھی ہو تو اس کے افضل ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔

(۵) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص پہلے مسجد میں موجود ہو اور اذان سن کر باہر نکل جائے تو وہ منافق ہے مگر یہ کہ پٹنے کا ارادہ

رکھتا ہو۔

آداب مسجد

(۱) مسجد میں باطہارت داخل ہونا چاہیے۔ جیسے بعض احادیث کے مضمون سے معلوم ہو چکا ہے (۲) خوشبو لگانا۔

(۳) اچھا لباس پہن کر مسجد میں جانا مستحب ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام ٹھنڈی راتوں میں بھی کپڑے پہنتے تھے اور

سے مسجد نبوی میں جاتے تھے (۴) مسجد میں جھاڑو دینا مستحب ہے۔ حضرت رسالت مآب نے فرمایا جو حجرات کو مسجد میں جھاڑو دے اور

آنکھ میں ڈالنے کے برابر بھی خس و خاشاک نکالے تو خدا اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا جو مسجد میں جھاڑو دے اس کو ایک

غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ نیز ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو شخص مسجد سے اس قدر خس و خاشاک نکالے جو آنکھ کو چنڑھا دینے

میں کافی ہوتا ہے تو خدا اس کے لئے اپنی رحمت کے دو کفل معین فرمادیتا ہے۔

(۵) مسجد میں چراغ جلانا۔ حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں چراغ روشن کرے تو فرشتے اور جاہلین عرش اس

کے لئے استغفار کرتے رہیں گے جب تک کہ اس چراغ کی روشنی مسجد میں رہے گی۔

(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مسجد میں داخل ہر تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے اور باہر نکلتے ہوئے پہلے بائیں پاؤں

سے ابتدا کرے۔

يَسْتَرِهِمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَدْتِ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمًا مُّقِيمًا ﴿۲۱﴾

ان کو خوشخبری دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمت کی اور رضامندی اور باغات کی کہ ان کے لئے وہاں دائمی نعمتیں ہیں ہمیشہ

خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا طِرَانَ اللَّهِ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

رہیں گے وہاں تحقیق اللہ کے نزدیک بڑا بدلہ ہے اے ایمان والو نہ بناؤ

تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ط

اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست اگر وہ دوست رکھیں کفر کو بدلے ایمان کے

(۷) مسجد میں درود شریف پڑھ کر داخل ہو اور قبلہ رخ بیٹھ کر حمد و ثنا بجالائے۔

(۸) ہر مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز تہیہ مسجد پڑھنا مستحب ہے۔

(۹) حضور نے فرمایا مسجد قرآن کے لئے ہے۔ شعر خوانی کے لئے نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص شعر پڑھتے ہوئے مسجد میں مسنون تو اس کو روکو۔

(۱۰) آپ نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مساجد میں حلقہ باندھ کر دنیاوی باتیں کریں گے۔ پس ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا چھوڑ دو۔ کیونکہ خدا کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۱) مسجد کے لنگرے مینار اور نقش نگار ممنوع ہیں۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک حدیث طویل میں فرمایا، جب حضرت قائم آل محمد تشریف لائیں گے تو لنگرے مینار گرا دیں گے۔

(۱۲) مسجد کے قبلہ میں آیات قرآنی و ذکر سبحانی کی کتابت میں کوئی عرج نہیں ہے۔

(۱۳) مسجد میں دنیاوی کاروبار کرنا مکروہ ہے۔

(۱۴) مسجد میں منہ ناک وغیرہ کی غلاظت ڈالنا مکروہ ہے۔

(۱۵) پیاز و تھوم وغیرہ کی بدبو منہ میں لے کر مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

(۱۶) مسجد میں خرید و فروخت کرنا۔ فیصلے کرنا۔ آواز بلند کرنا۔ لغو باطل کی گفتگو اور گم شدہ چیز کا اعلان مکروہ ہیں۔

(۱۷) وہ بچے جن کو طہارت کا پتہ نہ ہو اور اسی طرح دیوانوں کو مسجد میں ٹھہرانا مکروہ ہے۔

(۱۸) ناف سے زانوں تک کا حصہ مسجد میں داخل ہونے والے کا مستدر ہونا چاہیے۔

(۱۹) جنبی حالتوں اور نفاس والی عورت کا مسجد میں ٹھہرنا ممنوع ہے۔ البتہ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے علاوہ باقی مساجد سے گذر جانا ان کے لئے جائز ہے۔

(۲۰) جنبی انسان مسجد میں کوئی چیز رکھ نہیں سکتا لیکن وہاں سے حسب ضرورت چیز اٹھا سکتا ہے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَ

اور جو ان سے دوستی رکھے گا تو وہ ظالم ہوں گے کہہ دو اگر تمہارے آبا اور اولاد اور

أَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ

بھائی اور بیویاں اور قبیلہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے

(۲۱) نوافل گھر میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور قرآن مجید میں ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

(۲۲) عورت کے لئے اپنا گھر مسجد ہے پس اس کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کا وہی ثواب ہے جو مرد کے لئے مسجد میں مقرر ہے۔

أَجَعَلْتُمْ^{۲۵} شَانِ نَزُولِ - بروایت مجمع البیان ایک دن حضرت عباس بن عبد المطلب اور شیبہ ایک دوسرے پر اپنی اپنی بڑائی بیان کر رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام پہنچ گئے اور فرمایا کس چیز پر فخر کر رہے ہو تو عباس نے جواب دیا مجھے وہ فضیلت دی گئی ہے جو کسی کو نہیں ملی اور وہ ہے حاجیوں کا پانی پلانا۔ پھر شیبہ نے کہا مجھے مسجد الحرام کی عمارت کی فضیلت عطا ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے ورنہ میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ باوجود چھوٹی عمر کے جو فضیلت مجھے عطا ہوئی ہے تم دونوں اس سے محروم ہو رہے۔ دونوں نے پوچھا یا علی وہ کونسی فضیلت ہے جو تو نے پائی ہے۔ تو آپ نے فرمایا میں نے تمہارے منہ منہ پر تلوار مار کر تمہیں خدا و رسول پر ایمان لانے کے اہل بنایا۔ عباس یہ سن کر طیش میں آیا اور چادر کا دامن زمین پر گھسٹتے ہوئے خدمت نبوی میں آیا اور عرض کی آپ دیکھتے ہیں حضرت علیؑ ہمیں کیسی باتیں کہتا ہے؟ پس آپ نے علی کو بلوایا اور پوچھا کیسا بات ہے؟ تو علی نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے حق بات کہی ہے۔ خواہ کوئی ناراض ہو یا راضی ہو۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوا کہ پروردگار بعد اسلام کے فرماتا ہے۔ أَجَعَلْتُمْ سِفَايَةَ الْحَاجِّ - الآیۃ - حضرت عباس نے جو نبی خطاب خداوندی سنا تو تین مرتبہ کہا۔ ہم راضی ہیں۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب عباس اسیر ہوئے تو لوگوں نے ان کو قطع رحمی اور کفر کا طعن دیا تو عباس نے جواب دیا تم لوگ ہماری برائیاں ذکر کرتے ہو۔ اور ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے۔ لوگوں نے پوچھا وہ خوبیاں تم میں کونسی تھیں تو جواب دیا۔ مسجد الحرام کی عمارت و خدمت۔ کعبہ کی دربانی۔ حاجیوں کی سقائی اور اسیروں کا چھڑانا۔ ہم یہ سب کام کرتے تھے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی جس کا یہ مقصد ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی ہی قابلِ فخر نہیں ہو سکتی بلکہ انسان کا پہلا فخر ہے ایمان۔

بروایت عبیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اپنی کوئی فضیلت بیان کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں اور عباس اور عثمان بن ابی شیبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ عثمان نے کہا کہ مجھے جناب رسول خدا نے خزانہ دیا ہے۔ یعنی بیت اللہ کی کھنیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ عباس نے کہا کہ مجھے حضور نے حاجیوں کی سقائی عنایت کی ہے کہ زمزم میرے ہاتھ میں ہے۔ اور یا علیؑ تجھے تو کچھ نہیں ملا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور

تَحْسُونَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

تقصان کا تم کو اندیشہ ہے اور رہائشی مکان جو تم کو پسند ہیں (یہ سب) تم کو پیارے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے

بعض روایات میں طلحہ بن شیبہ داری کا نام مذکور ہے۔

اور علامہ حلی نے اس آیت مجیدہ کو بھی حضرت علیؑ کی خلافت بلافضل کی دلیل قرار دیا ہے چونکہ مذکورہ روایت صحیحات فریقین میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اس کو فضل بن روزبہان نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اہل سنت کی کتب صحاح میں موجود ہے۔ لہذا اقرب دلیل اس طرح ہوگی کہ مقام مفاخرت میں حضرت علیؑ نے ان دونوں سے اپنی افضلیت کا دعویٰ کیا۔ اور وہ دونوں اپنے اپنے مقام پر تمام امت سے بیان کردہ مضمون میں افضلیت کا دعویٰ رکھتے تھے۔ پس خداوند کریم کا علیؑ کے حق میں فیصلہ یہ ثابت کرتا ہے کہ علیؑ ایمان ہجرت اور جہاد میں تمام امت سے افضل ہیں۔ اور اس کا درجہ اعظم ہے۔ خود اندازہ کیجئے جس کو خدا اعظم کہے اس کی عظمت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ پس جب تمام امت سے افضلیت ثابت ہوئی تو خلافت کا استحقاق خود بخود ثابت ہو گیا۔ اور اس کے بعد فائز ہونے کی سند اور پھر رحمت رضوان اور جنت کی بشارت حضرت علیؑ کے بلند کردار کی مقبولیت و محبوبیت کی دلیلیں ہیں۔ اور جو شخص واقعات کو پارٹی بازی اور جنبہ داری کی سطح سے بلند ہو کر دیکھے تو اس کے لئے حق کی راہیں بالکل روشن اور واضح ہیں لیکن جس کے دل و دماغ پر ایک طرف کی محبت اور دوسری طرف کا عناد و سوار ہو وہ بے چارہ تعصب کے شکنجے سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ وہ انصاف و عدل اسی فیصلہ میں سمجھتا ہے جو اس کی طرف داری کے رجحان سے موزونیت رکھتا ہو۔ اور جہاد اس کی منشا و طبع کے خلاف ہو۔ اس کی تردید یا تاویل پر کربستہ ہو جاتا ہے۔ فضل بن روزبہان اگرچہ اس افضلیت کو حضرت علیؑ کے لئے مانتا ہے۔ لیکن چونکہ خلافت کے نظریہ میں وہ علیؑ کا طرفدار نہیں ہے۔ لہذا وہ کہتا ہے یہ بات نص خلافت نہیں ہو سکتی اسی لئے ان لوگوں کے نزدیک خلافت کا معیار ہی کوئی نہیں۔ پس جس کو لوگ کہہ دیں کہ تو خلیفہ ہے تو وہ خلیفہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ افضل بھی ہو جاتا ہے۔ ہم چونکہ ایک معیار کے قائل ہیں کہ جو افضل ہو وہ خلیفہ ہو۔ لہذا یہ آیت نص خلافت ہے کیونکہ اس میں اعلان افضلیت ہے۔ اور وہ کہتے ہیں جو خلیفہ بن جائے وہی افضل ہے۔ چونکہ علیؑ کو خلیفہ نہ مانا گیا۔ لہذا وہ افضل نہ ہو سکے۔ گویا فرق صرف اتنا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جس کو حق سمجھا جائے اس کی طرف جھکا جائے۔ اور وہ کہتے ہیں جس کی طرف جھکا جائے اس کو ہی حق سمجھا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَ سُلَيْمَانَ مَلَكٌ مِنْ رَبِّهِ بِخَبْرٍ مِنْ دُونِ مَا جَاءَ بِكَ فَخُذْهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَبْلُغَ إِلَيْكَ سَبْعَ مِائَاتٍ مَوْجِبَةً مَوْجِبَةٌ

یا ایہا الذین آمنوا۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ جب ہجرت کا حکم ہوا۔ اور لوگوں نے تیاری کی تو کسی کے سامنے زوج رونے لگی۔ کسی کو ماں باپ نے منع کیا۔ کسی سے بچوں کی جدائی گوارا نہ ہو سکی۔ پس اس طرح کئی لوگ ہجرت کی سعادت سے محروم ہو گئے۔ تو خداوند کریم نے یہاں ہجرت کی اہمیت کو بیان فرمایا کہ تمام دنیاوی تعلقات سے خدا و رسولؐ کا رشتہ زیادہ محبوب ہونا چاہیے۔ اور مومن کو چاہیے کہ ایمان کے راستہ میں حائل ہونے والے سے قطع تعلق کرے خواہ وہ اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو شخص ان رشتہ داریوں کو اور دنیاوی فوائد کو ملحوظ رکھے گا۔ اور خدا و رسولؐ کے حکم سے کنارہ کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ اور یہ ایک تشبیہ ہے کہ ایمان

وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۲﴾

اور راہ نمایاں جہاد کرنے سے تو بچھڑنا کہ لئے اللہ اپنا فیصلہ اور اللہ نہیں ہدایت کرتا فاسق لوگوں کو

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعَجَبْتُمْ

تھیں تمہاری مدد کی اللہ نے بہت مقامات پر اور حنین کے دن جب کہ ناز تھا تم کو اپنی کثرت

كَثْرَتِكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

کا تو اس نے نہ فائدہ دیا تم کو کچھ اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود کشادگی کے

کی محبت انسان میں اگر راسخ ہے تو وہ ہر قسم کی قربانی دے سکتا ہے۔ اور جو شخص یہ قربانیاں نہیں پیش کر سکتا اس کا دعویٰ ایمان جھوٹا ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ہجرت کا معنی صرف وطن چھوڑنا نہیں بلکہ ایمان کے منافی ہر محبت کو خیر باد کہنے کا نام ہجرت ہے۔ تفسیر باطنی کے طور پر معصوم نے ایمان سے مراد ولایت علی بیان کی ہے۔ اور اس سے منہ پھیرنے کا نام کفر ہے۔ اور ایسوں سے محبت کرنے والے ظالم ہیں تو جو لوگ دعویٰ ایمان کرتے ہیں اور غیر مومن لوگوں سے محبت و افس بھی رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان سے رشتے ناطے بھی کرتے ہیں۔ تو وہ اپنے ایمانوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور ایمان کی نچنگی کا علاج کریں۔ جب اس سلسلہ میں ماں باپ کو چھوڑا جا سکتا ہے تو پھر دوسری رشتہ داری اور محبت کا جوڑ کینسا؟ ماں والدین کی دنیاوی معاملات میں اطاعت کرنا ہر حال فرض عین ہوا کرتا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ۔ چونکہ اس سے پہلے مومنوں پر ہجرت کے وجوب کی تاکید فرمائی رکوع نمبر ۱۰۔ جنگ حنین کا بیان

کہ تمام محبتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کی محبت کی طرف آجاؤ۔ اور اس آیت میں اپنی نصرت کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ باوجود تمہاری ظاہری کمزوریوں کے خداوند کریم نے تم کو کیسی کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی ہے۔ اور ایک دو نہیں بلکہ بہت سے مقامات پر رحمت خدا نے تمہاری دستگیری کی۔ پس اللہ کا رشتہ تمام رشتوں سے مفید تر اور پائدار ہے لہذا اس رشتہ کی خاطر تمام رشتوں سے بائیکاٹ قرین عقل اور ضروری ہے۔

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ۔ صادقین علیہا السلام سے مروی ہے کہ ان کی تعداد اسی تھی۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ متوکل عباسی سخت بیمار ہوا تو اس نے منت مانی۔ اگر خدا نے شفا دے تو مال کثیر خیرات کروں گا۔ چنانچہ وہ شفا یاب ہوا تو علماء کو بلا کر مال کثیر کی حد پوچھی۔ انہوں نے اس کا جدا جدا معنی بتایا جس سے متوکل مطمئن نہ ہو سکا تو کسی نے امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کرنے کا مشورہ دیا۔ اور آپ اس زمانہ میں متوکل کے ہاں قید تھے۔ پس بذریعہ خط سوال کیا گیا جس کے جواب میں امام علیہ السلام نے تحریر فرمایا کہ اسی درہم صدقہ کیا جائے۔ جب اس کی ذلیل طلب کی گئی تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا تاریخ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مقامات اسی ہیں جن میں مسلمانوں کی خداوند کریم نے غائبی نصرت کی ہے۔ زیادہ رکھنا چاہیے کہ کثیر کا شرعی اصطلاح

ثُمَّ لِيَوْمَ مَدْيَنَ ۖ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى

پھر تم بھاگ گئے پشت دکھاتے ہوئے پھر نازل کیا اللہ نے اپنا سکون اور اپنے رسول کے اور اور ہر مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودَ أَلْمُتْرُوهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ

کے اور انہی فوج جو تم نے نہ دیکھی اور عذاب دیا ان کو جو کافر تھے اور یہ بدلہ ہے

الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ تَوْبُ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٦﴾

کافروں کو پھر توبہ قبول کرتا ہے اس کے بعد جس کی چاہے (جو صاف نیت رکھتا ہے) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

میں معنی صرف اسی نہیں ہے۔ مثلاً کثیر الشک یا کثیر السفر کا معنی یہ نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسے مقامات پر کثیر کا ایک معنی

اسی بھی ہو سکتا ہے۔ پس آپ نے آیت قرآنی سے ایک مثال پیش کر دی۔ اور اگر اسی سے زیادہ مراد لئے جائیں تو وہ بدرجہ اولیٰ

کثیر کافروں کہتے ہیں۔ پس یوں سمجھئے کہ یہ معنی کثیر کے معنی عمومی کا ایک فرد ہے۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۗ أَسْرَجْنَا فِيهَا لُجُومًا وَكُنَّا بِأَعْيُنِنَا قَوْمَ ثَمُودَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ لَمَّا جَاءَ مَرْيَمَ بِبَنِيهَا مِنْ حَضْرَتِهَا فَأَنجَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِذْ يَمِينًا

ایک وادی کا نام ہے۔

وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۗ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت رسالت مآب کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ایک ان میں حضرت

علیؑ اور چند آدمی بنی ہاشم سے تھے۔

واقعه کی تفصیل :- ۱۰۰ھ میں فتح مکہ کے بعد ۱۰ رمضان کے آخر یا شوال کی ابتدا میں حضور نے بعد صحابہ کے حنین کا رخ کیا

قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف سے جہاد کرنے کے لئے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا تو قبیلہ ہوازن کے سردار لوگ مالک بن عوف

نضری کے پاس جمع ہوئے۔ اور اس کو اپنا سردار مقرر کیا اور مسلح ہو کر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مال و متاع بچے

اور عورتیں سب کو ساتھ لے لیا۔ یہاں تک مقام اوطاس میں نازل ہوئے۔ قوم حتم کا سردار ورید بن صم بھی ان میں تھا۔ اور وہ کافی

سن رسیدہ ہونے کے علاوہ نابینا بھی تھا۔ اُس نے پوچھا کہ اب ہم کہاں پہنچے ہیں تو اس کو جواب دیا گیا کہ مقام وادی اوطاس ہے

اُس نے کہا خوب جگہ ہے نہ زیادہ سخت ہے اور نہ بہت نرم ہے۔ اس میں گھوڑے خوب دوڑ سکتے ہیں لیکن میں اونٹوں۔ گدھوں

بیلوں۔ بکریوں اور بچوں کی آوازیں سن رہا ہوں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مالک بن عوف کے حکم سے ہاں بچے

عورتیں اور مال مولیٰ سب ہمراہ ہیں تاکہ لوگ اپنے مال و ناموس کی غیرت سے خوب جم کر لڑیں۔ ورید نے کہا رب کعبہ کی قسم شخص

صرف گدھیا ہی ثابت ہوا ہے اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ جب وہ آیا تو اس کو ورید نے کہا تو کیسا قوم کا رئیس ہے؟ فالتو قوم کو

کہیں محفوظ مقام پر بھیج دو۔ اور صرف جنگی مردوں کو گھوڑوں کی پشت پر ڈال کر بلا خوف جنگ کرو۔ یہاں صرف مرد میدان تلوار

اور گھوڑے کی ضرورت ہے۔ اگر تمہاری فتح ہوئی تو باقی قوم خود بخود مل جائے گی۔ اور اگر کوئی دوسری بات ہو تو بچوں اور ناموس

کی ذلت تو نہ ہوگی۔ مالک نے درید کا مشورہ سن کر جواب دیا کہ تو بوڑھا ہو گیا ہے اور تیرا دماغ خراب ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔

ادھر جناب رسالت مآب کو قبیلہ ہوازن کا وادی اور واس میں پہنچنا معلوم ہو گیا تو آپ نے قبائل کو جمع کر کے ان کو جہاد کی ترغیب دی اور نصرت کا وعدہ دیا کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ ان کی عورتیں بچے اور اموال سب غنیمت ہوں گے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے جھنڈے بلند کر کے نکلے۔ حضور نے فرج کا علم حضرت علی علیہ السلام کے حوالہ کیا اور مکہ میں پندرہ دن کے قیام کے بعد آپ روانہ ہوئے تھے۔ صفوان بن امیہ سے ایک سوزرہ عاریت لی تھی۔ اور صفوان خود بھی ہمراہ تھا۔ فتح مکہ کے نتیجے میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی دو ہزار مجاہد ہمراہ تھے اور دس ہزار مسلمان پہلے سے حضور کے ہمراہ تھے۔ پس کل بارہ ہزار کی تعداد میں روانہ ہوئے۔ بروایت امام محمد باقر علیہ السلام تازہ طنے والوں میں سے ایک ہزار آدمی بنی سلیم کا تھا جن کا سردار عباس بن مرواس تھا۔ اور ایک ہزار آدمی بنی مزینہ کا تھا۔ ادھر مالک بن عوف نے اپنی فرج میں اعلان کیا کہ ہر سپاہی اپنے بیوی بچوں اور مال کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھے اور تلواروں کے نیام توڑ ڈالو۔ اور اس وادی میں مورچے خوب جا کر بیٹھے جاؤ اور صبح کی تاریکی میں یکبارگی حملہ کرو۔ کیونکہ محمد نے ابھی جنگ جو بہادریوں کا منہ نہیں دیکھا۔

جناب رسالت مآب نے صبح کی نماز ادا کی اور وادی میں اترے ہی تھے کہ ہر طرف سے قبیلہ ہوازن کی فرج نے احاطہ میں لے لیا۔ اور گھسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ پس مسلمانوں کے دم اکٹھے گئے۔ سب سے آگے بنی سلیم تھے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو پھر سارا لشکر تترتبر ہو گیا۔ اس موقع پر چونکہ مسلمانوں کو اپنی کثرت کا ناز تھا جن کو خدا نے توڑ دیا۔ صرف حضرت علیؑ بیچ گئے جو برابر داد شجاعت لے رہے تھے۔ عباس بن عبد المطلب نے حضور کی سواری کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ فضل بن عباس اور ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب آپ کے دائیں بائیں تھے۔ غرضیکہ نوتن بنی ہاشم تھے۔ اور دسواں ام امین کا لڑکا امین تھا جو شہید ہو گیا۔

ادھر جناب رسالت مآب خود آوازیں دے رہے تھے کہ اے انصار! تم کہاں جا رہے ہو۔ میں رسول خدا یہ موجود ہوں۔ لیکن اب کون سنتا تھا۔ کہتے ہیں قبیلہ مازن کی ایک عورت جس کا نام سیبہ بنت کعب تھا وہ بھاگنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالتی اور کہتی تھی کہ خدا رسول کو چھوڑ کر کہاں بھاگے جا رہے ہو، اتنے میں اس کے قریب سے حضرت عمرؓ کا گزر ہوا تو کہنے لگی تم پر دائے ہو کیا کر رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا تقدیر ایسی تھی۔ جب رسول خدا نے لوگوں کی لپاٹی دیکھی تو اپنی سواری کو حضرت علیؑ کے قریب لے گئے اور عباس کو حکم دیا کہ اس چھوٹے سے ٹیلے پر بلند ہو کر آواز دو۔ کیوں کہ عباس کا آواز بلند تھا۔ پس انہوں نے آواز بلند صدا دی۔ اے اصحاب شجرہ کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ یہ رسول خدا موجود ہیں۔ پھر حضور نے ابوسفیان بن حارث کو فرمایا مجھے سنگریزوں کی مٹھی اٹھا کر دو۔ پس شَهِتِ الْوَجُوہِ کہہ کر مشرکین کی طرف پھینکی۔

انصار نے جب عباس کی آواز سنی تو واپس آنا شروع کر گئے۔ اور علم کے ارد گرد جمع ہونے لگے لیکن شرم کے مارے حضور کے

سامنے نہیں آتے تھے۔ حضور نے عباس سے پوچھا یہ کون ہیں تو جواب دیا کہ حضور یہ لوگ انصار ہی تو ہیں۔ آپ نے فرمایا آج کا دن بہت سخت ہے اور فرمایا اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔ پس خداوند کریم کی جانب سے نصرت نازل ہوئی اور قبیلہ ہوازن کو شکست ہوئی۔ مالک بن عوف بھاگ کر طائف کے قلعہ میں گھس گیا۔ ایک سو کے قریب مارے گئے۔ ان کے اموال بچے اور عورتیں سب مسلمانوں کے قبضے میں آگئیں۔

بنی نضیر کا ایک شخص شجرہ بن ربیعہ جب مسلمانوں کے ہاتھ میں قیدی ہوا تو پوچھنے لگا کہ وہ اہل حق کھوڑے کہاں ہیں۔ اور سفید پوش سوار کہاں ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ لڑائی کی ہے۔ اس وقت تم لوگ تو ان میں نظر بھی نہیں آتے تھے۔ تو اس کو جواب دیا گیا کہ وہ فرشتے تھے۔ اُس دن حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں چالیس مشرک و اصل جنم ہوئے تھے۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ نجد سے ایک شخص نے بیان کیا جو حنین کے دن فوج کفار میں تھا کہ جب دونوں لشکر آپس میں ملے تو ہم نے بحری کے دوہنے کی دیر تک بھی مسلمانوں کو اپنے سامنے نہ ٹھہر نے دیا اور سب کو پسا کر دیا۔ لیکن جب حضور کی سواری کے قریب گئے تو زراعی چرووں والے جوان دیکھے۔ جنہوں نے کہا شاہت الوجہ۔ پس انہوں نے ہمیں شکست دی اور قید کیا اور وہ فرشتے ہی تھے۔

حضور اہل غنیمت لے کر مقام جعرانہ پر آئے اور یہاں بدیل بن ورقاء خزاعی کو محافظ مقرر کر کے خود مجمعہ فوج مالک بن عوف کے تعاقب میں طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ شوال کا باقی مہینہ طائف کا محاصرہ رہا۔ اور ذوالقعدہ کے اوائل میں واپس پلٹ کر اوطاس حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا۔ اس جنگ میں چھ ہزار غلام و کینز غنیمت میں تقسیم ہوئیں۔ اور مال کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ تقسیم صرف مہاجرین اور دیگر عرب قبائل پر تھی۔ انصار کو کچھ نہ دیا گیا۔ جس سے وہ ناراض ہو گئے۔ اور حضرت رسالت کے سبھانے پر وہ مضامند ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے لئے یہ کم ہے کہ لوگ مال لے کر گھروں کو جائیں گے۔ اور تم لوگ اللہ کا رسول اپنے ہمراہ لے جاؤ گے۔ کیا یہ تمہاری شان ہے کہ چند دنیا کے سکوں سے میں نے نئے اسلام لانے والوں کے دلوں کو مضبوط کیا ہے تو تم ناراض ہو جاؤ۔ پس سب انصار راضی ہو گئے۔

اس کے بعد قبیلہ ہوازن کے وفد مسلمان ہو کر مقام جعرانہ پر حاضر خدمت بنوئی ہوئے۔ اور ان کے خطیب نے کھڑے ہو کر عرض کی ان قیدیوں میں حضور کی خالائیں اور دائیاں بھی موجود ہیں جنہوں نے آپ کی کفالت کی تھی۔ اگر ہم نعمان بن منذر کے ساتھ لڑتے اور ہم کو شکست ہوتی اور پھر اس سے التجا کرتے تو ہمیں توقع ہے کہ وہ بھی ہم کو واپس کر دیتا۔ اور آپ کی شان تو بہت اجل ہے۔ پھر اُس نے کچھ اشعار بھی اسی مطلب کے پڑھے۔ پس آپ نے فرمایا دو چیزوں میں سے ایک اختیار کر لو۔ قیدیوں کی واپسی یا مال کی واپسی۔ تو اُس نے جواب دیا ہمیں مال سے ناموس عزیز تر ہے۔ ہم اونٹوں بکریوں کے خواہشمند نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا جو کچھ بنی ہاشم کے حصہ میں آیا ہے وہ تو میں واپس کرتا ہوں اور باقی مسلمانوں سے بھی تمہاری سفارش کرتا ہوں۔ لہذا تم خود بھی اپنے اسلام کا اعلان کرو۔ اور خواہش بیان کرو۔ پس جب نمازِ ظہر ادا ہوئی تو انہوں نے اپنا مطلب بیان کیا تو حضور نے فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

اسے ایمان والو تحقیق مشرک پلید ہیں پس نہ نزدیک جائیں مسجد حرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ

بعد اس سال کے اور اگر ڈرو فقر سے تو عنقریب غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے تحقیق اللہ

جو کچھ بنی ہاشم کے حصہ میں ہے میں واپس کرنا ہوں۔ اور جو کچھ تم میں سے کسی کے حصہ میں آیا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی بغیر زبوستی کے اپنی مرضی سے واپس کرنا چاہے تو نبی ہار نہ اگر مفت نہ واپس کرنا چاہے تو فدیہ لے لے۔ اور فدیہ میں ہی ادا کروں گا پس سوائے چند کے سب نے مفت واپس کر دیا۔ اور تھوڑے لوگوں نے فدیہ لے کر واپس کیا۔ اس کے بعد حضور نے مالک بن عوف کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تو مسلمان ہو کر آجائے تو میں تیرا سب کچھ تجھے واپس کروں گا۔ اور انعام میں ایک سونا قرعہ بھی دوں گا تو وہ شخص طائف سے واپس آکر مشرف باسلام ہوا۔ اور حضور نے ایفاء عہد میں اسے اپنا سب کچھ واپس کرنے کے علاوہ ایک سواونٹھی بھی عطا فرمائی اور اس کو اپنی جانب سے اپنی مسلمان قوم کا عامل بھی مقرر کیا۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ۔ نجس کا معنی ناپاک۔ یہ لفظ جب رجن کے ساتھ مستعمل ہوتا تو نون پر کسرہ آ جایا کرتا ہے۔ مثلاً رَجَسٌ نَجَسٌ کہتے ہیں۔ آیت مجیدہ کے ظاہر سے کفار کا نجس العین ہونا ثابت ہوتا

نجاست مشرکین

ہے۔ اور مذہب امامیہ میں بلا استثناء کافر و مشرک سب نجس ہیں۔ اگر یہ کسی چیز کو ترہاتھ لگائیں یا کسی چیز کو چھوئیں تو وہ نجس ہو جائے گی۔ اور ان کو نجس قرار دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو ان سے پوری نفرت ہو جائے اور میل جول باہمی ختم ہو جائے۔ اور ان کے اعتقادات فاسدہ کے جراثیم مسلمانوں کے اذہان پر اثر انداز نہ ہو سکیں کیونکہ باہمی دوستی اور میل ملاپ اعتقادات میں تعدی کا باعث بن جایا کرتے ہیں۔ مذہب امامیہ میں ناصبی۔ خارجی اور غالی بھی کفار و مشرکین کی طرح نجس ہیں۔ لہذا اہل ایمان کو ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا ضروری ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً۔ جب کفار کو حرم کعبہ میں داخلہ کی مخالفت ہوئی تو مسلمانوں کو ڈر پیدا ہوا کہ ہماری تجارت میں کمی واقع ہو جائے گی تو خداوند کریم ان کی تسلی و تسفی فرما رہا ہے کہ اس کا تدارک وہ خود اپنے فضل سے فرما دے گا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد میں وجہ کے لوگ مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اونٹوں۔ گھوڑوں اور خچروں پر غلہ لا کر اہل مکہ کے گھروں میں بیچا دیا۔ اور ان کی کسر لوری ہو گئی پھر خداوند کریم نے مسلمانوں کو فتوحات دیں جن کی غنیمتوں سے وہ مالا مال ہو گئے۔

إِنْ شَاءَ۔ مشیت کا ذکر اس لئے ہے کہ انسان اپنے رزق کی وسعت کو صرف اسباب خارجیہ کامرہون سنت قرار نہ دے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھے۔ اگر وہ چاہے تو بلا اسباب ظاہر یہ رزق فراوانی سے بھیج دیتا ہے۔ اور اگر وہ نہ چاہے تو اسباب ظاہر یہ کی کثرت بھی مفید ثابت نہیں ہوتی۔

مشرکین کفار کی نجاست کے بارے میں رازی کی تحقیق اہل سنت کا امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۴ مطبوعہ مصر ص ۴۱۵ پر آیت مجیدہ کی تفسیر میں رقمطراز ہے کہ صاحب کثافات نے ابن عباس سے روایت کیا

ہے۔ اِنَّ اَعْيَانَ فَعَمَّ نَجَسَةً كَالْحَلَابِ وَالْحَنَّا زِيْر۔ یعنی وہ کتے اور سور کی طرح نجس العین ہیں۔ اور آگے پہل کر کہتا ہے و اما الفقهاء فقد اتفقوا على طهارته ابدانهم ترجمہ لیکن تمام فقہاء، ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل اور مالک وغیرہ نے ان کی جسمانی طہارت پر اتفاق کیا ہے۔ اور اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔ واعلم ان ظاهر القرآن يدل على كونهم اجناسا فلا يرجع عنه الا بدليل منفصل۔ ترجمہ۔ یہ جانو کہ ظاہر قرآن ان کے نجس ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا اس ظاہر سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک کہ کوئی الگ دلیل موجود نہ ہو۔ نیز یہاں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اس کے بعد فقہاء کی دلیلوں کو ذکر کیا ہے جو کافر و مشرک کی جسمانی طہارت پر انہوں نے قائم کی ہیں۔ پھر ان سے باجواب مختصر لفظوں میں اس طرح دیا ہے۔ واعلم ان كل هذه الوجوه عدول عن الظاهر بغير دليل۔ یعنی جو کچھ فقہاء نے اپنے مسلک کی تصحیح کے لئے ذکر کیا ہے وہ سب قرآن مجید کے ظاہر سے بلا دلیل منہ پھرنے کے مترادف ہے۔ بہر کیف رازی کے نزدیک کفار و مشرک نجس العین ہیں۔ اور اس کے نزدیک فقہاء اہل سنت کے اقوال بلا دلیل ہیں۔ اس کے بعد اس نے ایک عجیب پتے کی بات کہی ہے کہ ابوحنیفہ اور اس کے شاگردوں کے نزدیک محدث (خواہ محدث اصغر رکھتا ہو یا محدث اکبر) کے اعضا نجس ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ پانی جو وضو اور غسل جنابت میں استعمال ہو (بدنی ظاہری طہارت کے بعد) وہ نجس ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک وہ نجاست خفیہ ہے۔ اور حسن کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے۔ بہر کیف اس بات پر متفق ہیں کہ محدث کے اعضا نجس ہیں۔ اور ان کو چھونے والا پانی بھی نجس ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید ان کے اس قول کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَّا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ اور اِنَّمَّا كَلِمَةُ حَصْرٍ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں صرف مشرک ہی نجس ہیں اور بس، پس محدث کے اعضا کی نجاست کا قول مفہوم قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کا مفہوم کہتا ہے کہ صرف مشرک نجس ہے۔ اور مومن نجس نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں نے بالکل اس کا الٹ کیا ہے کہ مومن بعض حالات میں جب کہ محدث ہو نجس ہے اور مشرک کسی بھی حالت میں خواہ وہ محدث بھی ہو نجس نہیں ہے۔ اور اسی بنا پر وہ اس کے قائل ہیں کہ مشرک کے اعضا سے مس شدہ پانی نجس نہیں ہے خواہ وہ کسی حالت میں ہی ہو۔ اور مومن کے اعضا سے مس شدہ پانی نجس ہے۔ حتیٰ کہ ان کے نزدیک اکابر انبیاء علیہم السلام کا محدث میں استعمال شدہ پانی بھی نجس ہے۔ اور اس پر جس قدر تعجب کیا جائے کم ہے۔ اس کے بعد رازی نے قرآن وحدیث واجماع سے ثابت کیا ہے کہ مومن کسی وقت بھی نجس نہیں ہوا کرتا۔

بے شک اس منطقی نتیجے سے فخر الدین رازی کو بہت زیادہ روحانی کوفت ہوئی ہے۔ اور ان کا تعجب آخر عمر تک ختم نہیں ہو سکا کہ آخر فقہاء نے متفقہ طور پر ظاہر قرآن کے خلاف اکتھ کیوں کر لیا۔ لیکن ہمیں تو خود رازی کے استعجاب پر تعجب ہوتا ہے کہ جن کو امام تسلیم کرتا ہے خواہ قرآن کی مخالفت کریں یا موافقت تو پھر ان کو تنقید

تعجب بالائے تعجب

کا نشانہ بنانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ ان کے سامنے تسلیمِ خم کرنا چاہیے۔ لیکن اگر تحقیق کا مادہ طبیعت میں ہے۔ اور حق کی تلاش میں قدم آگے بڑھانا ہے تو ذرا تعصب کی عینک اتار کر اپنے نظریے کا جائزہ لے لے کہ رسول نے کیا فرمایا تھا کہ قرآن کی تفسیر ایسے لوگوں سے دریافت کرو جو خود قرآنِ فہمی سے قاصر ہوں بہ انہوں نے تو بار بار ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں پھرتے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے اہل بیت۔ اگر قرآنِ فہمی کے لئے اہل بیت اطہار کے دروازے پر جھکا ہوتا تو اس فہمی کو سنت میں مبتلا کیوں ہوتا۔ خدا اس تعصب کا بیڑا غرق کرے کہ باوجود جاننے کے کہ یہ امام قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ تاہم امام انہی کو ہی کہتا ہے اور اہل بیت کو اہل سمجھنے کے باوجود ان سے ڈرتے۔

نجاست کے لیے دو اہم سبب ہیں۔

(۱) یہ کہ اس چیز کے اثراتِ بد کی تعدی سے بچنا مطلوب ہو۔

(۲) وہ چیز بنفسہ ایسی ہو کہ طبیعتِ انسانی اس سے متنفر ہو یعنی وہ چیز نجاست میں سے ہو۔ پس ہر نجس چیز ان دو باتوں

میں سے خالی نہ ہوگی۔

وہ چیزیں جو نجس العین ہیں۔

(۱) پیشاب (۲) پاخانہ۔ ارشادِ قرآنی ہے۔ ترجمہ۔ جب تم سے کوئی شخص حاجاتِ ضروریہ سے فارغ ہو کر آئے۔ اور پانی میسر نہ ہو تو تم کمرے زمین سے۔ اس حکم قرآنی کے مفہوم سے پیشاب و پاخانہ کا نجس ہونا صاف ظاہر ہے۔ عقلی طور پر اگر دیکھا جائے تو تمام عقلائے زمانہ خواہ مسلمان ہوں یا کافر پیشاب و پاخانہ کو نجس اور واجب الاجتناب جانتے ہیں (۳) منی خواہ انسانی ہو یا غیر انسانی اس کی نجاست بھی حسب سابق معلوم ہے (۴) خمر و شراب، خواہ کسی قسم کی ہو۔ قرآن میں اس کو جس کہا گیا ہے (۵) میتہ (مردار) خواہ آدمی کا ہو یا کسی حیوان کا نجس ہے۔ البتہ آدمی کے مردہ کو غسل پاک کر دیتا ہے۔ اور حیوان پاک اگر تکبیر کے ساتھ صحیح ذبح کیا جائے تو اس کا مردہ پاک ہوگا ورنہ مردہ نجس ہوگا۔ (۶) خون ہر قسم کا نجس ہے۔ بشرطیکہ خون جھندہ رکھنے والے جانور کا ہو البتہ ذبح شدہ جانور سے حسب معمول خون نکل جانے کے بعد جو اندر بچ جاتا ہے وہ پاک ہے۔ اسی طرح جس جانور کا خون جھندہ نہ ہو مثلاً مچھر لیسٹو وغیرہ تو اس کا خون بھی پاک ہے اور نجس العین جانور کے خون اور عورت کے مخصوص ہر سہ خون کے علاوہ کا خون درہم بغلی سے کم نمازی کے لئے لباس یا بدن سے معاف ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ درہم بغلی سے کم خون پاک ہوگا بلکہ وہ ہوگا تو نجس اور دوسری چیز سے لگے گا تو اس کو بھی نجس کرے گا۔ لیکن نماز میں خون کی اتنی مقدار معاف کر دی گئی ہے۔ (۷) خنزیر (۸) کتا (۹) کافر و مشرک، چنانچہ فرقِ اسلامیہ میں سے ناہمی، خارجی اور غالی بھی اپنی کے حکم میں ہیں اور ان کی وجہ نجاست پانچویں جلد میں ملاحظہ ہو۔ ۲۴ ص ۲۵

کافر کا وجود خدا کی پاک و پاکیزہ زمین پر ایک ناپاک دھبہ ہے جو اہل حق کی پرامن زندگی کے لئے ہر وقت

اہل کتاب کا حکم

باعثِ خطرہ ہے۔ پس اس ناپاک دھبہ کو مٹانا ضروری قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے مشرکین کے متعلق

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ

وانا بینا ہے لڑو ان سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روزِ آخرت پر

وَلَا يَحْرَمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ

اور نہیں حرام کرتے وہ جو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور نہیں قبول کرتے دین حق کو ان لوگوں میں سے جو

یہی خطاب تھا اور اب اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے متعلق فرما رہا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ - کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ دین حق کو قبول نہیں کرتے ان کو قتل کرو۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر جزیرہ پیش کریں۔ اور جزیرہ کی صورت میں ان سے قتل کو اٹھا لیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جزیرہ کی زندگی قابلِ رشک زندگی نہیں تاکہ ان کے خیالات کی تعدی کا خطرہ ہو۔ پس ایسی صورت میں ان کی بقا اسلامی تعلیمات میں مخل ثابت نہیں ہوتی۔ اور ان کی آئندہ نسلیں خود بخود اپنی پست زندگی سے ترقی کر کے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اوج اسلام کی طرف قدم رکھنے کا شوق پیدا کریں گی۔ اور اس طریقہ سے زمین خدا دین حق والوں کی پُر امن قرار گاہ بن جائے گی۔ مذہبِ امامیہ میں کفار و مشرکین کی طرح یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ سب نجس العین ہیں۔

آیت مجیدہ کے مضمون سے واضح ہے کہ اہل کتاب کے لئے تین چیزوں میں سے ایک ہے۔ اسلام یا قتل یا جزیرہ۔ پس اگر اسلام لائیں تو قتل و جزیرہ ختم۔ لیکن اگر اسلام قبول نہ کریں تو پھر اگر جزیرہ مان لیں تو قتل سے بچ جائیں گے ورنہ قتل کئے جائیں گے۔ اور ان کا مال غنیمت ہوگا اور عورتیں بچے قید ہو کر غلامی و کینتری میں آجائیں گے۔

کفار و مشرکین کے لئے جزیرہ نہیں ہے بلکہ یا قتل یا اسلام اور ان کا حکم یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کے مردوں کو قتل کیا جائے گا۔ اور ان کا مال غنیمت ہوگا۔ اور ان کی عورتیں۔ بچے اسیری میں آجائیں گے۔

معصوم سے سوال کیا گیا کہ عورتوں سے جزیرہ کیوں ساقط ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ دارالْحَرْب میں عورتوں اور بچوں کے قتل کی خدانے نہی فرمائی۔ سوائے اس کے کہ وہ لڑیں بلکہ ان کے لڑنے کی صورت میں بھی حتی الوسع ان کے قتل سے گریز کیا جائے بشرطیکہ کسی اہم نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو جب دارالْحَرْب میں رہتے ہوئے ان کا قتل جائز نہیں تو دارالاسلام میں ان کا قتل کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اب اگر عورت جزیرہ سے انکار کر دے تو اس کو قتل تو کیا نہیں جا سکتا پھر اس کی وصولی کی دوسری کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بخلاف اس کے کہ اگر مرد جزیرہ سے انکار کرے گا تو یہ اس کی عہد شکنی متصور ہوگی۔ پس اس کا قتل مباح ہو جائے گا۔ جیسا کہ دارالْحَرْب میں بھی اس کا قتل مباح تھا۔ لہذا عورت سے جزیرہ معاف ہے۔ اور ایسا ہی اندھے اور بہت بڑھے اور بچے بھی اسی حکم میں ہیں کہ ان کا قتل ناجائز ہے مگر بصورتِ مجبوری اور ان سے جزیرہ بھی معاف ہے۔ نیز پاگل اور دیوانے لوگوں سے بھی جزیرہ معاف ہے۔

أَوْتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُؤْتُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَتْ

کتاب دیے گئے تھے حتیٰ کہ دیں جزیہ دست بدست درحالیکہ وہ ذلیل ہوں کہہ

اليهود عَزِيزِ بْنِ اللَّهِ وَقَالَتْ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ

یہودیوں نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریوں نے مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں

بِأَفْوَاهِهِمْ لِيُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتِلُوا آلَ اللَّهِ أَلِيًّا

ہیں نقل اتارتے ہیں۔ ان کافروں کی بات کی جو پہلے گزرے لعنت ہر ان پر اللہ کی کیے جھوٹ میں

معصوم سے سوال کیا گیا کہ اہل کتاب ذمی سے جزیہ کی کوئی حد بھی مقرر ہے تو آپ نے فرمایا اس کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ امام وقت کو اس میں اختیار حاصل ہے جس انسان سے جو چاہے وصول کر سکتا ہے وہ جزیہ دینے والے کی حیثیت کو دیکھے گا۔ اس لئے کہ جزیہ ان کے سرکافیہ ہے۔ انہوں نے قتل و غلامی کے بدلہ میں یہ چیز اپنے اوپر قبول کی ہے۔ لہذا جب تک مسلمان نہ ہوں گے وہ امام کی مرضی کے مطابق جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ پس امام اگر چاہے تو جزیہ ان کے سروں پر رکھ دے اور چاہے تو ان کے مالوں اور دیگر آمدنیوں پر رکھ دے۔

ایک روایت میں ہے کفار مکہ نے خرامش کی تھی کہ ہم سے جزیہ وصول کیا جائے تو حضور نے جواب دیا تھا کہ ہم جزیہ صرف اہل کتاب سے لے سکتے ہیں تم لوگوں کے لئے صرف دو چیزیں ہیں۔ یا اسلام یا قتل۔ تو انہوں نے کہا تھا کہ مجوسی بھی تو ہم جیسے ہیں پھر ان سے آپ جزیہ کیوں قبول کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ نہیں بلکہ وہ ایک نبی کی اُمت تھے اور انہوں نے اس کو قتل کر کے اس کی کتاب کو جلا دیا تھا۔ یعنی وہ صاحب کتاب ہیں۔ جزیہ قبول کر لینے کے بعد اہل کتاب ذمی کافر کہلائیں گے۔ اب ان کی جان و مال و عزت سب محفوظ ہوگی۔ اور حدود و تعزیرات میں یہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ اور شرائط ذمہ کی مخالفت سے وہ ذمہ سے خارج ہوں گے پھر عربوں کی طرح ان سے برتاؤ کیا جائے گا۔

يُضَاهِئُونَ - مضاہاة باب مفاعلة سے ہے۔ اس کا معنی ہوتا ہے مشابہت۔ ہم نے مراد ہی معنی نقل اتارنا

رکوع ۱ | کیا ہے تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ پانچ گروہوں کے لوگ حضرت رسالت کی بارگاہ فیض میں حاضر ہوئے۔ یہود۔ نصاری۔ دہری۔ وثنی اور مشرک یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ نصاریوں نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کے فرزند ہیں۔ دہریوں نے عالم کو قدیم کہا۔ وثنیوں نے نور و ظلمت دو خداؤں کا دعویٰ کیا۔ اور مشرکوں نے اپنے بتوں کی عبادت کو پیش کیا۔ اور ہر ایک نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ اتفاق کریں تو پھر ہم آپ سے افضل ثابت ہوں گے۔ اور اگر آپ انکار کریں گے تو ہم مناظرہ کے لئے حاضر ہیں۔ حضور نے ان سب لوگوں کی باتوں کو سن کر اپنے ایمان کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے یہودیوں سے اپنے نظریہ کی دلیل طلب فرمائی تو انہوں نے کہا حضرت عزیر نے تورات کے چلے

یُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾ اخذُوا اٰجَارَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ

پڑھتے ہیں بنایا اپنے عالموں اور عبادت گزاروں کو رب بجائے اللہ کے اور عیسے

جانے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عزیر تو والد و تناسل کے طریقہ پر خدا کا بیٹا ہے یا اکرام کی وجہ سے بمنزلہ فرزند کے ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ تو والد و تناسل کے لحاظ سے خدا کا بیٹا کہنا تو کفر ہے بلکہ چونکہ خدا نے عزیر کو خاص عزت و کرامت بخشی تھی لہذا وہ بمنزلہ بیٹے کے ہے جس طرح کوئی عالم اپنے پیارے شاگرد کو بیٹا کہہ دیا کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا نسبی بیٹا نہیں ہوتا۔ حضور نے فرمایا پھر اس لحاظ سے تو حضرت موسےٰ سے حضرت عزیر سے بلند تر ہیں کیوں کہ ان کی عزت و منزلت خدا کے نزدیک زیادہ تھی اور اس پر اصل تو رات نازل ہوئی تھی تو جس طرح پیار و اکرام کی وجہ سے چھوٹے کو بیٹے سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اکرام کی بنا پر بڑے کو بھائی یا چچا یا بابا کہا جاتا ہے۔ بنا بریں اگر عزیر اکرام کی وجہ سے خدا کا بیٹا ہے تو حضرت موسےٰ کو خدا کا بھائی یا چچا یا بابا ماننا چاہیے۔ حضور کا فرمان واستدلال سن کر یہودی خاشوش ہو گئے۔ پھر آپ نصاریٰ سے مخاطب ہوئے۔ اور فرمایا کیا خدائے قدیم نے حادث ہو کر عیسےٰ کو بیٹا بنایا یا عیسےٰ قدیم ہو کر خدائے قدیم کا بیٹا بنا۔ حالانکہ عقلاً قدیم کا حادث یا حادث کا قدیم ہونا محال ہے۔ اور اگر ازراہ کرم خدا کا بیٹا ہے تو تمہارا جواب وہی ہے جو یہودیوں کا سن چکے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا جس طرح تم ابراہیم کو خلیل اللہ کہتے ہو ہم عیسےٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ اگر وہ درست ہے تو یہ بھی درست ہے۔ آپ نے فرمایا خلیل مشق ہے خلد سے جس کا معنی ہے فقر و احتیاج۔ چنانچہ جب آتش نرود میں ڈالے گئے اور حضرت جبریل نے آکر پوچھا کہ اگر مہ کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا۔ جی اللہ نعم الوکیل۔ پس خدا نے اس کا لقب خلیل اللہ رکھا۔ یعنی وہ اللہ کے علاوہ کسی کی طرف حاجت مند نہیں ہوتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلد تخیل کے معنی میں ہو۔ یعنی وہ خداوند کریم کے اسرار و صفات میں دسترس رکھتے تھے۔ پس خلیل اللہ کا معنی ہے عارف باللہ، لہذا خلیل اللہ پر ابن اللہ کا قیاس کرنا ناجائز ہے۔ پس اگر اکرام کی وجہ سے عیسےٰ کو ابن اللہ کہنا جائز ہے تو حضرت موسےٰ کے لئے پھر کیا خطاب تجویز کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسےٰ نے خود کہا تھا کہ میں اپنے باپ کی طرف جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا انہوں نے تو کہا تھا کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جاتا ہوں۔ لہذا صرف حضرت عیسےٰ نہیں بلکہ وہ تمام لوگ بھی ابنا اللہ ہوں گے جن کے متعلق حضرت عیسےٰ نے فرمایا تھا۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ سے مراد آدم یا نوح ہوں جو سب کے باپ ہیں۔ اور حضرت عیسےٰ کا مطلب یہ ہو کہ میں حضرت آدم یا حضرت نوح کے پاس جاتا ہوں۔ یعنی اٹھائے جانے کے بعد میں ان کی صحبت میں ہوں گا۔ پس وہ لاجواب ہو گئے۔

پھر یہودیوں سے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر لیل و نہار سب قدیم ہیں۔ یعنی ابتداء میں ان کی حد نہیں تو یہ بناؤ زمانہ کا یہ حصہ آج کل والا تم تک کیسے پہنچ گیا جب کہ اس کی پہلے کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ نیز موجودات عالم سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا واقعی موجودات کو ایک دوسرے کی احتیاج ہے۔ آپ نے فرمایا اگر ایک دوسرے کی

ابن مریم وما امرؤ الا ليعبدوا للها واحداً لا اله الا هو ط

بن مریم کو حالانکہ نہیں حکم دئے گئے مگر یہ کہ عبادت کریں معبود ایک کی کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے

سبحانه عما يشركون ﴿۳۱﴾ يريدون أن يطفئوا نور الله بأفواههم

پاک ہے وہ اس سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے

طرت محتاج ہونے والے تمام عالمی موجودات قدیم ہیں تو مجھے حادث کا معنی سمجھا بیٹھے یہ سن کر ان کو جواب نہ آسکا اور خاموش ہو گئے۔ پھر دینیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہاری دلیل کیا ہے۔ انہوں نے کہا چونکہ دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ خیر یا شر۔ یعنی اچھی چیزیں ہیں یا بُری۔ اور دونوں کا خالق ایک تو ہونے نہیں سکتا لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر۔ خالق خیر کو نور کہتے ہیں اور خالق شر کو ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ضدیں صرف دو ہوں تو خالق دو ہوں گے لیکن اگر ضدیں زیادہ ہوں مثلاً رنگ کی قسمیں سفید۔ سیاہ۔ سرخ۔ زرد۔ سبز وغیرہ اور ہر رنگ دوسرے کی ضد ہے۔ لہذا چاہیے کہ ہر رنگ کے لئے خدا الگ الگ ہو۔ اور نیز یہ بتاؤ کہ جب دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں تو دونوں کے اجتماع سے یہ عالم کیسے خلق ہوا۔ تمہارے قاعدے سے اس کی تخلیق محال ہونی چاہیے۔ تو وہ بھی سن کر مسبوت اور لاجواب ہو گئے۔

آخر میں مشرکین سے خطاب فرمایا۔ انہوں نے بت پرستی کی وجہ بتائی کہ ہم قرب خدا کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ان کو تم لوگ اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو پس تم ان کے صانع ہو۔ حق تو یہ تھا کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ تمہاری عبادت کرتے نہ کہ تم کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے۔ اور خدا اجل ہے کہ اپنی قربت کے لئے کسی صانع کو مصنوع کی عبادت کی دعوت دے۔ اس کے بعد کافی بحث ہوئی اور آخر میں وہ لاجواب ہو گئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو برحق نبی مسبوت فرمایا۔ تین روز نہیں گذرنے پائے تھے کہ پچیس آدمی یعنی ہر گروہ سے پانچ پانچ آدمی خدمت اقدس میں پہنچ کر مشرف باسلام ہوئے۔

اِتَّخَذُوا اَحْبَابًا مِّمَّنْ۔ تفسیر برہان کی متعدد روایات میں ہے کہ ان لوگوں نے اجبار و رہبان کی پرستش نہیں کی تھی اور نہ ان کو اجبار و رہبان نے اپنی عبادت کی دعوت دی تھی بلکہ معصیت خدا میں یہ لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ لہذا ان کو کہا گیا کہ انہوں نے اجبار و رہبان کو اپنا رب بنایا ہے۔ یعنی اگر وہ حرام کو حلال بناتے یا حلال کو حرام بناتے تو یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے آنچھیں بنا کر کے ان کے پیچھے چلتے تھے۔ اس لئے ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کاش جن لوگوں نے آل محمد کے علاوہ غیروں کی اقتدا کو دین سمجھا وہ ان آیات سے عبرت حاصل کرتے۔

يُرِيدُونَ۔ اس کا ترجمہ شاعر نے اردو میں خوب کیا ہے ع

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وَيَأْتِي اللَّهُ الْآنَ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ

اور نہیں چاہتا اللہ مگر یہ کہ پورا کرے گا اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں کافر وہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنا

رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينٍ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

رسول ساتھ ہدایت کے اور دین حق کے تاکہ غالب کرے اس کو اور پر سب دینوں کے اگرچہ ناپسند کریں مشرک

هُوَ الَّذِي - بروایت ابولبیر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس آیت مجیدہ کی تاویل ابھی تک نہیں گھلی۔ اور وہ اُس وقت کہلے گی جب حضرت قائم آل محمد علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ پس جب آپ کا خروج ہوگا تو اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا اور امامت کے ساتھ شریک کرنے والا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو امام کے خروج کو پسند کرتا ہو۔ پس اس وقت اگر کوئی کافر پتھر کے اندر بھی چھپ کر پوشیدہ ہوگا تو پتھر پکار کر کہے گا۔ اے مومن! میرے اندر ایک کافر پوشیدہ ہے اس کو نکال کر قتل کر

لِيُظْهِرَهُ - اس غلبہ سے مراد اگر غلبہ دلیل و برہان لیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اسلام اس لحاظ سے تمام دینوں پر غالب ہے۔ اور اگر غلبہ سے مراد اقتدار ظاہری ہو تو وہ حقیقتاً اس وقت ہی ہوگا جب کہ حضرت صاحب العصر کا ظہور ہوگا جیسا کہ روایت میں ہے کہ اس وقت دین اسلام ہر دین پر غالب ہوگا۔ اور اس وقت کے آنے سے قبل قیامت آہی نہیں سکتی۔ پس خدا کا فرمان پورا ہو کر ہی رہے گا۔ اور مقدمات سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالت مآب سے سنا کہ پشت زمین پر کوئی کچا یا پکا گھر ایسا نہ بچ سکے گا جس میں اسلام داخل نہ ہو۔ خواہ اس کو باعزت قبول کریں یا ذلیل و رسوا ہو کر اس کے حلقہ میں داخل ہوں۔

تفسیر صفائی میں بروایت اکمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس طرح فرعون نے موسیٰ کو ختم کرنے کے لئے بنی اسرائیل کی عورتوں کے پیٹ چاک کر دئیے تھے۔ اسی طرح بنی عباس اور بنی امیہ کو جب معلوم ہوا کہ جباروں اور ظالموں کا اقتدار حضرت قائم آل محمد کے ہاتھوں ختم ہوگا تو انہوں نے آل محمد کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور نسل رسول کی تباہی کے درپے ہوئے۔ لیکن خدا کا نور پھیل کر ہی رہے گا۔

بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہمارے قائم کی رعب سے تائید ہوگی۔ زمین کی اطراف سمٹ جائیں گی۔ خزانے ظاہر ہوں گے۔ مشرق سے مغرب تک ان کی حکومت ہوگی۔ خدا ان کے فریے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کرے گا۔ زمین آباد ہوگی اور حضرت عیسیٰ آتے کر ان کے سچے نماز پڑھیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَدْيَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَعَلَّكُمْ أَتَمْتَمُونَ ﴿۳۴﴾

مال جمع کر جانے والوں کو تنبیہ
مطابق فتویٰ دے کر وغیر ذلک۔ پس خداوند کریم ان کی برائی بیان فرما کر اہل اسلام کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اس طرح کما کر پیٹ بھرنا حرام ہے۔ اور یہودیوں کا صریح ذکر کر کے مسلمانوں کو کفار کے زنگ میں منع فرما رہا ہے۔ اور یہ طریقہ تبلیغ نہایت احسن و ابلیغ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَا كْلُونَ أَمْوَالَ

اے ایمان والو تحقیق بہت سے (یہودیوں کے، عالم و عابد کھاتے ہیں مال لوگوں کا غلط طریق

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ

سے اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونا اور

وَالْفِئْتَةَ وَلَا يَفْقَهُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾

چاندی اور ان کو نہیں خرچ کرتے راہ خدا میں تو ان کو خوشخبری دو دردناک عذاب کی

سمجھا جاتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ - مجمع البیان میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے وہ خزانہ ہے

خواہ زمین کے اوپر ہی ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ خزانہ نہیں خواہ زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے۔

الذَّهَبَ - اس کو ذہب اس لئے کہا جاتا ہے کہ چلے جانے والی چیز ہے۔ کیونکہ ذہاب کا معنی جانا ہوتا ہے اور فضہ کو فضہ

اس لئے کہا جاتا ہے کہ تقسیم ہو جانے اور بٹ جانے والی چیز ہے۔ پس ان دونوں کے نام ان کے فنا ہو جانے پر دلالت کرتے ہیں

پس ان دونوں سے دل لگانا اور محبت کرنا فضول ہے۔ پس اسی قدر اپنے پاس رکھے جس قدر اپنا گزارا ہو سکے۔

وَلَا يَفْقَهُوْمَهَا - یہ لفظ بتلاتا ہے کہ عذاب کی پیش کش ان جمع کرنے والوں کے لئے ہے جو اپنے اموال سے حقوق مالیہ کی

ادائیگی سے گریز کرتے ہیں ورنہ جو لوگ اپنے حقوق ادا کرنے والے ہوں۔ زکوٰۃ ادا کریں خمس دے دیں اور حج میں پیسہ لگالیں اسی

طرح دوسرے امور خیر مثلاً خیرات صدقات صلہ رحمی عزا داری وغیرہ میں بھی خرچ کریں۔ اور پھر ان کے پاس پیسہ بچ رہے

اور اپنے پاس کچھ چھوڑ کر جائیں تو وہ اس سرزنش سے یقیناً بری ہوں گے۔ پس یہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو اپنے مال

سے حقوق ادا نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے لوگ اگر اپنا تمام پیسہ حرام کاریوں۔ بد معاشیوں میں فنا کر کے جائیں تب بھی بروز محشر ان خزانہ

کرنے والوں کے ساتھ شریک عذاب ہوں گے جو بچا کر گئے تھے۔ دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کتوں۔ بکھروں اور ادا باشوں پر

پانی کی طرح پیسہ بہا دیتے ہیں لیکن دین خدا کی ایک پیسی بھی امداد نہیں کرتے۔ بد معاش ان کے ہاں زر وے گوشت پلاؤ وغیرہ

صبح شام کھاتے ہیں اور فقیہ و مسکین کو ان کے دسترخوان سے ایک خشک روٹی بھی مشکل نصیب ہوتی ہے۔ سیتاؤں، کلبوں

ناچ گانوں اور سیر و تماشا کے لئے ہزاروں روپے خرچ کئے جاتے ہیں لیکن زکوٰۃ و خمس میں ایک دمٹی کا خرچ کرنا بار خاطر

ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بروز قیامت سخت ترین عذاب کے حق دار ہوں گے۔ انہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

فَتَكُونُ فِيهَا لَيَعْنَىٰ ان کے منہ پہلو اور پشتوں پر ان کی جمع شدہ رقوم کو آتش جہنم میں گرم کر کے داغ دئے جائیں گے

پس جب وہ لوگ درد و عذاب سے چھینیں گے اور چلائیں گے تو ان کو جواب ملے گا گھبراتے کیوں ہو یہ تمہارا اپنا جمع کردہ مال ہے

يَوْمَ يَحْمَىٰ عَلَيْهِمَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتَكُونُ بِهِمَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ

جس دن گرم کیا جائے گا ان کو دوزخ کی آگ میں پس داغ دیا جائے گا ان کے منہ اور پہلوؤں اور پشتوں کو

هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا نَفْسِكُمْ نَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ

کہ یہ وہ ہے جو تم نے خزانہ کر رکھا تھا اپنے لئے پس چکھو وہ جو تم جمع کرتے تھے تحقیق

عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ

تعداد مہینوں کی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں کتاب خدا میں جس دن پیدا کیا آسمانوں

جو دنیا میں چھوڑ کر آئے تھے۔ اب وہ وصول کر لو اور اس کو چکھو۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور نے تین مرتبہ فرمایا۔ تَبَسُّوا لِلذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ تو اصحاب پر یہ چیز شاق گذری حضرت عمر نے پوچھا یا رسول اللہ پھر ہم کون سا مال جمع کریں۔ تو آپ نے فرمایا زبان و اگر دل شاکر اور عورت مومنہ جو دین میں تمہاری مدد و معاون ہو۔

اور بعض نے کہا ہے منہ سے مراد بدن کا اکل حصہ اور جنب سے مراد دو نوطرفین اور پیٹھ سے مراد بدن کا پچھلا حصہ ہے مراد یہ ہے کہ ان کے جسموں کے تمام اعضاء داغ دیے جائیں گے۔ اور ان کا تمام جسم مبتلائے عذاب کیا جائے گا۔ اس وقت اس پیسہ جمع کرنے یا خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا وبال معلوم ہو گا لیکن وہاں اس کا کوئی علاج نہ ہو سکے گا۔ پس نیک بخت ہے وہ انسان جو دنیا میں سنبھل جائے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ۔ کہتے ہیں یہودی لوگ اور ان کے علاوہ کئی قومیں دو سال ۱۲ مہینے قمری شمار کرتے تھے اور تیسرے سال کے مہینے تیرہ بنا دیتے تھے تاکہ شمسی حساب سے موسم میں تبدیلی واقع نہ ہو تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مسلمانوں کو ہمیشہ بارہ مہینوں کے شمار کا حساب بتایا ہے۔ اور دین کا معنی حساب بھی ہوتا ہے۔ پس اس جگہ فرمایا کہ یہ حساب سیدھا ہے وہ بارہ مہینے یہ ہیں۔ (۱) محرم و جہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ عرب اس مہینے کی عظمت و حرمت کے قائل تھے حتیٰ کہ اس ماہ میں اگر کوئی شخص اپنے باپ کے قائل کو کہیں تنہا بھی پالیتا تھا تو اس سے انتقام نہ لیتا تھا لیکن کس قدر نا اہل اور ناقدر شناس تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس حرمت والے مہینے میں اپنے رسول کی عزت کو ظلم کا نشانہ بنایا اور ان کو بے گناہ قتل کر ڈالا، صرف اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ یہاں حرمت والے مہینے ختم ہو جاتے تھے اور لوگوں کے لیے وقت کی حرمت کی پابندی باقی نہ رہتی تھی۔ پس گھروں سے نکلی کھڑے ہوتے حتیٰ کہ مکہ مردوں سے خالی ہو جاتا تھا اور صرف کا معنی بھی یہی ہے (۳) ربیع الاول (۴) ربیع الثانی، ان دو مہینوں میں زمین کی سرسبزی و شادابی کی بنا پر نام تجویز کئے گئے۔ (۵) جمادی الاولیٰ (۶) جمادی الثانیہ پانیوں کی خشکی اور جمود کی وجہ سے ان کے یہ نام تجویز ہوئے (۷) رجب کیوں کہ یہ مہینہ بھی حرمت والا ہے اور اس میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے تھے اور رجب کا معنی بے کار ہونے سے ملتا جلتا ہے

وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حَرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقِيمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا

اور زمین کو، ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہ دین سیدھا ہے پس نہ ظلم کرو اپنے نفسوں پر اور

الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾

کاف مشرکوں سے۔ جس طرح وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جانو تحقیق اللہ ساتھ ڈرنے والوں کے ہے

حضرت رسالت مآب سے ایک روایت منقول ہے کہ جنت میں ایک نہر ہے جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ جو شخص ماہِ رجب میں کم از کم ایک دن بھی روزہ رکھے گا اس کے لئے اس نہر پر تصرف کی اجازت ہوگی (۸) شعبان شعب کا معنی ہے شام اور صغیر نے فرمایا اس کو شعبان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں نیکی کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ یعنی ایک نیکی چند در چند نیکیوں کے برابر ہوتی ہے (۹) رمضان کہتے ہیں یہ اللہ کے ناموں میں سے ہے۔ اور یہ مہینہ بالخصوص اللہ کی طرف منسوب ہے۔ نیز اس کا معنی ہے گرمی۔ اور روزہ دار کو بوجہ روزہ کے گرمی و خشکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خواہ سردیوں کا موسم ہی کیوں نہ ہو (۱۰) شوال۔ یہ شوال سے ہے جس کا معنی ہے چھوڑ دینا۔ چونکہ عرب اس ماہ میں اپنے مکانوں کو چھوڑ دیتے تھے اس لئے اس کو شوال کہا جاتا ہے (۱۱) ذوالقعدہ۔ قعدہ کا معنی ہے بیٹھ جانا اور چونکہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اس میں بھی عرب جنگ و جدال سے رک کر بیٹھ جاتے تھے پس اس کو ذوالقعدہ کہا گیا (۱۲) ذوالحجہ۔ اس کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب ان مہینوں کے نام تجویز ہوئے اس وقت یہ مناسبات موجود تھیں پس یہ نام رکھ دیے گئے۔ لہذا بعد میں ان مناسبات کا باقی رہنا ان کی وجہ تسمیہ کا منافی نہیں ہو سکتا

مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حَرْمٌ۔ چار حرمت والے مہینے یہ ہیں۔ رجب۔ ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ اور محرم۔

فَلَا تَظْلِمُوا۔ ان حرمت والے مہینوں میں خصوصیت کے ساتھ ظلم نفس سے منع فرمایا۔ ورنہ ہر وقت ظلم نفس ناجائز اور حرام ہوتا ہے۔ ظلم نفس سے مراد ہے ہر وہ کام جو فرمودہ خدا کے خلاف ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ زمان و مکان کی سعادت و شرافت افعال و کردار کی جزا و سزا میں کمی یا زیادتی کی سبب ہو جایا کرتی ہے۔ مثلاً نیک وقت میں نیک کام کی جزا زیادہ اور بد فعل کی سزا زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن کی عبادت اور ایام کی عبادت سے زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ ماہ رمضان کی عبادت خصوصاً ایلاتہ القدر کی عبادت دوسرے مہینوں اور باقی راتوں سے بدرجہا بلند و بیش قیمت شمار ہوتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح نیک مکان میں نیکی کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ گھر مسجد۔ جامع مسجد۔ مسجد کوفہ اور مسجد الحرام میں نمازوں کے ثواب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس جس طرح زمان و مکان کی شرافت سے نیکی کی قیمت بڑھتی ہے۔ اسی طرح بُرائی کی سزا میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ عام دن کی بُرائی اور روز جمعہ کی بُرائی اور ماہ رمضان کے دن میں بُرائی کے عذاب میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان ایام کے مراتب میں فرق ہے۔ نیز عام مکان۔ مسجد اور بیت اللہ میں بُرائی کی سزاؤں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ان مکانات کے مدارج میں تفاوت ہے۔ پس اسی بنا پر حرمت والے مہینوں میں تاکید سے حکم دیا گیا کہ ان مہینوں میں بالخصوص ظلم نفس سے یعنی پروردگار کی نافرمانیوں سے بچو۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُبَلِّغُ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَنَحْيًا مُؤَنَّهُ

سوائے اس کے نہیں کہ تبدیلی زیادتی کفر ہے اس کے ذریعے گناہ کئے جاتے ہیں وہ جو کافر ہیں حلال کرتے ہیں ایک سال اور حرام کرتے ہیں

تاویل آیت - تفسیر برہان میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا جب اور لوگ چلے گئے۔ فرمانے لگے۔ اے ابو حمزہ ہمارے قائم کی تشریح آوری محتوم ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور جو میری بات میں شک کرے وہ کافر اور منکر ہے۔ پھر فرمایا میرا ماں باپ قربان ہو اس پر جس کا نام دکنیت میرے جیسا ہوگا۔ اور وہ میرے بعد ساتواں ہوگا۔ میرا ماں باپ قربان ہو اس پر جو زمین کو عدل و انصاف سے چر کرے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے چر ہوگی اے ابو حمزہ! جو شخص اس کا زمانہ پائے اور اس کے لئے وہ چیز تسلیم کرے جو حضرت محمد مصطفیٰؐ و علی رضی کے لئے تسلیم کرتا ہے تو اس پر جنت حرام ہوگی۔ اور اس کا ٹھکانہ آتش جہنم ہوگا۔ اور اس مطلب پر واضح ترین اور روشن ترین خدا کا یہ فرمان ہے۔ رَاتِ عِدَّةَ الشُّهُورِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ۔ فرمایا مہینوں کا پہچانا کہ محرم صفر الخ یہ دین قیم نہیں۔ کیوں کہ یہودی نصرانی۔ مجوسی اور باقی مذاہب بلکہ تمام لوگ خواہ مخالف ہوں خواہ موافق ان سب مہینوں کو تو سب جانتے ہیں بلکہ اس جگہ مراد ہیں وہ امام جو اللہ کے دین کے محافظ ہیں اور عرم ان میں سے علیؑ اور ان کے تین فرزند ہیں جو اسی نام سے موسوم ہیں۔ علی زین العابدین۔ علی رضا۔ اور علی نقی۔ کیونکہ یہ نام خداوند کریم نے اپنے نام سے مشتق فرمایا۔ جس طرح نام محمد اپنے نام محمد سے مشتق کیا ہے۔

داؤد بن کثیر سے ایک روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ نے سماع سے فرمایا مجھے کھجور کا دانہ اٹھا اور پس آپ نے وہ کھا کر اس کی گٹھلی کو زمین میں دفن کیا۔ فوراً خرما کا درخت تیار ہوا۔ اس میں پھل لگ گیا۔ اور خوشے تیار ہو گئے۔ آپ نے ایک دانہ توڑا اور اس کو چیرا۔ اس سے ایک کاغذ نکلا۔ اس کو کھول کر فرمایا۔ پڑھو میں نے پڑھا تو ایک سطر پر کلمہ توحید اور دوسری سطر پر یہی آیت ان عِدَّةَ الشُّهُورِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ۔ لکھی ہوئی تھی۔ اور پھر حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک تمام ائمہ کے نام مندرج تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا اے داؤد تم جانتے ہو کہ یہ کب سے لکھا ہوا ہے میں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے مجھے فرمایا حضرت آدم کی خلقت سے دو ہزار سال قبل کی تحریر ہے۔

بروایت جابر جعفی امام محمد باقر علیہ السلام سے مثل سابقہ روایت کے ایک حدیث مروی ہے جس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ سال کی تاویل ہمارا نانا حضرت محمد مصطفیٰؐ ہے۔ اور بارہ مہینوں کی تاویل بارہ امام ہیں جو مخلوق خدا پر حجت خدا اور اس کی وحی و علم کے امین ہیں۔ چار حرمت والے ہیں جن کا نام علی ہے۔ ان کا اقرار کرنا دین قیم ہے۔ پس ان کے بارے میں خدا نے ظلم و تعدی سے منع فرمایا ہے اور ان تمام کا اقرار راہ ہدایت ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ - نساء سے ہے (معموز اللام) اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی قرأت النَّسِيءِ منقول ہے۔ گویا ہمزہ کو باء سے تبدیل کیا گیا ہے۔ عام مشہور قرأت النَّسِيءِ ہے۔ بروزن فعل۔ اور یہ کہ النذیر اور النکیر کی طرح یہ بھی مصدر ہے کہ صیغہ اسم مفعول اور اس کا معنی ہے موخر کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسم کا صیغہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ موخر کیا ہوا ہینہ گناہ و کفر

عَامَالِيَوْمَآئِدَةٍ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيَحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زَيْنَ لَهُمْ سَوْءَ أَعْمَالِهِمْ

دوسرے سال تک پوری کریں تعداد اس کی جو حرام کیا اللہ نے پس حلال کرتے ہیں جس کو اللہ نے حرام کیا زینت پائی ان کے لئے ان کے

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذِ قِيلَ

بد اعمالوں نے اور اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو

لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِذَا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ارْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا

تمہیں نکل پڑو اللہ کی راہ میں تو لگ جاتے ہو زمین سے

کیا تم راضی ہو دنیا کی زندگی پر

ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ مومنین کو گناہ و کفر ہے۔ پس اس کا مصدر ہونا درست ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ عرب لوگ حرمت والے تین مہینوں کے پے ورپے آنے سے تنگ آجاتے تھے۔ پس وہ بعض اوقات اس میں تبادلہ کر لیتے تھے۔ پس محرم کی جگہ صفر کو حرمت والا بناتے تھے۔ اور محرم میں جنگ چھیڑ لیا کرتے تھے۔ پھر حسب ضرورت محرم کو ہی حرمت والا قرار دے لیتے تھے۔ کہتے ہیں اس فیصلہ کا ٹھیکیدار بنی کنانہ کا ایک شخص تھا۔ جس کا نام نعیم بن ثعلبہ تھا۔ پس وہ حکم سنا دیتا تھا کہ اس سال مثلاً محرم کی بجائے صفر حرمت والا ہوگا۔ اور اس کے بعد جنادہ بن عوف اس کا فیصلہ سناتا تھا۔ اور اس کو نسی کہتے تھے۔ اور کہتے ہیں نسی کی ابتداء عمر بن لُحی نے کی تھی۔ نیز اس طرح بھی کر لیا کرتے تھے کہ ایک سال محرم کو صفر بنا لیا کہ صفر اول اور صفر ثانی نام رکھ دیا۔ پھر دوسرے سال دونوں مہینوں کو محرم بنا لیتے تھے۔ یعنی محرم اول اور محرم ثانی۔ یعنی حسب ضرورت حرمت والے مہینوں کی ایر پھیر کیا کرتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حج کو ہر مہینے چکر دیتے تھے۔ اور ہر ماہ کا نمبر دو سال رہتا تھا۔ مثلاً دو سال ذوالحجہ میں پھر دو سال محرم میں و علی ہذا القیاس۔ اور فتح مکہ کے بعد جب سورہ برأت لائی گئی تو اس سال حج ذوالفقہہ میں تھی۔ اور دوسرے سال حجۃ الوداع ذوالحجہ میں ہوئی۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے اسی ماہ میں رو گئی اور نسی کا قصہ ختم کر دیا گیا۔

رَكَوعٌ ۱۲ | إِذَا قُلْتُمْ - یعنی عملاً بھارے ہو کر زمین سے چمٹ جاتے ہو۔ ثقل سے باب تفاعل تشاغل ہوتا ہے اس لحاظ سے تَشَاغَلْتُمْ ہونا چاہیے تھا لیکن علم صرف کا قانون ہے کہ جب باب تفاعل میں فاء کے

مقابلہ میں تاء آجائے تو کوٹنا سے تبدیل کر لیتے ہیں۔ اور دونوں حرفوں کو ایک دوسرے میں ادغام کر کے شروع میں ہمزہ وصلی کو بڑھا دیتے ہیں۔ پس تفاعل سے یہ باب افاعل بن جاتا ہے۔ یہاں تشاغل میں تاء کوٹنا سے بدلا اور ادغام کر کے شروع میں ہمزہ بڑھایا تو افعال بن گیا۔ اور انا قلتم اسی باب سے جمع مخاطب فعل ماضی ہے۔ تحت اللفظی معنی واضح ہے۔

آیت مجیدہ کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضور طائف سے واپس آئے تو رومیوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ اور یہ زمانہ میوہ جات کے پھنے کا تھا۔ تو لوگوں کو گھروں سے نکلنا دشوار معلوم ہوا۔ حضور نے جب ان کو جہاد کی دعوت دی

مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾

آخرت کے بدل میں پس نہیں فائدہ زندگی دنیا کا بمقابلہ آخرت مگر معمولی

تو بعض لوگوں نے عذراہی کی۔ اور چونکہ یہ جنگ سخت تھا۔ سفر لبا تھا۔ اور دشمنوں کی جمعیت زیادہ تھی۔ اس لئے زیادہ تعداد میں مجاہدین کو سرکھٹ ہو کر جانے کی ضرورت تھی۔ لیکن بہت سے لوگ دُور دراز کے سفر سے گھبرا گئے۔ اور اصر مہیہ جات کو چھوڑ کر پھرتے پھرتے۔ پس خداوند کریم نے ان کی سرزنش کے لئے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اور یہ غزوہ تبوک کہلاتا ہے۔ جس کے لئے مہینوں کو تہدید کی طور پر تیاری کی دعوت دی گئی ہے؛

تاریخ ماضی کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کوئی قوم اُس وقت تک برسرِ اقتدار رہ سکتی ہے جب تک وہ جفاکش اور محنت شعار رہے۔ اور اقوامِ عالم میں کسی قوم کی سر بلندی کا

معیار اس کی بیداری ہی ہوا کرتی ہے۔ بخلاف اس کے جو قوم آرام طلب، عیش پرست اور سکون پسند ہو جائے وہ باوجود زندگی کے مردہ کہلاتی ہے۔ اور باوجود بیداری کے خفتہ کھجی جاتی ہے۔ پس ایسی قوم ترقی کرنا تو بجائے خود اپنا مقام کھو بیٹھتی ہے۔ اور تنزلی و پستی کے عمیق ترین گڑھے میں دھکیل دی جا یا کرتی ہے۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم مسلمانوں کو اسی نکتہ کی طرف متوجہ فرما رہا ہے کہ آرام طلبی و عیش پرستی چھوڑ دو۔ اور میدانِ جہاد میں قدم آگے بڑھاؤ۔ ورنہ اگر تم سُست ہو گئے اور میدانِ عمل میں آگے بڑھنے سے گریز کرنے لگ گئے تو اس مجہود کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم لوگ ذلت و خواری بلکہ عذابِ شدید میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور دنیا کی بیدار و متحرک قومیں تمہاری جگہ سنبھال لیں گی۔ چنانچہ فرمایا اَلَا تَتَفَرَّوْا يٰۤاَعْدٰى بَنِيۤ اٰدَمَ ؕ لَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمًا وَّلَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ یعنی اگر تم جہاد کرنے کے لئے گھروں کو نہ چھوڑو گے تو تمہیں وہ سخت عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلہ میں دوسری قوم کو لے آئے گا جو برابر اقتدار ہوگی۔ الخ۔

کہتے ہیں ارسطو نے جو سکندر کو خط لکھا تھا اس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ممالکِ فارسہ کے لوگوں کو آرام سے بیٹھنے دو۔ ورنہ زوالِ حکومت کا خطرہ رکھو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ محنت و سختی کو زیادہ دیر تک برداشت کر سکتے ہیں۔ اور سکون و آرام کو زیادہ دیر تک نہیں برداشت کر سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لڑائی کے زمانہ میں جو حس و حرکت شعور و بیداری اور جو پیل پیل لوگوں میں ہوا کرتی ہے وہ آرام و سکون کی گھڑیوں میں ناپید ہو جایا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس نے اممِ ماخیہ اور اقوامِ سابقہ کی مثالیں دے کر اپنے مقصد کی وضاحت کی کہ اقوام کی ترقی و افتداز کا راز حس و حرکت میں ہی مضمر ہے۔ اور سکون و جہود زوالِ اقتدار کا پیش خیمہ ہے۔

یہاں سمجھ لیجئے کہ پورا عالم مقامِ صعود و ارتقاء میں ہے پس جو قوم صعودی و ارتقائی کوششوں میں مصروف رہے۔ وہ آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اور جو آرام کرنے کے لئے ایک جگہ جم کر بیٹھ جائے یا تھک کر پیچھے سرکنے لگ جائے تو دوسری ہرشیار و تازہ قوم ان کی جگہ لے لیا کرتی ہے۔ اور اسی طرح انسان درجہ بدرجہ ارتقائی منازل کو طے کرتا ہے۔ اور یہی خدا نے علام کی

الَّتِنْفِرُوا بَعْدَ بَعْثِ رَسُولٍ مِّنكُمْ يَوْمَ يَأْتِي السَّمَاءَ دُخانٌ مُّزْجِيٌّ وَنُفِرَ بِنُورٍ مُّبِينٍ ۝۱۰۰

اگر تم نہ نکلو گے تو تم کو عذاب دے گا دردناک اور تمہارے بدلہ میں لایگا دوسری قوم اور تم نہ ضرر دو گے اس کو کچھ

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ ۝۱۰۱

اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی جب

حکمت و تدبیر ہے۔ جو بقائے عالم اور اس کے تدبیری ارتقا کی کفیل ہے۔ اور اسلامیان پاکستان پر تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ ان کے سترہ روزہ بھارت کے دفاع نے جس قدر ان کو تعلیمات اسلامیہ کے قریب کیا ہے اتنے قریب کا تصور بھی قبل کے آزادی کے سترہ سال میں ان کے دماغ میں نہ آسکا۔

الَّتِنْفِرُوا ۝۱۰۲

ہجرت کا بیان تو خدا تمہارا محتاج نہیں وہ مختلف طریقوں سے اپنے نبی کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ اور مقامات کے علاوہ خدا نے اپنے حبیب کی اُس وقت مدد کی جب کہ تمام لوگ اس کو چھوڑ چکے تھے۔ اور کفار قریش قتل کے درپے تھے۔ اور وہ صرف دو ہی دو تھے کہ ان میں دوسرا رسول تھا۔ اور اس جگہ نصرت خداوندی کی صورت یہ تھی کہ جب رسالت مآب اپنے ساتھی یعنی ابوبکر کے ہمراہ غار میں داخل ہوئے اور کفار نے ان کا تعاقب کیا تو خدا نے غار کے دروازہ پر فوراً ایک درخت لگا دیا۔ اور عنکبوت کو حکم دیا کہ اس نے جالاتن دیا اور کبوتر کے ایک جڑے نے وہاں اپنا گھونسل بنا لیا (تفسیر مظہری) پس اس مقام پر نصرت خداوندی کے کئی وجوہ ہیں۔

۱۔ درخت کا اگانا عنکبوت کو جالاتن کا حکم دینا اور کبوتروں کے جڑے کا بھیجنا تاکہ کفار کا تصور اس جانب سے ہٹ جائے۔ ۲۔ اپنی جانب سے سکینہ کا نازل فرمانا۔ ۳۔ کفار پر رعب طاری کرنا۔ ۴۔ ملائکہ کو بھیجنا۔

پس آیت مجیدہ میں مومنین کو نصرت پیغمبر میں مستی کرنے سے سزائش کی گئی ہے کہ اگر تم مدد نہ کرو گے تو کیا ہو گا کسی اور مخصوص ذریعہ سے اُس کی مدد کرے گا جیسا کہ شب ہجرت اس نے مدد کی۔

تفسیر مجمع البیان میں زہری سے مروی ہے کہ جب حضرت رسالت مآب غار میں داخل ہوئے تو باذن پروردگار غار کے دروازہ پر کبوتروں نے انڈے دے دیئے۔ اور عنکبوت نے جالاتن دیا۔ جب سراقہ بن مالک تعاقب میں پہنچا تو کبوتروں کے انڈے اور عنکبوت کا جال دیکھ کر کہنے لگا اگر اس غار میں کوئی داخل ہوا ہوتا تو انڈے ٹوٹ جاتے اور جالاتن ختم ہو جاتا پس مایوس ہو کر واپس پلٹ گئے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوبکر زخراعی نے نشان قدم پہچان لیا۔ اور کہا غار کے دروازہ پر جو قدم کا نشان ہے یہ بعینہ اسی قدم کا نشان ہے جو محمد کے گھر سے نکلتے وقت تھا۔ اور ساتھ دوسرا نشان قدم ابوتحافہ کا ہے یا اس کے بیٹے کا ہے

الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِي اثْنِينَ اِذْ هَمَّا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ

اس کو کافروں نے نکال دیا تھا درحالیکہ وہ صرف دو ہیں سے دوسرے تھے جب کہ وہ غار میں تھے جب کہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلِ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدْهُ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

عزم نہ کرو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنا سکینتہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی کہ تم نے نہ دیکھے اور ان کے

بہر کیف وہ دونوں اس مقام پر ضرور پہنچے ہیں۔ اس سے آگے یا تو وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے ہیں یا زمین میں روپوش ہو گئے ہیں نیز خداوند کریم نے ایک حفاظتی انتظام یہ بھی فرمادیا تھا کہ ایک فرشتہ کو غار کے دروازہ پر بصورت انسان بھیج دیا۔ جب کفار وہاں پہنچے تو اُس نے ان سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور ادھر ادھر سپاٹھی گھاٹیوں میں ڈھونڈو کیوں کہ وہ یہاں نہیں ہے تفسیر برہان میں بروایت جابر منقول ہے کہ حضرت رسالت مآب اپنی ناقہ عضباء پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں حکم پروردگار آپ کے ہمراہ ہوں گا۔ پس راستہ میں حضرت ابو بکرؓ لے۔ اور ساتھ جانے کی درخواست کی لیکن حضورؐ نے انکار کر دیا۔ پس اُس نے کہا کہ اب اگر مجھ سے کفار حلفیہ آپ کے متعلق پوچھیں گے تو مجھے سچ بتانا ہوگا لہذا آپ کا راز فاش ہو جائے گا۔ لہذا مجھے اپنے ساتھ لے جائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تو ایسا ہی کرے گا تو اُس نے کہا ہاں بخدا اگر وہ مجھ سے حلفیہ دریافت کریں گے تو قتل کے خوف سے اُن کو سچ ہی بتانا ہوگا۔ پس آپ نے اس کو ہمراہ لے لیا اسی طرح بروایت ابن طاووس ابن صباغ کی کتاب نور و برہان سے منقول ہے کہ حضورؐ نے علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور حضرت ابو بکر کو ہمراہ لے گئے کہ مبادا کفار کو اطلاع دے دیں۔

تفسیر برہان میں مروی ہے کہ واقعہ ہجرت جناب خدیجہ اور حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد ہوا۔ کیونکہ ان دونوں کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کی زندگی خطرہ میں تھی۔ اور آپ ہر وقت رنجیدہ خاطر رہتے تھے۔ پس وحی خداوندی ہوئی۔ اَخْرَجَ مِنَ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اٰهْلَهَا۔ یعنی اس ظالم لوگوں کی بستی سے نکل جائیے کیونکہ اب یہاں کوئی ناصر نہیں رہا۔ تفسیر منار میں محمد بن عبدہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسالت مآب کی حفاظت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ چونکہ قریش میں بلند مقام و عظمت کی مالکہ تھیں اور لوگوں کو ان کا بہت جیسا تھا پس ان کا وجود بھی ایذا رسول میں کمی کا باعث تھا پس جب یہ دونوں بزرگوار ایک ہی ہفتہ میں رحلت فرما گئے تو قریش نے حضورؐ کو زیادہ ایذیتیں دینا شروع کر دیں پس انہوں نے مل جل کر قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ تاکہ کوئی ایک قبیلہ آپ کے خون میں ملوث نہ ہو۔ اور تمام قبیلے جب شریک ہوں گے تو خون بہا تقسیم کیا جائے گا۔ اور ہر قبیلہ اپنے حصہ کے مطابق ادا کرے گا۔ اور اس صورت میں بنی ہاشم کو مجبوراً خون بہا پر رضامند ہونا پڑے گا کیونکہ تمام قبائل سے لڑنا ان کے لئے ناممکن ہوگا۔ پس اللہ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا اور ہجرت کے بعد شہر کا نام مدینہ منورہ ہو گیا۔ حالانکہ پہلے اس کو یشرب کہا جاتا تھا اور اس جگہ کے بعض لوگ پہلے موسم حج میں آپ پر ایمان

كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾

قرآن کرست کر دیا جو کافر تھے اور اللہ کا قرآن ہی بلند ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

لاچکے تھے جن کو ایمان میں تقدم کا شرف حاصل ہے۔

اسی تفسیر میں ہے کہ حضور نے لوگوں کو حکم خداوندی سنا دیا تھا کہ مجھے ایسے شہر میں ہجرت کر کے جانے کا حکم ہوا ہے جہاں کھجوریں زیادہ ہیں۔ اور اس کے دونوں طرف سیاہ سنگریزے زار زمین ہے۔ پس لوگوں نے خفیہ خفیہ مدینہ کی طرف جانا شروع کر دیا تھا۔

محمد عبیدہ کی تحقیق کے مطابق آپ جمعرات کو مکہ سے نکلے اور تین روز غار ثور میں قیام کر کے سوموار کے دن وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور بعد ازیں منازل دور بیع الاول بروز سوموار مدینہ منورہ میں پہنچے۔ جب مدینہ والوں کو حضور کی مکہ سے روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے انتظار کی گھڑیاں مشکل سے گذاریں۔ چنانچہ صبح کو شہر سے باہر آکر انتظار میں کھڑے ہو جاتے۔ اور ظہر تک انتظار کرنے کے بعد واپس گھروں کو چلے جاتے۔ پس حضور کے قدم مہینت لزوم کے روز انتظار کر کے واپس جا ہی چکے تھے کہ ایک یہودی نے جو اپنے قلعہ پر بیٹھا تھا دیکھ لیا۔ اور مسلمانوں کو آپ کی آمد کی بشارت سنائی۔ پس تمام لوگ استقبال کے لئے دوڑے پس آپ نے پہلے پہل بنی عمرو بن عوف میں نزول اجلال فرمایا اور کچھ دن وہاں رہے۔ اور وہاں ایک مسجد بنائی۔ اور اس میں نماز بھی ادا کی۔

وہاں سے روانہ ہو کر چلے اور آپ کی سواری اس جگہ آکر مچھلی۔ جہاں اب مسجد نبوی موجود ہے۔ یہ زمین سہل اور سبیل نامی دو لٹکوں کی تھی۔ اور انہوں نے نذرانہ کے طور پر پیش کی جو آپ نے قبول فرمائی۔ اور اس پر مسجد کی تعمیر ہوئی۔

شیخ محمد عبیدہ جو اپنے دور میں مصر کے مفتی اعظم اور جامعہ ازہر کے پرنسپل تھے۔ انہوں نے اپنی غار ثور کا محل وقوع تفسیر منار کے دسویں جلد میں ابراہیم رفعت پاشا کی زبانی نقل کیا ہے۔ جنہوں نے ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۱۸ھ میں غار ثور کو دیکھا تھا۔

وہ کہتا ہے مکہ سے جبل ثور کا راستہ دو پہاڑوں کے درمیان جاتا ہے۔ پہلے چڑھائی آتی ہے اور پھر اترائی کے بعد جبل ثور تک انسان پہنچتا ہے۔ اور یہ راستہ چند فٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ راستہ پر سات پتھر نصب ہیں جو جانے والے کے بائیں طرف آتے ہیں۔ ہر دو کا درمیانی فاصلہ دو سو متر سے لے کر ہزار متر تک ہے (ایک متر تقریباً نصف فٹ کا ہوتا ہے) یہ پتھر راستہ کے ہر موڑ کے اوپر بلند مقام پر نصب ہیں جن کو چوڑے سے سفید کر دیا گیا ہے ہر پتھر کی بلندی تین متر ہے۔ پس پہاڑ تک پہنچ کر ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جا پہنچے کیونکہ چڑھائی اس قدر مشکل تھی کہ ہر پانچ فٹ کے بعد دو منٹ وقفہ کرنا پڑھتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات پانچ منٹ کا وقفہ آرام کیا جاتا تھا۔ راستہ نہایت خطرناک اور پریشانی تھا۔ یہاں تک کہ نصف پہاڑ تک میں نے ۴۵ موڑ شمار کئے اور یہ بھی تھا کہ کبھی چڑھائی آجاتی تو بعض دفعہ اترائی آجاتی۔

حتیٰ کہ مشکل ہم غارتک پہنچ سکے یہ باوجود ان سہولتوں کے تھا جو عثمان پاشا اور اسماعیل پاشا نے راستہ کے طے کرنے کے لئے ہم پہنچائی تھیں۔ جو علیٰ الترتیب ۱۶۹۹ء اور ۱۷۰۳ء میں جہانکے حکمران ہوئے تھے۔ ورنہ یہ راستہ اس سے بھی نہایت مشکل ہوتا اور چلنے والا راستہ ہی میں بھٹک جاتا اور غارتک کبھی نہ پہنچ پاتا۔ اور ان کی اصلاحات میں سے ہے کہ انہوں نے راستہ کی چڑھائی اور اترائی کو سیرھی بنا بنا دیا ہے اور بائیں ہمہ چڑھائی بہت سخت ہے۔ چنانچہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا اور طاقت بدن ختم ہو گئی۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اگر ہم اس کے منہ اور سینہ پر پانی نہ چھڑکتے اور اس کے منہ میں چلو بھر پانی نہ ڈالتے تو وہ یقیناً مر جاتا اور ہم ہر جانے والے کو نصیحت کرتے ہیں کہ غارتور کی طرف جاتے ہوئے اپنے ساتھ پانی کا انتظام ضرور کریں ہم نے دیکھا کہ وہ غارتپہاڑی کی چوٹی پر ایک بڑے پتھر کا خول ہے جو بالکل کشتی نما ہے۔ اور اس میں جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک شرقی۔ دوسرا غربی۔ چنانچہ میں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا کر پیٹ کے بل ریگتا ہوا غار میں غربی راستہ سے داخل ہوا۔ اور مشرقی سے باہر نکل آیا۔ اور یہ پہلے کی نسبت ذرا زیادہ کھلا تھا۔ غربی سوراخ تین بالشت تقریباً چوڑا اور دو بالشت اونچا ہو گا۔ اور یہی وہ اصلی راستہ تھا جس سے حضور داخل ہوئے تھے۔ اور شرقی راستہ بعد میں بنایا گیا تاکہ لوگ آسانی سے اندر آجاسکیں۔ اسی تفسیر میں مذکور ہے کہ حضور اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا کر گئے تھے۔ اور کفار یہی سمجھتے رہے کہ حضور خود بخواب ہیں تفسیر روح المعانی میں ہے کہ مکہ سے غارتور تک پہنچنے کے لئے ایک گھنٹہ کا راستہ ہے۔ یعنی تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے اور اسی تفسیر میں یہ بتی اور ابن عبد کرم سے نقل کیا ہے کہ اثناء راہ میں حضرت ابو بکر کسی دقت آگے چلتے تھے اور کسی دقت پیچھے۔ نیز کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں جانب۔ یہ دیکھ کر حضور نے وجہ دریافت کی۔ تو عرض کی کہ آپ کی حفاظت کے خیال سے ایسا کرتا ہوں تاکہ کسی جانب سے دشمن آپ پر اچانک حملہ نہ کر دے۔ حضور پاؤں کے کنارے پر چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان پر آبلے پڑ گئے۔ جب حضرت ابو بکر نے دیکھا تو حضور کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور تیز دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ در غار پہنچ کر آپ کو اتار دیا اور عرض کی حضور! آپ اس میں داخل نہ ہوں بلکہ پہلے میں اندر جاتا ہوں۔ مبادا کوئی موذی جانور موجود ہو۔ اور آپ کو گزند پہنچ جائے۔ چنانچہ وہ اندر داخل ہوئے اور پھر باہر نکلے۔ اور حضور کو اٹھا کر غار کے اندر داخل کیا۔ اندر پہنچ کر معلوم ہوا کہ غار میں چند ایسے شگات موجود ہیں جن میں چھوٹے بڑے سانپ رہتے ہیں تو اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان کو بند کیا۔ پھر بھی ایک سوراخ بچ گیا جس کو اپنی اڑی سے بند کیا۔ اور ایک روایت میں صرف ایک سوراخ مذکور ہے جس کو انہوں نے اپنے قدم سے بند کر دیا اور سانپ جب کاٹتے تھے تو درد سے آنسو جاری ہوتے تھے۔ لیکن قدم سوراخ سے نہ ہٹاتے تھے۔ تفسیر غارزین میں ہے کہ اپنی شلووار کو پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں کو بند کیا اور صرف دو سوراخ بچ گئے جن کو اپنے دونوں پاؤں سے بند کیا۔ پس جناب رسالت مآب اندر آکر اس کے زانو پر سر رکھ کے سو گئے۔ جب سانپ نے ڈسنا شروع کیا تو وہ پاؤں کو حرکت تک نہ دیتے تھے تاکہ حضور بیدار نہ ہو جائیں۔ پس رونا شروع کر دیا۔ جب رسالت مآب کے چہرہ پر آنسو ٹپکے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے بتایا کہ سانپ نے کاٹا ہے۔ پس آپ نے لعاب دہن ملا اور اس کا درد جاتا رہا پس خاموش ہو گئے۔ اس بیان کا تجزیہ صفحہ ۶۲ پر دیکھیں۔

۱۱) اِنْ لَا تَنْصُرُوْا - شرط ہے جس کا جواب محذوف ہے۔ یعنی نَسِيْنَصْرَةَ اللّٰهِ (ترجمہ) اگر تم ان کی مدد نہ کرو گے تو اللہ خود اس کی مدد کرے گا۔ کیونکہ وہ مختلف طرق و متفرق ذرائع سے مدد کر سکتا ہے۔ چنانچہ دیکھتے نہیں ہو کہ جب تمام دنیا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور کفار درپے قتل تھے تو خدا نے ہجرت کا حکم دے کر ان کی کیسے مدد کی؟ پس فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ - الایۃ کا جملہ خائفی نصرت کی ایک مثال کا ذکر ہے۔ لہذا اس کو جواب شرط نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ جواب شرط میں استقبال کا معنی چاہیے۔ اور یہ لفظاً و معنی ماضی ہے۔

۲۔ اِذْ كَلَمَ ظَرْفُ زَمَانٍ ہے اور اس کا حامل نصرت ہے اور اس کے بعد اِذْ هَمَّ اِنْفِی الْغَارِ میں اِذْ پہلے اِذْ سے بدل بعض ہے۔ اور اِذْ یَقُوْلُ دوسرا بدل بعض ہے۔ اور اِذْ کا یہ تکرار کلام مجید میں حسن و بلاغت کا آئینہ دار ہے نیز نصرت خداوندی اور تائید ایزدی کا ایسا اچھوتا اور پُر لطف انداز ہے جس کو عرف صحابہ ان ذوق ہی پاسکتے ہیں۔

۳۔ اِذَا اٰخِرَ جَهَدٍ - یعنی جب کہ کافروں نے ان کو وطن سے نکال دیا تھا مقصد یہ ہے کہ کفار نے حالات اس قسم کے پیدا کر دیے تھے۔ جن کی وجہ سے حضور کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ اور مومنین کو بھی ہجرت کرنا پڑی۔ گویا فعل کی نسبت سبب کی طرف دی گئی ہے۔

اس آیت مجیدہ سے لوگوں نے حضرت یار غار کے بت سے فضائل اخذ کئے ہیں

آیت غار سے فضائل کا استنباط (۱) پہلی فضیلت - آیت مجیدہ کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر جناب

رسالت مآب کے محبوب اور محرم راز تھے۔ اس لئے ان کو ساتھ لے گئے اور علی کو بستر پر سلا گئے۔ کیونکہ ان کے قتل سے اسلام کو کوئی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہ تھا۔ بخلاف اس کے اگر ابوبکر قتل ہو جاتے تو اسلام کے کمزور ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ پس یہ آنحضرت کی حفاظتی تدبیر تھی جس کے پیش نظر ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ (لوامع ۱)

علامہ سید علی حائری مرحوم نے تفسیر لوامع التنزیل میں اس کے چار جواب دئے ہیں۔

۱۔ حضرت رسالت مآب خود ان کو ساتھ نہ لے گئے تھے بلکہ یہ ان خود پیچھے سے ان کو جا ملے تھے اور راز فاش ہونے کے خطرے سے آپ نے اس کو واپس کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ چنانچہ تفسیر لوامع جلد ۱ صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶ تفسیر میں بروایت امام ابو نعیم۔

ابن مرویر اور سیوطی حضرت ابن عباس سے مروی ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

لَمَّا خَرَجَ النَّبِيُّ مِنَ اللَّيْلِ لِحَقِّ بَغَادِ ثَوْرٍ وَتَبِعَهُ ابُو بَكْرٍ فَلَمَّا سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ حَسْبَهُ خَلْفَهُ خَافَ اَنْ يَكُوْنَ الطَّلَبُ فَلَمَّا رَاَ اِيْذًا اَبُو بَكْرٍ تَنَحَّنِحَ فَلَمَّا سَمِعَ النَّبِيُّ عَرَفَهُ فَمَقَامَ لَهٗ حَتَّى تَبِعَهُ -

ترجمہ :- جب حضرت نبی علیہ السلام بوقت شب گھر سے غار ثور کی طرف متوجہ ہوئے تو ابوبکر پیچھے چل پڑا۔ جب حضور نے پیچھے سے پاؤں کی آہٹ سنی تو ڈر گئے کہ کہیں دشمن نہ ہو۔ پس ابوبکر اس بات کو سمجھ گیا تو اس نے کھانسنے شروع کیا۔ پس حضور اس کو پہچان گئے اور انتظار میں رک گئے۔ پس وہ حضور کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔

نیز تفسیر و منشور میں جنتہ بن مخص کی روایت کے الفاظ سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔

دوسرا جواب۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضورؐ بنفس نفیس اس کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے تو اس میں کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ سفر میں مومن و کافر اور نیک و بد بھی ایک دوسرے کے رفیق ہوا کرتے ہیں۔

تیسرا جواب۔ اگر وہ محرم راز نبوی ہوتے تو ان کو یقین ہونا چاہیے تھا کہ خدا اپنے رسول کا محافظ و ناصر ہے۔ لہذا ہر مقام پر جزع و فزع کا اظہار نہ ہوتا۔ اور لائحہ عمل سے خاموش کرانے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ اس کا جزع و فزع تو ظاہر کرتا ہے۔ کہ خدا و رسول کے وعدوں پر اس کو وثوق نہ تھا۔ پس فضیلت تو بجائے خود یہ چیز ان کے اصل ایمان کے منافی ہے۔

چوتھا جواب۔ اگر حضرت علیؑ بستر رسول پر نہ سوتے تو ہجرت کا سارا قصہ ختم ہو جاتا۔ کیونکہ کفار بستر رسول کو خالی دیکھتے تو فوراً تعاقب کرتے اور غارتگ پیچھے کا معاملہ سرے سے صاف ہو جاتا۔ امن و سکون کے متلاشی جان کے پیارے تو ہزاروں

مل سکتے ہیں لیکن ایسے مشکل وقت میں تن من دھن کی بازی لگانے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور یہ علیؑ کا کام تھا کہ نہایت اطمینان و سکون سے بستر رسول پر سو گئے۔ اور حضورؐ غار میں پہنچے تو در غار پر خدا نے اسی وقت خار میغلان کو پیدا کر دیا۔ اور ایک جھڑا کبوتر

کو حکم دیا کہ فرار و ہاں گھونسل بنا کر انڈے دے دیں۔ اور عنکبوت کو حکم ہوا کہ جالاتن دے۔ حضرت ابو بکرؓ خدا کی جانب سے ان حفاظتی تدابیر کو دیکھ رہے تھے۔ اور باوجود اس سب کچھ کے جزع و فزع سے باز نہ آنا صاف اس امر کی دلیل ہے کہ وہ یقین کامل

نہ رکھتے تھے۔ اگر ان کا قلب صاف ہوتا اور ایمان میں سچائی ہوتی تو ایسے علامت و قرائن بلکہ خوارق عادات امور کو دیکھ کر ان کے دل و دماغ میں ایک غمگینی و سرور کی لہر دوڑ جاتی اور دل باغ باغ ہو جاتا۔ بلکہ اس مقام پر کوئی اجنبی انسان بھی اگر حضورؐ کے ہمراہ ہوتا

تو ان چیزوں کو دیکھنے کے بعد وہ کامل الایمان بن جاتا۔ اور جزع و فزع سے دست بردار ہو کر شکرِ خداوندی میں رطب اللسان پڑتا اس کے برعکس بستر رسولؐ کے ارد گرد تنگی تلواریں لے کر کفار آوازے کس رہے ہیں۔ اور سونے والا نہایت سکون سے

محر استراحت ہے۔ اور تفسیر لوامع میں ابو حامد غزالی کی احیاء العلوم سے منقول ہے کہ جب حضرت علیؑ بستر رسول پر سو رہے تھے تو خدا نے جبریل و میکائیل کو وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ نیز ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ

مقرر کی ہے تو تم میں سے کون ہے۔ جو اپنے بھائی کو اپنی عمر کا کچھ حصہ دے دے۔ یہ سن کر دونوں فرشتے گھبرا گئے۔ پس خدا نے وحی کی کہ تم علیؑ جیسے کب ہو سکتے ہو۔ دیکھو میں نے علیؑ اور محمدؐ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ اور علیؑ بستر رسول پر سو کر

اپنی جان کی قربانی پیش کر رہا ہے۔ پس اب دونوں کافر لہجہ سے کہ زمین پر جا کر اس کی نگہبانی کرو۔ چنانچہ جبریل و میکائیل حضرت علیؑ کے سر ہانے بیٹھا۔ اور میکائیل پائنتی کی طرف بیٹھ گیا۔ اور جبریل نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا بخیر من مثلك یا بن

ابی طالب یا ہاھی اللہ تعالیٰ بک الملائکۃ۔ مبارک مبارک اے ابو طالب کے لہنت جگر آج تیری وجہ سے خدا فرشتوں پر

غزوہ و مہمات کر رہا ہے۔ پس یہ آیت مجیدہ اتری وہن الناس الخ۔ اور مروی ہے کہ خدا کا حکم یہی تھا کہ علیؑ کو بستر پر سلا کر ہجرت کریں۔ چنانچہ آپ نے اہل مکہ کی امانتیں علیؑ کے حوالہ کیں اور روانہ ہوئے۔ نیز مروی ہے کہ خاک ایک مٹھی میں اٹھائی اور

دائیں بائیں کفار کے سروں پر پھینکی۔ پس وہ آپ کو دیکھ نہ سکے اور آپ چلے گئے۔

اس کو پوری تفصیل کے بعد صاحبان عقل سلیم و ارباب فہم و دانش خود ہی فیصلہ کر لیں کہ:-

(۱) خدا کا وہ سمجھا جائے گا جس کو حضور ہمراہ لے گئے یا خدا کا وہ ہے جس کو اپنے بستر پر سلا گئے۔

(۲) یقین کامل وہ رکھتا تھا جو باوجود خدا و رسول کے وعدوں کے اور باوجود خارق عادت معجزات اور حفاظتی اقدامات

دیکھنے کے جزع و فزع سے باز نہ آیا۔ حتیٰ کہ خدا کو لا تحزن کے کلمہ سے روکنا پڑا۔ یا یقین کامل بلکہ حق یقین کی منزل پر وہ فائز

تھا جو رسول کے بستر پر اپنی جان سے لائق ہو کر اطمینان سے سو گیا اور اٹھا تو من یشرّی کے قرآنی قصائد اپنے حق میں سن کر

رضائے پروردگار کا مغز حاصل کر کے اٹھا۔ ۴

(۳) کیا رازداری کا وثوق اسی پر ہوا کرتا ہے جس کو انسان ایک لمحہ اپنی ذات سے الگ نہ ہونے دے۔ یا رازداری کا

وثوق اس پر ہوتا ہے جس کو ہزاروں جان لیوا دشمنوں میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنے مشن کی تبلیغ اور ادائیگی امانات کا ذمہ دار قرار دیا جائے

بہر کیف اصحاب فکر و ارباب ذوق کے لئے جو ہر اور کنکر یا سونا اور پتیل میں فرق کرنا بہت آسان ہے لیکن کوہ باطن سے انصاف

کی توقع رکھنا اندھے کے سامنے شیشہ رکھنے کے مترادف ہے۔

(۴) بچنگی اعتقاد تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کو بار بار حزن و ملال سے روکنا پڑا۔ کیونکہ آیت مجیدہ میں اذ قال

نہیں ہے۔ جس کا ترجمہ ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے ساتھی کو (لا تحزن) بلکہ اذ یقول فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ بار بار

اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے۔ جب ایک دفعہ اس میں اضطراب دیکھا تو فرمایا لا تحزن پھر تھوڑی دیر بعد جزع و فزع

دیکھی تو پھر فرمایا لا تحزن۔ چنانچہ ابن عبدہ اپنی تفسیر منار جلد ۱ ص ۴۹ پر لکھتے ہیں۔

ای اذ کان یقول لصاحبه الذی ہو ثانیہ وهو ابو بکر الصدیق حین رای منہ امامۃ

الحزن والجزع او کلما سمع منہ کلمۃ تدل علی الخوف والجزع (لا تحزن)

یعنی اپنے ساتھی حضرت ابوبکر سے جب بھی اس سے حزن و غم کی علامت دیکھتے یا جب بھی اس سے کوئی ایسی بات

سننے جو خوف و گھبراہٹ پر دلالت کرے تو فرماتے تھے (لا تحزن) غم نہ کھاؤ خدا ہمارا ساتھی ہے۔

آگے چل کر لکھتا ہے۔

وقد عبر عن الماضی بصیغۃ الاستقبال (یقول) للدلالة علی التکرار والمستفاد من

بعض الروایات۔

یعنی ماضی کہنے کی بجائے یعنی قال کی بجائے مطلب کو بقول سے ادا کیا جو مستقبل کے لئے ہے حالانکہ واقعہ زمان

ماضی میں تھا صرف معنی میں تکرار کو ظاہر کرنے کیلئے جیسا کہ بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

صاحب تفسیر نے اپنے مقام پر اس مطلب کو دبانے کی کوشش کی ہے کہ وہ بار بار جزع و فزع کرتے تھے اور

حضور کو بار بار روکنا پڑتا تھا۔ اسی بنا پر کہہ دیا کہ بعض روایات سے تکرار مستفاد ہوتا ہے۔ گویا اس معنی کے انکار کی جگہ ہموار کر لی۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہیں کہ قرآن مجید کے صریح خطاب میں اذ بقول کا لفظ قیامت تک کے لئے اس قسم کے اعذار بارودہ اور اوہام کا سدہ کے سبب باب کے لئے کافی ہے۔ روایات کہیں یا نہ کہیں خود قرآنی الفاظ کہتے ہیں کہ حضور اپنے ساتھی کو لا تحزن کہتے جا رہے تھے۔ اور یہ صبیغہ تکرار پر دلالت کرنے کے لئے خود کافی ہے۔ اب اگر ضعیف سے ضعیف روایت بھی اس مضمون کی مل جائے تو وہ اس مطلب کی تائید بن جائے گی۔ نیز حضرتؑ پر بروایت بخاری انس سے منقول ہے کہ مجھے حضرت ابو بکر نے خود بیان کیا کہ میں غار میں حضور کے ہمراہ تھا اور میں نے مشرکین کے نشان دیکھے تو عرض کی کہ اگر ان میں کوئی بھی قدم اٹھاتا تو میں نے آپ کو جھانکے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا یا ابا بکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثہما۔ یعنی اے ابو بکر ان دو آدمیوں کو تشویش کی کیا ضرورت ہے جب اللہ ان کا تیسرا ہو۔ اب ملاحظہ فرمائیے اس قدر تسلیوں اور وعدوں کے باوجود خوف و ہراس اور عزت و ملال میں کمی کا نہ ہونا کونسی پختگی اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس سے کونسی خوبی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ یہ واقعات تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا ساتھ جانا حضور کے لئے باعث آرزو کی خاطر بن چکا تھا۔ اب ذرا اس کے مقابلہ میں بستر رسولؐ پر سونے والے کا اطمینان دیکھئے جو ہر طرف سے دشمنان اسلام کی تنگی تلواروں کے سایہ میں بالکل بے خطر سو رہے تھے اور خدا کو یہ فعل اس قدر پسند آیا کہ آیت مرصنات بھیج دی۔ اب کیا موازنہ ہو اس شخص کا جس نے رسولؐ کی صحبت میں پوری رات جاگ کر اور رو کر گزار دی۔ اور آخر میں لا تحزن کا خطاب پایا۔ ایسے شخص کے ساتھ جس نے ساری رات بستر رسولؐ پر تنہا سو کر گزار دی۔ اور اپنے حق میں اپنے خالق سے منیشتری کا قصیدہ پڑھوا لیا۔

دوسری فضیلت۔ تفسیر منار ص ۱۵ میں آیت مجیدہ سے دوسری فضیلت کا استنباط اس طرح کیا گیا ہے کہ حضرت رسالت مآب نے یہ پسند فرمایا کہ واقعہ ہجرت جو اسلام میں بڑا اہم واقعہ ہے اس کے جملہ مصارف حضرت ابو بکر کے مال سے ہوں جنہوں نے اپنا تمام مال خدمت نبوی میں خرچ کر دیا تھا۔ اگرچہ حضور نے سواری قیمت سے لی تھی جس کا بعد میں ادا کرنا طے پایا۔ آئیے اذرا اس کا پس منظر بھی دیکھیں کہ یہ خرچ کس طرح ہوا۔ المجلد ۱۱ لکھنؤ مولانا سید محمد باقر مدظلہ مجلس ۳ میں مدارج النبوت سے منقول ہے کہ حضرت ابو بکر کے پاس دو اونٹ تھے جو انہوں نے باختلاف روایات چار سو یا آٹھ سو درہم پر خریدے تھے اور ان کو گھاس چارہ کھلا کر خوب موٹا کیا ہوا تھا۔ پس وہ دونوں ہنگام ہجرت آپ کی خدمت میں حاضر کئے کہ ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں قیمت سے لوں گا۔ چنانچہ ایک اونٹ حضور نے نو سو درہم پر خرید فرمایا اندازہ کیجئے کہ کس طرح ہجرت کے مصارف حضرت ابو بکر نے برداشت کئے کہ سواری کا اونٹ بھی حاضر کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ سات سو درہم یا کم از کم پانچ سو درہم بطور منافع کے وصول کر لئے۔ اور بقول صاحب تفسیر منار کے بعد میں لینے کئے اور اس کے برخلاف تفسیر روح المعانی پ ۱ کی تفسیر ص ۹ پر صاف طور پر مذکور ہے کہ سفر ہجرت کے لئے حضرت علیؑ نے تین اونٹ بخرین کے اونٹوں سے خرید کر خدمت نبوی میں حاضر کئے تھے۔ پس حضور بیع اپنے ساتھی اور ایک تیسرے واقف راہ

کے انہی پر سوار ہو کر مدینہ میں پہنچے۔ مدینہ میں آپ کے پہنچنے کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار ہے۔ جیسا کہ تفسیر جواہر طنطاوی ج ۵ ص ۱۱۰ پر مذکور ہے کہ آپ تاریخ مذکور کو بنی عمرو بن عوف کے ہاں پہنچے۔ اور آپ کا شایان شان استقبال کیا گیا۔ چند دن وہاں قیام بھی فرمایا۔ اور ایک مسجد تعمیر کی جس کو مسجد تقویٰ کہتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور پہلے پہل جہاں ان کی سواری تھی۔ اسی جگہ مسجد نبوی کی بنا رکھی گئی۔

تیسری فضیلت۔ چونکہ رسول کا فعل خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوا کرتا تو گویا حضرت ابوبکر کا انتخاب بحکم خدا تھا۔ اس کا مکمل جواب پہلی فضیلت کے ذیل میں مفصل گزر چکا ہے۔

چوتھی فضیلت۔ ایسے مقام پر جہاں خداوند کریم رسول کے تمام صحابیوں کو جنگ سے گریز کرنے اور ہانے تلاش کرنے پر تشبیہ و توہین فرما رہا ہے وہاں حضرت ابوبکر کو شاعر عظیم کے ساتھ یاد کرنا موصوف کی ایسی فضیلت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہو سکا۔ واقعی کسی کو بار بار ایک کام سے روکنا کہ ایسا مت کرو۔ مت کرو۔ مت کرو۔ ایک ایسی تعریف ہے کہ اس میں شاید اس کا کوئی شریک ہو گا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی مت ماری گئی جنہوں نے کسی کے حق میں کہے ہوئے فقرہ دمت کرو کو بھی اس کی وصف و ثنا سمجھا۔ اگر دامن عقل و انصاف سے وابستہ ہو کر طالب تحقیق غور و فکر کرے تو یہ آیت مجیدہ حضرت رسالت کی عظمت پر دال ہے۔ اور ان کی بہت و استقلال نیز اطمینان و استقامت کی مظہر ہے کہ عالم وحشت میں جب کہ ایک طرف کفار تعاقب میں تھے۔ اور پوری خاموشی اور سکون سے جان چھپانا اور بچانا مقصود تھا۔ اس وقت بھی ساتھی ان کو ایسا ملا جو پرسکون وقت گزارنے کی بہت ہی نہ دیتا تھا۔ خاموشی اختیار کرنے کی بجائے بار بار اس کو دہائی دینی پڑتی تھی کہ لا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا لیکن بایں ہر خدا نے حفاظتی تدبیریں ایسی اختیار فرمائیں کہ ایسے دل گداز اور ہوش ربا حال میں بھی دشمن اس کا بال بیکانہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص انصاف کی دوربین آنکھوں کے سامنے رکھ کر اور تعصب کی سٹی اتار کر حقیقت کا جائزہ لینے والا ہو تو وہ اس نظر نہ تک ضرور پہنچے گا کہ اس خطاب کو شاعر عظیم کہنے والے کو چلو بھربانی میں ڈوب کر مرجانا چاہیے۔

پانچویں فضیلت۔ جناب رسالت مآب نے حضرت علیؑ کو سورہ براۃ کی تبلیغ کا حکم دیا تھا اور آیت غار بھی اسی میں ہے۔ گویا حضرت علیؑ بنفہ نفس مکر میں حضرت ابوبکرؓ کی شاخانی کرتے رہے اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ رافضیوں کو اس سے مجال انکار نہیں ہے۔ ہاں بے شک حضرت علیؑ ہی سورہ برأت کے مبلغ تھے اور انہوں نے آیت غار بھی پڑھی ہوگی کہ خدا نے رسول کی اس وقت بھی نصرت کی جب کہ مکہ سے ہجرت کر کے غار ثور میں پہنچے تھے اور ایسے عالم وحشت میں جب کہ کوئی تسلی دینے والا نہ تھا بلکہ ایک ساتھی تھا تو وہ بھی ایسا کہ بجائے اس کے کہ وہ رسول کے لئے باعث تسکین و تسلی ہوتا۔ اللہ رسول کو اس کی دل جوئی کرنا پڑ گئی۔ اور رسول کو بار بار اسے چپ کرنا پڑا۔ ایسے حال میں بھی خدا نے رسول کی نصرت فرمائی۔ اس پر سیکینہ نازل کیا اور ملائکہ اس کی نائید کے لئے بھیجے۔ اگر یہ ان کی شان کا قصیدہ ہے تو حضرت علیؑ کی اتباع میں تمام رافضی یہ قصیدہ پڑھتے ہیں۔ اور قیامت تک پڑھتے رہیں گے۔ رشید حضرت ابوبکرؓ کی اس خصوصیت کا قطعاً انکار نہیں کرتے۔ لیکن علامہ طنطاوی جو اپنے دور

کے جامعہ مصر کے پرنسپل اور اہل سنت کے علماء میں سے بلند پایہ مصنف ہیں۔ اپنی تفسیر جو اب ج ۵ حصہ میں صاف لکھتے ہیں کہ سورہ توبہ کے چار حصے ہیں۔

پہلا حصہ کفار و مشرکین سے بیزاری کا اعلان اور ان کی تنبیہ و توبیخ اور یہ مَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ تک ہے۔

دوسرا حصہ۔ جہاد اور فی سبیل اللہ خرچ کا حکم۔ یہود و نصاریٰ کا تذکرہ اور اشرہ حرم کا بیان یہ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ تک ہے۔

تیسرا حصہ۔ منافقین کا ذکر جو اَنْ تَقَطَّحَ قُلُوْبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ تک ہے۔

چوتھا حصہ۔ مومنین کا ذکر اور یہ آخر سورہ تک ہے۔

اور حضرت علیؑ کو جس حصہ کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا وہ سورہ برآة پورا نہیں بلکہ صرف پہلا حصہ تھا جس کی آپ نے نہایت جرات سے تبلیغ فرمائی۔ لہذا مفتی محمد عبدہ کا یہ چیلنج بھی ختم ہو گیا کہ یار غار کے فضائل حضرت علیؑ نے مکہ والوں کو سنائے۔ بہتر تھا کہ اس سے پہلے تفسیر جو اب طنطاوی کا مطالعہ فرمائیے تو یہ پتہ چل جاتا کہ یار غار کا ذکر تو دوسرے حصہ میں ہے۔ اور حضرت علیؑ اس کی تبلیغ پر مامور ہی نہ تھے۔

چھٹی فضیلت :- خدانے اس کو ثانی انبیا فرمایا کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے۔

ساتویں فضیلت :- یہ دو ایسے تھے جن کا تیسرا خدا تھا۔

آٹھویں فضیلت :- رسول کا کہنا ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ باذن خداوندی تھا تو گویا خدانے ہی فرمایا۔ پس اس سے محبت خداوندی بالخصوص ثابت ہوئی۔

اقول :- کسی شے کی محبت انسان کو اندھا دہرا کر دیا کرتی ہے۔ حب الشی یعنی ویسٹ نیشنل مشہور ہے الغریق

یتشبہت بكل حشیش۔ یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا چونکہ کسی نہ کسی طرح فضائل کی ایک لمبی فہرست تیار کرنی ہے۔ لہذا گنواتے

چلے جا رہے ہیں تاکہ عوام کالانعام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا مقصد پورا ہو جائے ورنہ ہر صاحب فہم و ادراک سمجھتا ہے کہ کسی

کا کسی کے ساتھ ہونا نیز دوسرا یا تیسرا یا چوتھا ہونا خواہ گنتی کسی بڑے سے شروع ہو یا چھوٹے سے۔ یہ کوئی معیار فضیلت نہیں

اسی طرح یہ کہنا کہ یہ دو ایسے تھے کہ ان کا تیسرا خدا تھا تو دنیا میں کہاں کوئی ایسے دو ہو سکتے ہیں جہاں تیسرا خدا نہ ہو بلکہ ہر تنہا کے ساتھ

دوسرا خدا ہوتا ہے۔ اور ہر دو کے ہمراہ تیسرا خدا ہوا کرتا ہے۔ اور ہر تین کے ساتھ چوتھا خدا ہوتا ہے۔ خواہ مومن ہوں یا کافر بہر کیف

خدا سے تو کہنی وقت کوئی بھی دور نہیں۔ پس معیت خداوندی اس طرح ہر ایک کو حاصل ہے۔ لہذا ایسی باتوں کو فضائل کے شمار میں

لا ناصر اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لئے ہی ہے۔ اس کی مزید تفصیل اگلے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

نویں فضیلت :- فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ۔ کہتے ہیں کہ یہاں ضمیر غائب کا مرجح صاحب ہے۔ یعنی خدا

نے نبی کے ساتھی پر سکیئہ نازل فرمایا۔ اور ضمیر کا مرجع خود جناب رسالت مآب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ سکیئہ اور تسلی کی ضرورت تو اس کو ہے جو اضطراب و پریشانی میں مبتلا ہو۔ اور وہ حضرت ابو بکر تھے۔ لہذا سکیئہ ان کے لئے ہے۔ اور رسالت مآب تو مطمئن تھے۔ انہیں سکیئہ کی کیا ضرورت تھی۔ اپنی طبیعت کو خوش کرنے کے لئے خوب سوچا ہے۔ رسول کی تنقیص اور اسلوب قرآنی کی مخالفت کی قطعاً پرواہ نہیں۔ قرآن مجید میں ہر قسم کی تحریف برداشت کی جا رہی ہے۔ تفسیر بالاسی کو آنکھوں پر دکھا جا رہا ہے صرف اس لئے کہ برائے نام کوئی مفروضہ فضیلت نکل آئے اور ہمیں یہ ڈھنڈورا پیٹنے کا موقع ملے کہ دیکھو قرآن مجید میں فلاں بزرگوار کے اس قدر فضائل مذکور ہیں۔

اسلوب قرآنی کے مزاج شناس منصف طبع ارباب دانش ذرا غور فرمائیں کہ قرآن کیا کہنا چاہتا ہے۔ اور لوگ اس کو کہہ رہے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید اس آیت مجیدہ سے قبل لوگوں کو جنگ سے گریز کرنے اور نصرت رسول سے دست بردار ہونے پر توجیح فرما رہا ہے۔ چنانچہ اس آیت مجیدہ میں کھلے لفظوں اعلان فرمایا کہ اگر تم اس کی نصرت نہ کرو گے تو کوئی بڑی بات نہیں خدا خود ہی اس کی نصرت کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اس نے اس کی ایسے اڑے وقتوں میں نصرت کی جب کہ تم میں سے کوئی بھی اس کی نصرت کے لئے حاضر نہ تھا۔ کیا وہ وقت یاد نہیں جب کفار نے آپ کو وطن چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور آپ صرف دو میں دوسرے ہی تھے۔ یعنی قلت عدد کا یہ عالم تھا کہ آپ کے ہمراہ دوسرے صرف ایک ہی آدمی تھا اور بس۔ جب دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے۔ اور دشمن تعاقب کر کے غار کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ یہ ڈر تھا کہ کہیں دشمن دیکھ نہ لیں۔ اور آواز نہ سن لیں۔ خدا نے ان کی حفاظت کے پیش نظر فوراً غار کے دروازہ پر درخت خار مغیلاں پیدا کر دیا۔ بروایت تفسیر منہج ولوامع اور جنگی کمبوزوں کے ایک جوڑے کو حکم دیا کہ گھونسلا بنالیں۔ چنانچہ انہوں نے گھونسلا تیار کیا۔ اور انڈے بھی دسے دیے۔ اور عنکبوت نے حکم پروردگار جالاتن دیا۔ یہ ایسے امور و اسباب تھے کہ بزدل سے بزدل انسان بھی اگر ملاحظہ کرتا تو اس کا دل بڑھ جاتا۔ اور اسے تسلی ہو جاتی کہ اب دنیا والے میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نصرت خداوندی میرے ساتھ ہے۔ اور اگر کوئی کافر بھی آپ کے ساتھ ہوتا تو یہ معجزات دیکھ کر فوراً مسلمان ہو جاتا لیکن آپ کا ساتھی غار میں داخلے کے بعد غار کے ارد گرد و جب کفار کو دیکھا تو خدائی حفاظتی امور کو نظر انداز کر کے اس قدر گھبرا یا کہ بقول تفسیر مظہری ج چہارم ص ۱۲۱ رونے لگ گئے۔ اور بروایت بیہقی نقل کیا ہے۔ فاشفق ابو بکر و بکی و اقبل علیہ الهم والحزن والخوف۔ یعنی پس ابو بکر ڈر گئے۔ اور غم و اندوہ سے رونے لگ گئے۔ پس حضور نے تسلی دہی کہ گھبراؤ نہیں۔ غم نہ کرو۔ خدا کی نصرت و تائید ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن انہیں تسلی نہیں ہوتی تھی۔ پس حضور بار بار ان کو لاجتہاد کی تلقین فرماتے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ساتھی کا وجود انسان کے لئے سہارا بنے۔ لیکن خدا تعالیٰ اپنے حبیب کی تنہائی اس طرح بیان فرماتا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف ایک ساتھی تھا وہ بھی ایسا کہ وہ بجائے اس کے کہ موجب سکون ہوتا اسلوب سکون کا موجب بن گیا۔ اور خطرے کے مقام پر بار بار چپ کرنا پڑا پس ایسے روح فرسا بلکہ جان لیوا حالات میں خدا نے اپنے رسول پر سکیئہ نازل فرمایا اور ملائکہ کے ذریعے اس کی تائید فرمائی۔ اور قرآنی اسلوب و نظم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ضمیر کا

مرجع حضور کو قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس سے قبل کی ضمیریں سب آپ کی طرف راجع ہیں۔ پس اس بیان سے چھٹی۔ ساتویں اور آٹھویں فضیلت کی تعلق بھی کھل گئی۔

دسویں فضیلت۔ ایدہ کی ضمیر کا مرجع بھی وہی ہے کہ خدا نے ملائکہ سے اس کی تائید فرمائی۔ دیکھیے محبت کی رد میں بہ جانا اور تعصب کی سیل میں کو دپڑنا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ حالانکہ اکثر اہل سنت کے مفسرین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ تائید ملائکہ حضرت رسالت مآب کے لئے ہے۔ بلکہ منصف مزاج مفسرین سب اس کے قائل ہیں کہ تمام ضمیریں غائب کی حضرت رسالت مآب کی طرف راجع ہیں جس طرح کہ اسلوب کا تقاضا ہے۔

گیارہویں فضیلت۔ خدا نے حضرت ابوبکر کے صحابی ہونے کا اعلان فرمایا۔ اندازہ کیجئے کس قدر افراط فی الحب ہے کہ ہر بات کو فضیلت کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ بھلا کسی کا ساتھی یا صحابی ہونا بھی کوئی فضیلت ہے۔ نبی کے ساتھ ہونا اور اس کا صحابی ہونا اس وقت فائدہ مند ہے۔ جب نبی پر ایمان رکھتا ہو۔ اور زندگی بھر نبی کا وفادار رہے۔ وہ کون شیعہ ہے جو ایسے صحابیوں کو نہیں مانتا بلکہ شیعہ فرقہ وادار صحابہ رسول کو سردار سمجھتا ہے۔ اور ان کی غلامی کو فخر خیال کرتا ہے۔ دیکھیے یہاں صرف صاحب کا لفظ وارد ہے۔ اور اس کو فضیلت پر محمول کیا جا رہا ہے لیکن انما ولیکھ اللہ ملا۔ میں باتفاق مفسرین علی کو ولی کہا گیا ہے لیکن اس کی تائیدیں کی جاتی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بیسیوں اس قسم کی آیات ہیں۔ جن میں اہل بیت عصمت کا تذکرہ آتا ہے۔ تو ان کو قابل اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ ویسے اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو خود ساتھی ہونا اپنے مقام پر معیار فضیلت نہیں ہے۔ بیسیوں کے ساتھ کفار و منافقین بھی رہتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف کے قید کے دو ساتھیوں کو قرآن میں ان کا صاحب کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ عربی زبان میں جانور ساتھی پر بھی صاحب کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہاں اگر معیار فضیلت ہے تو وہ ہے ایمان اور عمل۔ اور یہ چیز بلندی کا وہ زینہ ہے۔ جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

بارہویں فضیلت۔ خدا نے فرمایا لا تخزن یعنی جس کو اللہ تسلی دے۔ اس کا کون مقابلہ کر سکتا ہے (بریں عقل و دانش باید گریست۔ اصل بات یہ ہے کہ جو بھائے اس کی ہر بات بھائے۔ اور جو نہ بھائے اس کی کوئی بات بھی نہ بھائے والا معاملہ ہے۔

تیرہویں فضیلت۔ خداوند کریم نے مخصوص کر کے قرآن مجید میں سوائے ابوبکر کے کسی کی تعریف نہیں کی۔ لہذا وہ اس فضیلت میں یکتا ہے۔

جواب۔ اگر آیت مجیدہ میں ان کی تعریف و فضیلت ہے تو یہ ان کو نصیب رہے۔ ہاں باقی کسی کی فضیلت قرآن میں عقل کے اندھوں کو کب نظر آسکتی ہے جو چشم بصیرت رکھتے ہیں۔ وہ آیت ولایت آیت شہادت آیت مرضات آیت تبلیغ آیت اکمال دین۔ آیت تطہیر اور آیت مبادلہ اور اس کی بیسیوں آیتیں قرآن میں پاتے ہیں جو بالخصوص حضرت علی کی فضیلت میں نص ہیں جن کو متعصب ترین لوگ بھی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکے۔

نتیجہ۔ یہ تیرہ فضیلتیں ہیں جو اپنے عہد کے مہر کے مفتی اعظم محمد بن عبدہ نے اپنی تفسیر سنار میں آیت غار سے استنباط کی ہیں۔ انہوں نے صاحب غار کے فضائل تلاش کرنے میں بہت بڑی محنت و کاوش سے کام لیا۔ اور بہت تک و دو کی لیکن سب کی سب سی لاصاصل کے سوا اور کچھ نہیں جس طرح کو واضح کیا جا چکا ہے۔

بہر کیف انہوں نے جہاں غار کی حقیقت بیان کی اور غار کی طرف پہنچنے کا راستہ کسی کی زبانی نقل کیا تو اس فضیلت کو ذکر کرنے کی جرأت تک نہ رہی کہ حضرت ابو بکر حضرت رسالت مآبؐ کو غارت تک کنہوں پر اٹھا کر لے گئے تھے۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اس امر کو بھانپ گئے کہ غارت تک پہنچنے میں اس قدر صعوبت کے باوجود کسی دوسرے کو کندھے پر اٹھا کر لے جانا ایک فرضی افسانہ ہی بن کر رہ جائے گا۔ جو باقی مفروضہ فضیلتوں کی ناؤ کو بھی ڈبو کر رہے گا۔ لطف یہ ہے کہ صاحب روح المعانی نے بعد کی گرفت سے بالکل بے نیاز ہو کر بڑے طمطراق سے لکھ دیا کہ حضرت ابو بکر نے حضرت رسالت مآبؐ کو غار کے باہر اتارا اور عرض کی کہ پہلے میں اندر جا کر غار کو صاف کرتا ہوں تاکہ کوئی موزی جانور آپ کو گزند نہ پہنچائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا پھر غار کے باہر آ کر حضورؐ کو اٹھا کر غار کے اندر لے گئے جس طرح کہ کوئی بڑا آدمی کسی بچے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے اٹھا کر سلا دیا کرتا ہے۔ یا جس طرح کوئی تندرست کسی مریض کو یا طاقتور جوان کسی بڑے بوڑھے ناتواں ضعیف کی خدمت کیا کرتا ہے۔ گویا صاحب کتاب نے رسول کو گوشت کا ایک ٹوٹھرا بنا دیا کہ حضرت ابو بکر کے رحم و کرم پر ہی ان کا انحصار تھا۔ اب بھلا ایسی بے تکلی بات کو مفتی مہر کیسے اپنی تفسیر میں درج کر سکتا تھا جب کہ وہ غار کی تحقیق میں یہ بھی لکھ چکا تھا کہ داخلے کے لئے عربی راستہ تھا جو ۲۰۳ بالشت کے اندازہ سے تھا کہ داخل ہونے والا پیٹ کے بھر لیٹ کر شکل سے اندر جا سکتا تھا۔ اب یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک پورا آدمی اپنے ہم عمر کو اٹھا کر بغیر کسی کلفت کے اندر لے گیا۔ ہاں یہ باتیں صرف وہی لکھ سکتا ہے جو اس کی پردہ نہ کرے کہ کیا لکھا ہے۔ اور جو لکھا ہے اس کو عقل و فکر تسلیم بھی کرتا ہے یا نہیں ہالبتہ وہ عوام جو ایسے نایاب فضائل کے لئے ترستے ہیں ان کے کانوں کی لذت کا سامان خوب ہسیا ہو گیا۔ وہ بے شک اندھا دھند واواہ بھی کریں گے اور خوشی سے سر بھی ماریں گے۔ اور ساتھ یہ بھی تحریر ہے کہ غار کے اندر پہنچ کر حضرت ابو بکر کے زانو پر سر رکھ کر رسول پاکؐ سو گئے تھے۔ اور جن سوراخوں میں حضرت ابو بکر نے اپنے پاؤں رکھ لئے تھے ان سے سانپوں نے ڈنسا شروع کر دیا تھا تو پاؤں کو حرکت تک نہ دیتے تھے کہ مبادا رسول کی نیند خراب ہو۔ حالانکہ رسول کی شان یہ ہے کہ وہ جاری طرح بے ہوش ہو کر نہ سوتے تھے۔ اور نہ غافل ہوتے تھے۔ اور آرام کے وقت بھی غافل نہ سونے والا نبی بھلا ایسے پرخطر ماحول میں کیوں کر اتنا غافل سیریا کہ ساتھی کی تکلیف کا احساس جاتا رہا۔ اور پھر ساتھی کے زانو پر سر رکھ کر سونا اور مضحکہ خیز ہے۔ گویا رسول پاکؐ کو اپنی ٹھکانہ کا احساس تھا۔ اور ساتھی کی تھکانے کا قطعاً خیال بھی نہ فرمایا۔ غالباً انہی چیزوں کو ملحوظ رکھ کر ابن عبدہ مفتی مہر کو ان فضائل کے شمار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

نیز بوقت روانگی جب زادراہ حضورؐ کو دیا جانے لگا تو اکثر مضمرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر کی صاحبزادی اسماء نے اپنے نطق یعنی کمر بند کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے کے ساتھ زادراہ کو بانہ معاجن کی وجہ سے اس کا لقب ذات النطاقین پڑ

گیا۔ یہ بات بھی فضیلت کی تھی۔ بہر کیف اس قسم کی کئی فضیلتیں تلاش کر کے اگر ذکر کرتے جاتے تو فضائل کی ایک طولانی فہرست بن جاتی۔ لیکن انہوں نے صرف انہی مذکورہ فضیلتوں پر اکتفا کیا۔ اور آگے قدم نہ بڑھایا۔

کاش: اہل بیت عصمت سے مسلمانوں کو معفت کا عنوان نہ ہوتا۔ اور وہ چشم بصیرت سے حقائق کا جائزہ لیتے تو یقیناً اس نظریہ پر پہنچتے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام بہر خطرہ کے مقام پر حضرت رسالت مآب کے سینہ سپر رہے اور حضرت علیؑ کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کا بھی اگر تمام دنیا سے مقابلہ کیا جائے تو وزنی ثابت ہوگی۔ اسی شب ہجرت کو لے لیجئے۔ (۱) تفسیر مظہری صفحہ ۲ پر ہے۔ رسول پاک خود حضرت علیؑ کو امانتیں ادا کرنے کے لئے مدینہ میں ٹھہرا گئے تھے۔ اب اگر حضورؐ کی منزل میں علیؑ سے بڑھ کر کوئی دوسرا صحابی ہوتا تو کیوں نہ اس کو مقرر فرماتے (۲) حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر جانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پوری امت میں سے حضرت علیؑ ہی اس لائق تھے کہ وہ بستر رسول پر سوئیں۔ گویا رسول نے اہل مکہ کی آنکھیں کھول دیں کہ میرے بعد اگر کوئی شخص میرے فرائض ادا کر سکتا ہے۔ یا میری جگہ لے سکتا ہے تو وہ میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے میری سند کا وارث بھی یہی ہے۔ اور میری امانتوں کی ادائیگی کا ذمہ دار بھی یہی ہے۔ کافروں کی امانت سے مومن کی بلکہ خدا کی امانت زیادہ ہمت رکھتی ہے۔ تو جن کو کفار کی امانت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دینا گوارا نہیں کیا جاتا اس کو خدائی امانت یعنی عہدہ حفاظت اسلام کیسے سپرد کیا جاسکتا ہے۔ پس رسول عملاً اعلان کر گئے کہ صرف علیؑ ہی میری جگہ کو پر کر سکتا ہے۔ اور یہی میرا حقیقی جانشین ہے۔ (۳) حضرت علیؑ بستر رسول پر اس طرح معلوم ہوتے تھے کہ خود بنفس نفیس رسول پاک استراحت فرما رہے۔ اور مشرکین مکہ کو بھی ساری رات یہی گمان رہا کہ حضور آرام فرما رہے۔ اور خدا کو حضرت علیؑ کی فداکاری اور وفاداری ایسی پسند آئی کہ آیت من لشری اتاردی۔ اندازہ کیجئے۔ کہاں وہ انشاء راز کہ بار بار خاموشی کی تلقین کرنے کی ضرورت ہو۔ اور کہاں یہ رازداری کہ صبح تک مشرکین رسولؐ علیؑ میں فرق ہی نہ کر سکے۔ کہاں کسی کو ایک فعل سے روکنا اور کہاں مدح و ستائش میں لب کشا ہونا۔ بہر کیف انصاف و تدبیر کے ساتھ ذوق سلیم کے لئے راستہ صاف ہے۔ حق اور باطل کے درمیان اور تصنع و حقیقت کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے ڈرس اور حقیقت جو بصیرت کی ضرورت ہے۔

تائبید ملائکہ۔ وَاَيَّدُا بِمَجْنُوْدِ۔ الخ۔ تفسیر منہج میں ہے کہ دروازہ غار پر بھی خداوند کریم کی جانب سے ملائکہ مقرر ہیں کا پیرہ تھا۔ جن کو لوگوں کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ خداوند کریم کے پاس ملائکہ کی فوج اس قدر ہے کہ انسان اس کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تفسیر لوامع التنزیل میں کتاب جواہر القرآن سے منقول ہے کہ آدمی جنوں کا دسواں حصہ ہیں۔ اور یہ سب مل کر بحری مخلوق کا دسواں حصہ ہیں۔ اور ان سب سے صرف زمین کے ملائکہ دس گنا ہیں۔ اور ان سب کو ملایا جائے تو پہلے آسمان کے فرشتے ان سے دس گنا ہیں۔ ان سب سے دوسرے آسمان کے فرشتے دس گنا۔ وعلیٰ ہذا القیاس ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے فرشتوں سے کرسی کے فرشتے دس گنا زیادہ ہیں۔ اور ان سب سے عرش کے ایک سراوق کے فرشتے دس گنا ہیں۔ حالانکہ سراوقات کی تعداد چھ لاکھ ہے۔ اور یہ سب مل کر عرش کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں۔ آسمانوں میں کوئی قدم رکھنے کی

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

چلو بخوشی یا غیر خوشی اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں یہ بہتری ہے تمہاری

جگہ ایسی نہیں جہاں رکوع - سجود یا قیام میں کوئی ملک موجود نہ ہو وہ سب کے سب تسبیح و تقدیس پروردگار میں مشغول ہیں۔ اور یہ سب مل کر عرش کے طوائف کرنے والوں کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں۔ اور پھر لوح کے فرشتے جن کا سردار اسرائیل ہے، اور پھر جبریل کے ماتحت کام کرنے والے۔ پس اللہ کے لشکروں کو سوائے اس کی ذات کے اور کوئی نہیں جان سکتا وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔

آیت مجیدہ میں بطور نتیجہ کے اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ نے کفار کے کلمہ کو سزنگوں کیا۔ اور کلمہ توحید ہی سر بلند کلمہ اللہ کی بلندی رہا۔ اس مقام پر کلمہ کا معنی دو طرح سے کیا جاسکتا ہے۔

(۱) کلمہ اللہ سے مراد دین اسلام ہو۔ اور کلمہ کافرین سے مراد شرک و کفر و جہالت ہو یعنی خدا نے کفر و شرک کو زیر کیا۔ اور اسلام کو حضور کی ہر جگہ امداد نصرت فرما کر سر بلند فرمایا۔ گویا یہ اعلان بطور پیشین گوئی کے ہے جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔
(۲) کلمہ کافرین سے مراد ان کا وہ مشورہ و منصوبہ ہے جو حضور کے قتل کے متعلق تیار کیا گیا تھا کہ رات کو شب خون مار کر حضور کو اپنے بستر پر قتل کر دیا جائے۔ اور ہر قبیلہ کے ایک آدمی کو شریک کیا جائے تاکہ بنو ہاشم کے لئے قصاص لینا مشکل ہو جائے۔ اور ناچار وہ خون بہا پر رضامند ہوں۔ پس خدا نے حضور کو بذریعہ وحی خبر دے دی۔ اور آپ نے ہجرت کر کے کفار کے سارے منصوبے کو ناکام ثابت کر دیا۔ پس آیت کا معنی یہ ہو گا کہ کافروں کا منصوبہ فیل ہوا۔ اور اللہ کا منصوبہ کامیاب ہوا یعنی رسول پاک بچ گئے اور تبلیغ اسلامی میں کفار کوئی رخنہ نہ ڈال سکے۔
خِفَافًا وَثِقَالًا۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔

- ۱- جوان اور بوڑھے - ۲- بخوشی و ناخوشی - ۳- بے کار و مشغول - ۴- غنی و فقیر - ۵- تنگ دست و مالدار -
- ۶- تنہا و عیال دار - ۷- سوار و پیادے - ۸- کاریگر و بے ہنر - ۹- تندرست و مریض - ۱۰- بے ہتھیار و ہتھیار
- ۱۱- کمزور و طاقتور۔

لہذا اگر معنی عام لیا جائے جو ان تمام کو شامل ہو تو خوب ہے۔

جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ۔ مال و نفس سے جہاد کے وجوب کا حکم ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ دنیا میں اپنے طور پر کوئی انسان باوقار و پرسکون زندگی گزارنے کا اہل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ جہاد کا اپنے آپ کو عادی نہ بنائے۔ سست اور کاہل انسان صرف اپنی ذات اور قبیلہ کے لئے نہیں بلکہ وہ انسانیت کے لئے بھی بدفنا داغ ہوتے ہیں۔ ان کا وجود صحیفۃ انسانیت پر ناقابل برداشت داغ ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اجتماعی طور پر کئی قوم من حیث القوم باوقار اس وقت تک زندہ رہ سکتی ہے جب تک مشغول جہاد ہو۔ اور اپنے زقیاتی منصوبوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آگے بڑھتی چلی جائے۔ ورنہ جہاں بھی اس

کے قدم رک جائیں گے اور اس کی دفاعی کمزوری رونما ہوگی۔ وہاں دوسری دنیا کی ہوشیار قومیں اُسے اپنے مقام سے دھکیل دیں گی اور خود اس کی جگہ سنبھال لیں گی۔ - وعلیٰ ہذا القیاس۔

دورانِ جنگ میں پاکستان

ہمارے وطن عزیز پاکستان کا یہ دور نہایت پر آشوب تھا جب کہ بھارت نے اس ملک کے غیرتور جوانوں کو لاکھ لاکھ اور پوری قوم دفاع ملک کی خاطر جانی و مالی ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار کر لی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک و قوم کے دفاع کی خاطر جو انبساط و سرور اس دور میں دیکھنے میں آیا تھا وہ اس سے قبل مفقود تھا لوگوں کی چہل پہل بتلاتی تھی کہ ہماری قوم ایک زندہ قوم ہے۔ اور باہر حلقوں کا کہنا ہے کہ اکثر دنیا کے ممالک آج تک یہ نہیں باور کر سکے تھے کہ پاکستان بھی کوئی دنیا میں الگ اور خود مختار آزاد ملک ہے۔ حتیٰ کہ انگلستان کے عوام بھی اب تک پاکستان کو بھارت کا ایک صوبہ سمجھے ہوئے تھے۔ لیکن چھ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء تک کی سترہ یوم کی تاریخی جنگ اور افواج پاکستان کا انتہائی بے جگر ہی سے بھارتی ٹینکوں کے بھرپور حملے کو روکنا اور اُسے پس پا کر نائزیتہ مجاہدین کا ٹینکوں اور توپوں کے منہ میں کود کر ان کو تہس و نہس و زیر و زبر کرتے ہوئے جان پر کھیل جانا ایسا اہم کردار تھا جو سب سے دنیا تک یادگار رہے گا اور تاریخ پاکستان میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا پس جہاں اٹھارہ سال متواتر پاکستان کے سفارت خانے شب و روز کی محنت و کاوش اور کروڑوں روپے کے صرف کے باوجود صرف پاکستان کا مستقل وجود اقوام عالم سے تسلیم کرانے میں قاصر رہے تھے۔ وہاں پاک بھارت کی سترہ دن کی تاریخی جنگ میں مجاہدین پاکستان کا بے پناہ عزم و شعور جذبہ فرض شناسی اور جرات و ایثار اور باوجود انتہائی قلت و بے مائیگی کے طاقتور سرمایہ دار اپنے سے پانچ گنا دشمن کا منہ توڑ دینا بلکہ ان کے گرو غرور کو توڑ دینا اس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوا کہ اب اقوام دنیا کو صرف پاکستان کا استقلال ہی نہیں تسلیم کرنا پڑا بلکہ انہیں ماننا پڑا ہے کہ پاکستانی قوم دنیا کی زندہ قوموں میں سے ہے۔ پس جو کام اٹھارہ برسوں میں سفارت خانے نہ کر سکے تھے وہ سترہ دنوں میں باحسن و جہد پائیہ تکمیل کو پہنچا۔

نیز اس لڑائی نے قوم کی خفہ صلاحیتوں کو جگایا بلکہ پوری قوم کی کایا پلٹ گئی۔ بڑوں کو جذبہ شجاعت ملا۔ حال دار میں جذبہ سخاوت پیدا ہوا۔ عوام میں جوش ایثار رونما ہوا۔ مختلف جماعتوں میں جذبہ اتحاد و اتفاق کارفرما ہوا۔ جوانوں میں فرض شناسی کا احساس آگیا۔ فوجیوں میں شوق شہادت پیدا ہوا۔ بچوں میں ذہنی انقلاب نے تربیت کی جگہ پائی۔ بوڑھوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اہل قلم میں تحریری سلجھاؤ نے ترقی کی۔ مقررین و خطباء و واعظین کے بیانات سے جذبہ سب الوطنی کا پرچار شروع ہوا۔ حکام و رعایا نے کسی حد تک اپنے اپنے رویوں میں اعتدال پسندی کی طرف رخ کیا۔ ہر کیف اس سترہ دن کی مختصر لڑائی نے قوم کے دلوں میں ایسے اُن مٹے نقوش چھوڑے جو صدیوں تک محو نہ ہو سکیں گے۔ اور ایسے موثر درس دیے جو کتابوں سے صدیوں تک حاصل نہ ہو سکے۔ اور یہ اس سترہ روزہ جنگ کی اعجاز نمائی تھی کہ شہری عورتوں میں فیشن پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان یکبارگی رک گیا تھا۔ اور اس کی جگہ اسلامی انذار کی طرف توجہ ہونے لگی تھی۔ آوارہ چہل پہل اور خوش گپیوں کی بجائے امور خانہ داری کا احساس دلوں میں کارفرما ہو گیا۔

غرضیکہ مغربیت کے جے ہوئے قدم ایک دم اکٹھے گئے۔ اور جھوٹا اسلام یاد آیا۔ لیکن جو نہی جنگ بندی کا اعلان ہوا تو رفتہ رفتہ قدم پیچھے کو سرکنے لگ گئے۔ اور اعلان تاشقند کے بعد تو نہ صرف جنگ سے قبل کی یاد تازہ ہوئی بلکہ لادینیت کا سیلاب پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک صورت میں ظاہر ہوا۔

آئیے اس جنگ سے قبل سوا و اعظم کے نزدیک علی کا نام لینا اور اس کی شجاعت کا منبروں پر بیان کرنا بارِ خاطر تھا۔ اور واقعات کربلا کا بیان کہنا بدعات میں سے سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وقت آنے پر وہ سب یکسر منسوخ ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اخبارات میں علیؑ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ فوجیوں میں یا علی یا علی کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ریڈیائی گانوں کی جگہ قومی ترانوں نے لے لی۔ جن میں علیؑ کا درد اکثر ہونے لگا۔ اور شعرا نے اپنے کلام منظوم کو شجاعت حیدری کے بیان پر وقف کر دیا۔ جہاں شجاعت کا جوش دلانیکی ضرورت ہوئی تو کھلیا علی علی کرور اور آگے بڑھو۔ اور جہاں مرنے والوں کے وارثوں کو صبر کی تلقین کی گئی تو واقعات کربلا کو دہرا دیا گیا۔ اب دغظین و ذاکرین نیز علماء و مجتہدین جو کام صدیوں نہ انجام دے سکے تھے وہ جوش جنگ اور شوق جہاد نے سترہ دنوں میں انجام دے دیا۔ اب تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ کہے علی علی کہنا گناہ ہے۔ فوجیوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ جب نام علی منہ سے نکل جاتا ہے۔ گرتا ہوا انسان بھی سنبھل جاتا ہے۔ اور مدت سے ایک شعر پڑھا سنا لکھا جاتا تھا کہ اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں۔ اک ضربِ یدِ اہلی اک سجدہ شعیری۔ اس سترہ روزہ جنگ نے اہل پاکستان پر روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ ایسے اڑے وقتوں میں شجاعت کے لئے علی کے کارنامے اور صبر آزمائیاں حالات میں حینی مصائب کے سوا مسلمان کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ پس علی و حسینؑ کی اطاعت ہی حقیقی اسلام ہے اور بس۔

عواہی تاثرات۔ اس مقام پر مناسبت کے لحاظ سے روز نامہ نوائے وقت ۶ اکتوبر ۱۹۵۷ء کے تیسرے صفحے کے کالم ۶ سے ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے۔ جنگ کے سترہ دنوں میں بڑے انقلاب آئے ہیں۔ انقلاباتِ زمانہ میں سے ایک انقلاب یہ بھی ہے کہ جو ادیب، شاعر اور دانشور "بسم اللہ" پڑھتے ہوئے شرماتے تھے۔ اب اعلانیہ کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ وہ ایسے مشرف باسلام ہوئے ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی ترقی پسندوں کی نسل ہے جو اسلامی شعرا کو رجعت پسندی کی نشانیاں قرار دیا کرتی تھی اب وہ اس طرح علیؑ کے نعرے لگا رہے ہیں کہ اس طرح کبھی کسی صنم نے بھی سہری سہری نہیں پکارا ہو گا۔

نیز اسی اخبار کے ۱۸ نومبر ۱۹۵۷ء کے تیسرے صفحے پر جنگ کے عنوان سے جو مضمون درج ہے اس میں یہ فقرات مذکور ہیں۔

سنتِ الہیہ یہ ہے کہ کبھی کبھی اس کا فضل و کرم، قہر و غضب کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کو مصائب و مشکلات میں مبتلا کر کے ان کی سر بلندی و سرفرازی کا سامان پیدا کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کا قہر و غضب، لطف و کرم کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ کہ انسان کو رزق کی فراوانی اور مال کی فراوانی دے کر عیش و عشرت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ مقصد زندگی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اب کے اس کا فضل و کرم بندوں کے عیارانہ حملہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ مسلم خوابیدہ توپوں کی گھن گرج سے بیدار ہوا۔ اس کے منتشر عناصر سبلی کی سرعت اور مقناطیس کی کشش کی طرح آنا نانا ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ ان کی باہمی عداوتیں،

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَسَفَرًا قاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ

اگر تم جانو اور اگر ہوتا نفع فوری اور سفر آسان تو اتباع کرتے

وَلٰكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشَّقَّةُ وَسَيَّحِلُّوْنَ بِاللّٰهِ لَوْ اسْتَطَعْنَا خَرْجَنَا مَعَكُمْ

لیکن لبا سوجھا ان کو فاصلہ اور ابھی اللہ کی تمہیں کھا میں گے کہ اگر ہماری طاقت ہوتی تو تمہارے ساتھ چلتے

يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَنْتَ

وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اللہ کی عفو میں رہو انہیں کیوں اذن دیدیا

رقابتیں، کدورتیں اور رنجشیں سب کافر ہو گئیں۔ اختلافات مرٹ گئے۔ دشمن۔ دوست اور مخالف موافق بن کر ایک ہی صف میں دشمن کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، چوربازاری اور فتنہ و فحور کے دروازے یکایک اور خود بخود بند ہو گئے۔ ڈاکوؤں، لیٹروں، راہزنوں، قاتلوں اور چوروں نے جرائم سے ہاتھ روک لئے جو دین سے بیزارتھے وہ دیندار بن گئے۔ جو شراب کے رسیا تھے وہ غازی بن گئے۔ جو اسلام کا نام آتے ہی بغلیں بھانکنے لگتے یا اس کا مضحکہ اڑانے لگتے تھے۔ وہ اب اسلام کے گیت گانے لگے۔ جو ترقی پسند تھے رجعت پسند بن گئے۔ اور لینین لینن کی بجائے علی علی کرنے لگے۔ ریڈیو پاکستان جو قوم کو راگ و رنگ، رقص و سرود کی تعلیم و تربیت دینے۔ عرباں اور فحش فلمی گیت سنانے کے لئے وقف تھا مومن بن گیا۔

عَرَضًا قَرِيْبًا۔ یعنی وہ جو انسان کو پیش آئے (منفعت میں سے) اور قریب ہو۔ یعنی ایسی منفعت جو بلا تکلیف حاصل ہو۔ قاصِدًا۔ یہ نام اور لابن کی طرح ہے یعنی حصر تک کا معنی صبا تیرا لابن کا معنی صبا لبس ہے۔ اسی طرح قاصد کا معنی صاحب قصد ہے۔ یعنی جس کا قصد کرنا آسان ہو۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ مادہ پرست ہیں۔ ان کو مذہب کی حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ پس اگر ان کو مادی فائدہ ہوتا۔ اور بغیر تکلیف کے مال و دولت کے حصول کا لالچ ہوتا تو بلا تردد آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن یہاں تو وہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ سفر لبا بھی ہے۔ اور باعث تکلیف بھی۔ اور علاوہ ازیں موت بھی سامنے ہے۔ اسی لئے قسم قسم کے بہانے تراش کر معذرت پیش کرتے ہیں۔

وَسَيَّحِلُّوْنَ۔ یعنی جب آپ جنگ سے واپس آئیں گے تو یہ لوگ اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے اور خیر خواہی کو جتانے کی خاطر ہمیں کھا کھا کر اپنی معذرت کا اظہار کریں گے۔ حالانکہ وہ بالکل غلط بیانی ہوگی۔ جس کا ایمان و صداقت سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

رَكُوْعًا ۱۳۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ۔ بعض لوگوں نے جیلہ سازی اور چاپلوسی کر کے آپ سے گھر بیٹھ رہنے کی اجازت حاصل کر لی تھی تو خداوند کریم تنبیہ فرما رہا ہے۔ اس طرح کہ سرزنش سے قبل عفو کا اظہار فرمایا۔ یعنی آپ کا ان کو اجازت دینا۔ اور ان کی معذرت کو قبول کرنا اگرچہ قابل مواخذہ نہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں آپ مختار کل ہیں۔ لیکن آئندہ ایسے بہانے کرنے والوں

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِينَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَازِنُكَ

یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائیں وہ جو سچ کہتے ہیں اور جان لو جھوٹوں کو نہیں پرچھتے آپ سے وہ

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ بِاللَّهِ

لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت پر یہ کہ آیا جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں سے اور اللہ

عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۴۴﴾ إِنَّمَا يَسْتَازِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

جانتا ہے تقویٰ کرنے والوں کو پس پرچھتے وہی ہیں جو نہیں ایمان رکھتے اللہ اور قیامت پر اور

وَأَزَابَتْ قُلُوبَهُمْ فَمَنْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا رَدُّوا ﴿۴۵﴾ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا

شکی ہیں ان کے دل اور وہ حالت شک میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور اگر وہ جانا چاہتے تو اس کے لئے

کو فوراً اجازت نہ دیا کرو۔ بلکہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر کے عمل کیا کرو تاکہ ان میں سے سچے اور جھوٹے کا پتہ چل سکے۔ یہ آیتیں غزوہ تبوک سے مسلمانوں کی مستی کی مذمت کے لئے اتری تھیں۔

لَا يَسْتَازِنُكَ۔ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہے وہ تم من دھن سے جہاد کے لئے حاضر ہیں لہذا بار بار آپ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن جو لوگ منافق ہیں ان کے دل تو پہلے سے ہی شک میں ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح سے ان کی گلو خلاصی بھی ہو جائے گی۔ اور موردِ عتاب بھی نہ بنیں گے۔ لہذا بار بار آپ سے ان کا سوال کرنا اسی باطنی ہی کی پیداوار ہے۔

مصلحت جہاد۔ پروردگار کی مصلحت یہ ہے کہ انسان اپنی اس مختصر تمدنی زندگی میں جیتی جاگتی شخصیت بن کر رہے ایسا نہ ہو کہ دنیا والے اسے باوجود زندہ ہونے کے مردوں کے برابر سمجھیں۔ نیز ایسا نہ ہو کہ خود غافل رہے۔ اور گزشتہ مجاہدین کے کارناموں پر فخر و مباہات کو مال زندگی قرار دینا رہے بلکہ ایسی مجاہدانہ زندگی بسر کرے کہ گزشتہ ارواح اس کو حراج تحسین پیش کریں۔ اور آئندہ نسلیں اس کے کردار کو مشعل راہ بنا لیں۔ پس اگر کوئی زندہ گزشتہ اکابر کے کارناموں پر فخر کرے تو یوں سمجھئے کہ وہ زندہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے۔ جو مردہ لوگوں کے کارناموں پر فخر کو مال زندگی سمجھے۔ اور وہ مردہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے۔ جو اپنی چند روزہ زندگی میں ایسے آثار چھوڑ کر جائے کہ زندہ قومیں اس پر فخر و مباہات کرتی رہیں۔ پس ہر دور میں مجاہدانہ زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ لہذا اپنے مال و جان کو جہاد کے لئے ہر وقت تیار رکھنا فرضِ صیغہ انسانیت ہے۔ اور قوموں کی مجموعی زندگی کی کامیابی اسی نقطہ نظر سے ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ وہ قومیں زندہ ہیں جو حرکت و شعور میں ہوں۔ اور وہ قومیں مردہ ہیں جو مردوں کے دستِ نگر رہیں۔ قرآن مجید نے مالی و جانی ہر دو قسم کے جہادوں کا حکم دیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی حیثیت و موزنیت سے قومی

لَهُ عَدَاةٌ وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُم فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۳۶﴾

تیار ہی کرتے لیکن اللہ نے ناپسند کیا ان کا جانا پس ان کو روک دیا اور کہا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھ رہنے والوں میں (کیونکہ)

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوا كُمُ الْاِخْبَالَ وَلَا اَوْضَعُوا خِلا لَكُمْ بِيَعُونَكُمْ

اگر وہ جاتے تو نہ زیادہ کرتے مگنساد اور تم میں رہ کر سازشیں کرتے تمہارے درمیان کہ تم میں پھوٹ ڈال دیتے

الْفِتْنَةُ وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾ لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ

اور تم میں ایسے ہیں جو ان کی سنتے ہیں اور خدا جانتا ہے ظالموں کو المبتدئ ایک مرتبہ پہلے بھی انہوں

مِنْ قَبْلِ وَقَلْبُكَ الْاُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ

سے پھوٹ ڈالی اور تمہاری تدبیر کو ہلکا سا یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا امر غالب ہوا حالانکہ

سانی جہاد میں حصہ لے سکے یعنی مرد اپنی حیثیت سے عورت اپنے انداز سے جو ان اپنی موزونیت سے اور بوڑھے اپنی لبط سے علماء اپنی پوزیشن کے ماتحت اور عوام اپنی صلاحیت سے فقیر اپنی حیثیت سے اور تو نگر اپنی طاقت سے گویا ہر شخص کو اپنی اپنی حیثیت کا سپاہی بن کر گزارنا چاہیے۔

— لَوْ خَرَجُوا — پھیلی آیت کی تفسیر ہے۔ اور منافقین کی قلبی کیفیت کا بھانڈا پھوٹا جا رہا ہے کہ یہ لوگ جو آپ سے جنگ کی اجازت چاہتے ہیں، درحقیقت یہ جنگ پر آمادہ نہیں درنہ کم از کم کچھ نہ کچھ تیاری تو کر لیتے۔ اور اچھا ہوا کہ نہیں گئے ورنہ ان کی نیتیں خراب تھیں۔ اور خدا کو ان کا جانا گوارا نہیں تھا۔ پس اس نے ان کی رکاوٹ کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اور وہ بیٹھے ہی رہے۔ کیونکہ اگر جاتے تو کفار کی طرف سے جاسوس بن جاتے۔ اور مسلمانوں کے رازوں کا انشاء کر کے مسلمانوں میں کمزوری کا باعث بنتے۔ یا مسلمانوں میں جغلی و غیبت کو ہوا دے کر ان کی آپس میں پھوٹ کا باعث ہوتے۔ اور یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ قِيلَ اقْعُدُوا — ملا۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ ان کو اس طرح کہا گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ ان کو بیٹھ جانے کا بہانہ دستیاب ہو گیا۔ پس یہ تعبیر سمجھانے کے ہے۔

لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ — یعنی منافق گروہ نے اس جنگ یعنی غزہ تبوک سے پہلے بھی اپنی بد باطنی اور انتشار پسندی کا ثبوت دیا۔ یعنی سب سے پہلے جنگ احد میں انہوں نے شر پسندی کا بدترین مظاہرہ کیا تھا جب کہ عبداللہ بن ابی نے بمعہ جماعت کے عین موقع پر ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ تاکہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا جائیں۔ لیکن خدا نے فتح و نصرت دے کر ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور اسلام کا بول بالا کر کے ان کو شرمسار اور رسوا کیا۔

وَلَا تَفْتَنِي حِيَةً — یعنی بعض کہتے ہیں کہ ہمیں آپ معاف فرمائیں۔ اور آزمائش میں نہ ڈالیں کہ آپ کی اطاعت نہ کر کے ہم

كُرْهُونَ ﴿٢٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِذْنًا لِّي وَلَا تَفْتِنِّي اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا

ناپسند کرتے تھے اور ان (منافقوں) میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور آزمائش میں بڑولے آگاہ ہر وہ آزمائش میں تو آگئے

وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمِحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ لِّسَوْءٍ وَّ اِنْ تُصِبْكَ

اور تحقیق جہنم اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے کافروں کو اور اگر پیچھے تمہیں فائدہ تو انہیں برا لگتا ہے اور اگر پیچھے تمہیں

مُصِيْبَةٌ يَقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا مَّرْغَمًا مِّنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ

مصیبت تو کہتے ہیں ہم نے تو اپنا بچاؤ کر لیا پہلے سے اور خوشی خوشی واپس جاتے ہیں کہہ دیجئے

لَنْ يُصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَّ عَلٰى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾

ہمیں نہیں پہنچتا مگر وہ جو مقرر کیا اللہ نے ہمارے لئے وہ ہمارا مولا ہے اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے مومنوں کو

قُلْ هَلْ تَرٰوْنَ بَنِي اِلٰهٍ اَحَدًا يُّدْعٰى الْحَسَنِيْنَ وَنَحْنُ نَتَرٰوْا بِكُمْ اِنْ يُصِيْبِكُمُ اللّٰهُ

کہہ دیجئے کہ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے متعلق مگر دو میں سے ایک بھروسہ فائدہ کی ہیں (غنیبت یا شہادت) اور ہم تمہارے متعلق

آزمائش میں پڑ جائیں گے۔

قُلْ هَلْ تَرٰوْنَ بَنِي اِلٰهٍ اَحَدًا يُّدْعٰى الْحَسَنِيْنَ وَنَحْنُ نَتَرٰوْا بِكُمْ اِنْ يُصِيْبِكُمُ اللّٰهُ

منافقین کو دل میں کافی دکھ پہنچتا تھا۔ اور اگر ظاہری طور پر مومنوں کو جہانی یا مالی کوئی نقصان پہنچتا تو وہ خوشی سے بغلیں بجاتے تھے۔ پس

خداوند کریم ان کی سرزنش میں فرماتا ہے کہ ان جاہلوں کو حقیقت کی خبر نہیں کیونکہ یہ اگر فاتح ہوں تو اسلام کی سر بلندی کے ساتھ ان

کو مالی فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اور وقار و عظمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور مارے جانے کی صورت میں وہ درجہ شہادت پر فائز

ہوتے ہیں جس سے ان کی آخروی زندگی سدھر جاتی ہے۔ بہر حال مسلمانوں کو ہر طرح سے فائدہ ہی ہے۔ پس منافق لوگ ان کے

متعلق جو پہلو بھی سوچیں گے وہ ان کے فائدہ کا ہی ہوگا۔ خواہ دنیاوی فائدہ ہو یا آخروی۔ لیکن بخلات اس کے چونکہ منافقوں کا فائدہ

منصرف ہے دنیاوی منافع میں۔ اور وہ اس سے محروم ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا ہی بلبل بالا رہے گا۔ اور آخروی وقار اس لئے نہیں کہ

نعمت ایمان سے محروم ہیں۔ پس ظاہری ایمان کی وجہ سے ان کی جان و مال ایک مصلحت کے ماتحت محفوظ ہے۔ لہذا وہ ہر طرح

عذاب کا ہی لقمہ نہیں گے۔ یا تو ان کے متعلق حکم بھیجے گا۔ پس ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں دنیاوی عذاب چکھنا پڑے گا۔ اور یا وہ

خود عذاب بھیج دے گا۔ درنہ عذاب آخرت تو ان کے لئے ہے ہی۔ پس ان کا خسارے میں ہونا حتمی ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا۔ منافقین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ اپنے اموال اگر خرچ کریں خواہ اپنی مرضی سے کریں یا مجبور ہو کر

يَعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ يَأْتِيَنَا فَتُرْصَدُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتْرَلِّصُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ

صرف ایک سوچتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا اپنی جانب سے یا ہمارے ہاتھوں سے تم بھی منتظر ہو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں کہہ دیجئے

أَفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يَّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿٥٣﴾

کہ خرچ کرو خواہ خوشی سے یا بددلی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے کیونکہ تم فاسق لوگ ہو

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقَبَّلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

اور کوئی رکاوٹ نہیں اس سے کہ ان کا دیا ہوا قبول ہو مگر یہ کہ وہ انکاری ہیں اللہ اور اس کے رسول سے

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿٥٤﴾

اور نہیں پڑھتے نماز مگر بددلی سے اور نہیں خرچ کرتے مگر ناپسندیدگی سے

فَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

پس نہ تعجب میں ڈالیں تمہیں ان کے اموال و اولاد میں بجز اس کے نہیں کہ اللہ ان کو معذب رکھنا چاہتا ہے ان کی بددلت

کریں۔ ان کا یہ خرچ عند اللہ مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ دولت ایمان سے بہرہ ورنہیں ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرنے والوں کی نیکیاں ہرگز قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اور ان کے عدم ایمان کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو سستی اور بددلی سے۔ ورنہ اگر ان کا خدا پر ایمان ہوتا تو نماز کی یہ حالت نہ ہوتی۔ اسی طرح جو صدقات و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ بھی بدل ناخواستہ اور تاوان سمجھ کر۔ ورنہ اگر ان کا ایمان درست ہوتا تو اس سے عبادت سمجھ کر کرتے اور مستحق ثواب ہوتے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار پر فروعاً دین کی بجا آوری واجب ہے۔ اگرچہ ایمان کے بغیر وہ حد مقبولیت کو نہ پہنچیں گے۔

نیز یہ آیات ان لوگوں کو بھی سرزنش کر رہی ہیں جو اسلام و ایمان کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے قریب تک نہیں جاتے۔ خداوند کریم سستی سے نماز پڑھنے اور بدل ناخواستہ زکوٰۃ ادا کرنے کو ان کے کفر کی دلیل قرار دے رہا ہے۔ تو بالکل نہ پڑھنے والے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کیسے مسلمان یا مومن کہلانے کے حقدار قرار دئے جاسکتے ہیں۔

فَلَا تَعْجَبْكَ - یعنی کفار و منافقین کے پاس مال و اولاد کی کثرت سے یہ اندازہ نہ کیا جائے کہ خدا ان پر راضی ہے

کیونکہ وہ بڑے خوش حال ہیں۔ بلکہ یہی مال و اولاد دنیا میں بھی ان کے لئے وبال ہے کہ وہ ہر وقت ان کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار رہتے ہیں۔ اور جب مریں گے تو ان کا مال و اولاد سب کا سب ان کے لئے باعث حسرت و ارمان ہوگا۔ اور

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

دنیاوی زندگی میں اور ان کے روح نکلنے میں درحالیکہ وہ کافر ہوتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی

اِنَّهُمْ لَمِنَكُمْ وَمَا هُمْ بِمِنَكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفِرُّوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً

کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ لوگ ڈر کے مارے (تبار سے ساتھ) ہیں اگر وہ پاتے کوئی جائے پناہ یا

اَوْ مَغْرَبٍ اَوْ مَدْخَلًا لَّوَلَوْ اَلَيْهِمْ يَحْمِجُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ

غار یا داخل ہونے کی جگہ تو اس کی طرف جلدی سے چلے جاتے اور بعض ان میں سے تم پر صدقات

فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اَعْطُوْا مِنْهَا رِضْوَانًا لَّمْ يَعْطُوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ لَيَّحْتُوْنَ ﴿۵۸﴾

کی تقسیم کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں پس اگر ان کو دیا جائے تو راضی ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوتے ہیں

اسی عذاب سے معذب ہو کر رخصت ہوں گے تو پھر قیامت میں اس سے بھی زیادہ عذاب ان کے لئے تیار ہوگا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ محذوف سے متعلق ہو کر اَوْ كَاذِبًا کی صفت بن جائے۔ اور معنی یہ ہو کہ ان کے اموال و اولاد جو ان کو زندگی دنیا میں عطا ہوئے ہیں۔ وہ تمہیں تعجب میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ یہ خدا کی طرف سے ان کا استدراج ہے۔ اور درحقیقت یہ چیزیں ناشکری کی وجہ سے ان کے آخری عذاب کا پیش خیمہ ہیں۔ اور پہلے معنی کی رو سے اگرچہ مومن بھی مال و اولاد کی وجہ سے دنیا میں گرفتار مصائب تو ہوتا ہے لیکن چونکہ ایمان کی بدولت وہ دل میں یہ تسلی رکھتا ہے کہ اس محنت و کاوش کے نتیجے میں مجھے آخری درجات نصیب ہوں گے تو وہ دنیاوی تکالیف میں بھی ایک قسم کی راحت قلبی محسوس کرتا ہے بخلاف کافر کے کہ وہ چونکہ آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتا۔ لہذا دنیا میں مال و اولاد کی وجہ سے ہر تکلیف اس کے لئے صرف عذاب ہی عذاب ہوتی ہے۔

وَعَنْهُمْ مِّنْ۔ یعنی ان منافقوں میں سے ایسے ہیں کہ صدقات کی تقسیم میں آپ کی عدالت کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ نے عادلانہ تقسیم نہیں کی۔ اصل ان کے نزدیک معیار یہ ہے کہ اگر ان کو حصہ دیا جائے تو وہ راضی ہیں لیکن اگر صحیح مستحقین میں صدقات کی تقسیم ہو۔ اور ان کو حصہ نہ دیا جائے تو پھر وہ ناراض ہوتے ہیں۔ اور یہ صرف اس زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ آج کل بھی یہی حالت ہے کہ اگر کسی کوئی شخص زکوٰۃ یا خمس کی رقم کو مستحقین میں تقسیم کرے تو جن لوگوں کو حصہ مل جائے وہ تو کسی حد تک راضی ہو جاتے ہیں لیکن جو محروم رہ جائیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ دینے والے نے جن مستحقین میں تقسیم کیا ہے وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے یا کم از کم وہ بھی مستحق تھے۔ بلکہ ہر قسم کی لعن و طعن اس پر کرتے ہیں اور ہر گنہگار کی طرح اس پر اچھالتے ہیں بلکہ میں نے لعن ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ مستحقین کی ان بے اعتدالیوں کی وجہ سے انہوں نے آئندہ کے لئے عہد کر لیا ہے کہ پھر کبھی اعلانیہ تقسیم نہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا

اور اگر وہ خدا اور رسول کے دیے پر راضی ہو جاتے اور کہتے ہیں ہمیں خدا کافی ہے

غنقریب اللہ اپنے

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ

فضل سے ہمیں دے گا اور اس کا رسول تحقیق ہم طرٹ اللہ کے رغبت کرنے والے ہیں (تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا) بس صدقے فقیروں کے لئے

کریں گے۔ بلکہ جو واجب الادا ہو گا وہ کسی دوسرے طریقے سے مستحق تک پہنچا دیں گے۔ خدا ایسے لوگوں کو خود سمجھے۔ بہر کیف آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے ایسا کرنے والوں کو منافقوں کے زمرے میں ذکر فرمایا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لئے درست راہ یہ تجویز فرمائی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں کہ اگر اس دفعہ تقسیم میں اس کو نہیں ملا تو خدا کسی دوسرے راستے سے ان کی ادا کر دے گا۔ کیونکہ اس نے رزق تو دنیا ہی ہے۔ اگر وہ یہ طریقہ اختیار کرتے تو ان کے لئے زیادہ موزوں و مناسب تھا۔

لَوْ أَذَقَهُمْ - یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے۔ یعنی لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی اگر ایسا کرتے تو اچھا ہوتا۔

مقام کی موزونیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کو قدرے تفصیل سے

رَبِيعٌ ۱۴ - زکوٰۃ کا بیان

بیان کیا جائے۔ مختصر اور جامع طور پر اس کی مصلحت و افادیت شرائط و وجوب اور

جنس زکوٰۃ وغیرہ اہم پہلوؤں کے ذکر کے بعد مستحقین زکوٰۃ کا بیان چونکہ زیادہ قریب فہم ہو گا۔ لہذا پہلے ان کا بیان کرنا ضروری ہے

انسان چونکہ مدنی الطبع ہے۔ یعنی اجتماعی اور باہمی تعاون کے بغیر اس کی زندگی نہایت مشکل

زکوٰۃ کی مصلحت و افادیت

ہے۔ لہذا اسی تمدن کی ضرورت کے پیش نظر خالق نے انسانی افراد کو ایک دوسرے کا محتاج

قرار دیدیا۔ تاکہ ایک دوسرے کے قریب رہ کر ملے بچھلے۔ زندگی کی ناؤ کو آگے بڑھاتے چلے جائیں۔ اور اسی بنا پر نقدی

کے ایجاد کی ضرورت محسوس کی گئی۔ کیونکہ اگر ایک کے پاس غلہ ضرورت سے وافر موجود ہے۔ اور دوسرے کے ہاں کپڑا زادہ انداز

ضرورت ہے تو ہر شخص اپنے پاس کی زائد چیز دے کر دوسرے سے حسب ضرورت اس کی زائد از ضرورت شے کے لینے کا

محتاج ہوتا ہے۔ اور یہ اندازہ کرنا کہ کتنی شے اس کو دے کر اس کی کتنی مقدار کی چیز وصول کرنی چاہیے۔ مشکل تھا بس سوچ بچار

کے بعد ایک تیسری چیز ایجاد کی گئی جس کا نام نقدی ہے اور اس کو اشیا کے باہمی تبادلہ کا معیار قرار دے دیا گیا تاکہ ہر شے کے

افادہ اور ضروری پہلوؤں کے پیش نظر نقدی کے ذریعے سے اس کی قیمت کا اندازہ مقرر کر لیا جائے۔ اور بعد میں اسی مناسبت

سے اشیا کا باہمی لین دین عمل میں لایا جائے۔ (ہم نے اس مطلب کو تفسیر کی تیسری جلد ص ۱۵۸ میں وضاحت سے بیان کیا ہے)

بہر کیف تقاضائے فطرت اور فیصلہ عقل کے ماتحت تمدن چھی برقرارہ سکتا ہے کہ دنیا کی ضروری اشیا اور خدائے قدوس

کی نعمات متکاثرہ اول بدل ہو کر نام انسانی نفوس کے لئے حسب ضرورت محل انتفاع و استفادہ بنتی رہیں۔ اور کوئی فرد بشر

اپنی بقا اور ارتقا میں اسباب کی بندش اور صعوبت کا شکار نہ ہو سکے۔

وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَفَةَ قُلُوبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرْمِينَ وَ

اور مسکینوں اور اس پر کام کرنے والوں اور وہ جن کے دلوں کو مائل باسلام کرنا مطلوب ہو اور غلاموں کی آزادی اور قرضداروں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۶۰﴾

اور خوشنودی خدا کے راستوں اور مسافروں کے لئے ہیں یہ فریضہ ہے اللہ سے اور اللہ علیم و دانا ہے

چونکہ خداوند حکیم نے اپنی حکمت کا نلہ اور تہذیب نامہ کے ماتحت انسان میں جذبہ خواہش اور شہوت بھی پیدا کر دیا ہے۔ جس کے ماتحت ہر انسان اپنی ہر محبوب اور فائدہ مند چیز کو اپنی طرف کھینچنے کے درپے ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ اسباب کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اپنے مقصد کے آگے حائل شدہ ہر رکاوٹ کو ہر ممکن کوشش سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر نعمت سے مجھے زیادہ سے زیادہ انتفاع کا موقعہ دستیاب ہو۔ بنا بریں نفس پرستی کا یہ جذبہ اُسے دوسروں کے کچلنے اور روندنے پر بھی آمادہ کر دیتا ہے۔ بس اپنی برتری اور فوقیت کی برقراری کی خاطر ہر جائز اور ناجائز حیلہ سے دوسروں کو زیر کرنا اور اُن کو کمزور کرنا اور اپنا دست نگر بنانا اسی جذبہ کا ہی شاخسانہ ہے۔ اور یہی جذبہ بعض اوقات جہاں دوسروں کے لئے قتل و غارت۔ لوٹ کھسوٹ اور ظلم و تعدی کا موجب بنتا ہے۔ وہاں اپنی ذات میں حسد۔ بغض۔ کینہ۔ عداوت اور بگاڑ بلکہ ہر انصاف سوز اور عدل کش خیالات کے جنم کا باعث ہوتا ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ ہر شخص کی اس سلسلہ میں جدوجہد کا بار آور ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہر کوشش منتہا کو پہنچتی ہے۔ علاوہ بریں طبعی و جبلی اور مزاجی و فطری تفاوت بھی تمام کوششوں کے نتیجہ خیز ہونے کے منافی ہے۔ بنا بریں افراد انسانی میں غریب و امیر اور متمول و نادار کا فرق ضروری ہے۔ اور اسی سے احساس کمتری اور احساس برتری کے جذبات نمودار ہوتے اور شریف و رزویل نیز نیک و بد بلکہ دوست و دشمن وغیرہ جیسے الگ الگ خصوصیات و عادات افراد انسانی میں جگہ لیتے چلے گئے۔

اس مقام پر اگر بحث کو آگے بڑھایا جائے تو موضوع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ لہذا اسے ایک تہید قرار دے کر ہم اصل مقصد کو واضح کرتے ہیں کہ خدا نے جب زمین کی پیداوار سے انتفاع حاصل کرنا تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ اور تمدنی زندگی میں فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان نعماتِ خداوندی سے حسب ضرورت فائدہ اٹھائے پس جن لوگوں کی مساعی سپیم ناکارہ رہیں۔ اور وہ حسب ضرورت نعماتِ خداوندی سے انتفاع کے لئے خود اپنے کفیل نہ بن سکے۔ یا کمزوری اعصاب نے انہیں تحصیل ضروریات سے عاجز بنا دیا۔ یا کسی وجہ سے ان کے اسباب جدوجہد مفلوج ہو کر رہ گئے۔ تو ان کے حق زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے خدا نے بزرگ و برتر نے اپنے خزانِ نعمت پر حاضر ہونے والے دوسرے ارباب طاقت و ثروت کو دعوت دی کہ میری نعمات کا شکر تم پر واجب ہے۔ اور اس شکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ

تم ناوار اور غریب طبقہ پر رحم کرو۔ اور زندگی کی راہ میں ان کے سامنے حائل شدہ رکاوٹوں کو دور کرنے کی طرف قدم بڑھاؤ اور ساتھ ساتھ ان کو زیادتی نعمت کی پیش کش بھی کر دی۔ اور فرمایا لَيْسَ شُكْرُكُمْ إِلَّا بِرَحْمَةٍ مِنَّا لِيُقَدِّمُ لَكُمُ الْيُسْرَىٰ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَمَنَّوْا أَن تَتَذَخَّرُوا مِنَّا إِنَّ الْيُسْرَىٰ ذُو قُرْبَىٰ بِضَاعٍ فَإِن لَّمْ يَكُن مِّنَ الْيُسْرَىٰ فَلْيَأْتِكُم بِرِشَالٍ مَّن بِيَدِكُم مِّن ذُرِّ عُشْبٍ عَفْفٌ عَلَيْكُمْ ذِكْرًا لِّذِي الْقُرْبَىٰ وَلَا تَبْذُرُوا مَالَكُم مَّا بَيْنَ يَدَيْكُمْ يُغْنِيكُمْ وَأَن تَتَذَكَّرُوا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (سورۃ البرات)۔ یعنی اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ نعمت عطا کروں گا، تاکہ زیادتی کی توقع کا عرصہ اس بخل کو ختم کر دے جو سخاوت کی وجہ سے مالی کمزوری کے احساس کی پیداوار ہے۔

نیز اسی جذبہ غریب نوازی کو اور بڑھانے کے لئے صدقہ کے فوائد و اثراتِ حسنہ اس قدر بیان فرمائے کہ انسان ان پر یقین رکھنے کے بعد ناممکن ہے کہ بخل کا تصور بھی کر سکے۔ مثلاً حبِ میدانِ محشر میں بے سرو سامان پیش ہو گا۔ اور خدا کے بھرے دربار میں حساب و کتاب کی نوبت آنے گی۔ اُس وقت غضبِ پروردگار سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف صدقہ ہی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ معصومہ میں وارد ہے۔ دوسرے مقام پر صدقہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے حدیثِ قدسی میں ہے۔ الْمَالُ مَالِي وَالْفَقْرَاءُ عِيَالِي فَمَنْ بَخِلَ بِمَالِي عَلَىٰ عِيَالِي ادْخَلَهُ النَّارَ وَلَا اِبْرَآءِي (خدا فرماتا ہے مال سب میرا ہے۔ اور فقراء میری عیال ہیں۔ تو جو شخص میرے مال کا میری عیال پر خرچ کرنے سے بخل کرے گا اُس کو جہنم میں داخل کروں گا اور اُس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ بہر کیف صدقہ کی ترویج اور غریب پروری کے رجحان کو بڑھانے کے لئے کہیں صدقہ کو زیادتی نعمت کا موجب قرار دیا گیا۔ کہیں تخفیفِ غضبِ پروردگار کا سبب بتلایا گیا۔ کسی جگہ مذہب دینے والے کو جہنم کی دھمکی دی۔ کسی مقام پر حفاظتِ جان و مال کا ضامن قرار دیا۔ کہیں استجابتِ دعا کا سبب ٹھہرایا۔ کہیں مشکل و مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا زینہ مقرر کیا۔ کسی مقام پر اپنی رضامندی اور جنت کی پیش کش کی۔ اور کئی مقامات پر ایک کا بدلہ دس یا ستر یا ہزار یا لاکھ یا ان گنت دینے کا وعدہ فرمایا۔ تاکہ نعمتِ پروردگار اور ضروریاتِ زندگی انسان کسی ایک فرد یا ایک طبقہ تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ ہر فرد بشرِ بچہ ضرورتِ فائدہ حاصل کر سکے۔

پھر واجبِ صدقہ کے علاوہ مستحب صدقات جگہ جگہ دینے کا حکم دیا۔ مثلاً تعمیرِ مکان کے لئے شادی کے بعد سفر سے پہلے بلکہ ہر اچھے کام کی ابتداء کے لئے تاکہ وہ بابرکت ثابت ہو۔ علاوہ ازیں نذرِ نیاز، ہدیے، کفارے اور قربانیاں وغیرہ ایک لمبی فہرست ہے۔ جس سے شریعتِ اسلامیہ کے نقطہ نظر کی خوب وضاحت ملتی ہے کہ خدائے منافع دنیاویہ میں تمام انسانی افراد کو حق دے رکھا ہے اور اپنے مال سے حقوقِ واجبہ مثلاً خمس، زکوٰۃ، فطرہ یا نذرِ فدیہ و کفارہ وغیرہ اس مقصد کی بولتی ہوئی زبان ہے کہ خداوند کریم نہیں چاہتا کہ مال و دولت ایک جگہ محبوس و مقید ہو کر رہ جائے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ چلتی پھرتی رہے اور ہر آدمی اُس سے متفع ہونے کا موقع حاصل کر سکے۔ اسی بنا پر خزانہ کرنا مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اور سخاوت کو ایک خصلتِ حمیدہ کا درجہ قرار دیا گیا ہے۔

رَفِيعَ اسْتِنَابًا۔ میرے اس بیان سے وجوبِ زکوٰۃ کی مصلحت و افادیت پر جامع طور پر روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ مالدار اور صاحبانِ زر سے ان کے اموال و دولت چھین کر برابر فقراء پر تقسیم کر دی جائے تاکہ امیر و

غریب کا دنیا میں فرق ہی نہ رہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُمراء اور مالدار طبقہ جو نعمات خداوندی سے بدرجہ اتم اور بحد کمال انتفاع حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنے پورے اور کھلے اخراجات کے بعد بھی ان کے پاس دولت کی فراوانی رہتی ہے تو اس صورت میں وہ خدا کا شکر کریں۔ بائیں طور کہ جو لوگ دنیا میں بے بس اور مفلوک الحال زندگی بسر کر رہے ہیں ان کی خبر گیری کریں۔ اور اپنے برابر نہیں بلکہ اس قدر کہ وہ اپنی زندگی باعزت گذار سکیں۔ اور ناقوں مرنے والے کم از کم سپٹ بھر کر کھانے کو ترسیں۔ اسی وجہ سے چالیسواں یا بعض مقامات پر سو میں سے پانچواں ایک حصہ ان کے لئے مقرر فرمایا۔ تاکہ امیر اپنی حیثیت سے زندگی بسر کر سکے۔ اور غریب اپنی حیثیت سے زندہ رہ سکے۔ اس میں نہ ظلم لازم آتا ہے۔ اور نہ کمینوزم کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ ایک بین بین اور سیدھا راستہ ہے جس کو عقل سلیم آسانی سے قبول کر سکتی ہے۔

چند احادیث۔ مناسب ہے کہ اس ذیل میں معصومین کے چند فرمان پیش کئے جائیں تاکہ ایمان میں تازگی پیدا ہو جائے (۱) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے نزدیک ایک حج کرنا محبوب تر ہے ایک غلام آزاد کرنے دو غلام آزاد کرنے بلکہ دس غلام اور اتنے اور پھر اور۔ اور حتیٰ کہ فرمایا ستر غلام آزاد کرنے سے۔ لیکن اگر ایک مومن بھوکے گھرنے کو سپٹ بھر کھانا کھلاؤں۔ اور ان کے برہنہ کو لباس دے دوں۔ اور ان کے چہروں کو گدگری کی زلت سے بچاؤں تو مجھے ایک حج سے دو حجوں سے حتیٰ کہ ستر حجوں سے محبوب تر ہے۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنے ہمایوں کا صدقہ سے علاج کرو۔ مصائب کو دعاؤں سے دفع کرو۔ اور رزق کصدقہ کے ذریعے سے طلب کرو کہ وہ (صدقہ) اس (رزق) کو سات سو شیطانوں کے سنجے سے چھڑا لاتا ہے۔ اور مومن کو صدقہ دینا جس طرح شیطان پرگراں ہے اسی طرح اور کوئی چیز اس پرگراں نہیں ہے۔ اور صدقہ بندہ (مستحق) سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

(۳) جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ صدقہ بڑی موت کو دور کرتا ہے (یہ روایات کافی سے منقول ہیں)

(۴) بروایت شیخ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے سوائے صدقہ کے ہر چیز کے الگ خازن مقرر فرمائے ہیں لیکن صدقہ کو وہ خود لیتا ہے۔ اور میرے والد ماجد کا دستور تھا کہ صدقہ سائل کے ہاتھ پر رکھ کر ایک دفعہ واپس لیتے تھے اور اس کو پوسدے کر دو بارہ سائل کے ہاتھ میں پلٹا دیتے تھے۔ نیز رات کو (خفیہ) صدقہ دینا غضب پروردگار کو بھجاتا ہے۔ اور بہت بڑے گناہ کو مٹاتا ہے۔ اور حساب کی آسانی کا موجب ہے۔ اور دن کو صدقہ دینا یعنی اعلانیہ صدقہ مال کو بڑھاتا اور عمر کو زیادہ کرتا ہے۔

(۵) بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو زکوٰۃ کا ایک قیراط کم از کم مقدار ادا کرے وہ مومن ہے نہ مسلم۔

(۶) ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو ایک قیراط بھی زکوٰۃ نہ دے وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے۔

(۷) فقیہ کی ایک روایت میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا اے علی اس

امت کے دس قسم کے لوگ کفر کے مرتکب ہوں گے۔ اور ان میں سے ایک وہ ہے جو زکوٰۃ نذا کرے۔ نیز آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔ اور ان میں سے ایک تارک الزکوٰۃ ہے۔ الحدیث

(۸) بروایت فقیہ و کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب فقراء کا پیٹ بھرنے اور امراء کا رزق بڑھانے کے لئے ہے۔

(۹) کافی سے بروایت امام رضا علیہ السلام امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے ایک ہزار سے پچیس (۱۰۰) چالیسواں حصہ زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے کہ اتنی مقدار فقراء کے گزارہ کے لئے کافی ہے۔ اگر لوگ اتنا ہی حصہ زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی محتاج نہ رہتا۔

(۱۰) بروایت فقیہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب امیر و غنی طبقہ کے امتحان اور فقراء طبقہ کی اعانت کے لئے ہے۔ اگر لوگ اپنے مالوں سے زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی فقیر و محتاج نہ رہتا۔ اور زکوٰۃ کی مفروضہ مقدار سے ہی سب لوگ غنی ہو جاتے۔ اور لوگوں کا فقر و احتیاج ابد بھوک و دنگ صرف امرار و مالدار طبقہ کے گناہ کا نتیجہ ہے۔ (یعنی وہ اپنا فرض ادا کرتے تو ایسا نہ ہوتا) اور اللہ کے لئے سزا دار ہے کہ اس کا حق ادا نہ کرنے والے پر رحمت بند کر دے۔ اور مجھے خدا کی قسم جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور رزق کو عام کیا کہ خشکی یا تری میں جہاں بھی کوئی مال تلف ہوتا ہے وہ صرف زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی کہیں بھی کوئی شکار دام صیاد میں نہیں آتا جب تک کہ اپنی تسبیح کو ترک نہ کر دے۔ خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں ہو۔ اور خدا کا محبوب ترین انسان وہی ہے جو سخی ہو۔ اور سخی ترین انسان وہ ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ اور اپنے قرض کی ادائیگی میں مومنین پر بخل نہ کرتا ہو۔

شرائط وجوب زکوٰۃ - پانچ شرطوں سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

پہلی شرط۔ بالغ ہونا۔ پس نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسا کہ اکثر احادیث میں صراحت سے وارد ہے کہ یتیم کے مال میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور مقتضائے اصل بھی یہی ہے کیونکہ وہ مکلف نہیں۔

مسئلہ :- رط کا جب بالغ ہوگا تو اس کے مال کا سال شروع ہوگا۔ اور اختتام سال پر بشرط نصاب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ اگر گیارہ ماہ مال پر گذرے اور بارہویں مہینہ میں وہ بالغ ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ :- نابالغ کے مال سے اگر اس کا دلی تجارت کرے تو نفع نابالغ کا ہوگا۔ اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی مستحب ہوگی۔

مسئلہ :- اگر بچے کا دلی مالدار ہو۔ اور بچے کا مال بطور قرض اپنے ذمے لے کر اس سے تجارت کرے تو نفع بھی اس کا ہوگا۔ اور زکوٰۃ بھی استجاباً بائسی پر عائد ہوگی۔

مسئلہ :- اگر دلی مالدار نہ ہو تو بچے کے مال کو بطور قرض لے کر تجارت نہیں کر سکتا۔ اور اگر ایسا کرے تو بصورت خسارہ ضامن ہوگا۔ اور بصورت نفع اس کو کچھ نہ ملے گا بلکہ نفع بھی بچے کا ہوگا۔ اور بچے کے مال کو قرض لینے کے لئے دلی کے مالدار

ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ بصورت تلف بچے کے مال کی اپنے ذاتی مال سے تلافی کر سکے۔

مسئلہ - بچے کا باپ اور دادا اگر ولی ہوں تو بلا شرط بچے کے مال کو اپنے ذمہ کر کے اس سے تجارت کر سکتے ہیں۔ دوسری شرط - عاقل ہونا۔ پس دیوانے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

اگر جنون دائمی ہو تو زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر جنون کا دورہ پڑتا ہو تو ظاہر یہی ہے کہ جن چیزوں میں زکوٰۃ کے لئے سال کی شرط ہے۔ ان چیزوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی۔ اگر دوران سال میں جنون کا دورہ پڑ جائے لیکن زکوٰۃ غلات میں اگر بوقت وجوب جنون نہ ہو بلکہ عاقل ہو تو اس پر زکوٰۃ کا وجوب عام ہوگا۔

تیسری شرط - آزاد ہونا۔ پس غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو سکتی۔

چوتھی شرط - مالک نصاب ہونا۔ اگر دو شخص مل کر مالک نصاب بنیں تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ پانچویں شرط - تصرف کر سکتا۔ پس اگر نصاب کا مالک ہو لیکن غاصب یا ظالم یا چور و ڈاکو کی وجہ سے اپنے مال میں تصرف نہ کر سکتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کو قرضہ دیا ہو اور واپس نہ مل رہا ہو تو ایسی قرض اس پر زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا لیکن جب واپس ہوگا تو زکوٰۃ فوراً واجب نہ ہوگی بلکہ سال گزرنے کے بعد تک نصاب کی بجائی کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ - اگر قرضدار قرضہ واپس کرنے پر تیار ہو لیکن قرض خواہ وصول کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہو تو باقی شرائط کے ساتھ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ - مال وقف پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ کیونکہ وجوب زکوٰۃ میں ملک شرط ہے اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

مسئلہ - مستحق تک سر و دست پہنچا سکتا وجوب زکوٰۃ کی شرط نہیں ہے۔ پس اگر سر و دست مستحق نہ بھی مل سکتا ہو۔ تب بھی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی۔ ہاں اگر مستحق موجود ہو اور عمداً اس کو دینے میں تاخیر کرے گا تو بصورت تلف دوبارہ اپنی گدہ سے ادا کرنے کا ضامن ہوگا۔ لیکن مستحق کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کی تاخیر موجب ضمان نہ ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی اپنی کوتاہی نہ ہو۔

زکوٰۃ کل نو چیزوں پر واجب ہوتی ہے (۱) اونٹ (۲) گائے بھینس (۳) بھیر بکری (۴) گندم (۵) جو (۶) خرما (۷) انگور (۸) سونا (۹)

زکوٰۃ کون کون سی چیزوں پر واجب ہوتی ہے؟

چاندی - ان کے علاوہ اور کسی چیز پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اونٹ کی زکوٰۃ کے بارہ نصاب ہیں۔ اور ان کی تفصیل کے لئے ایک روایت بیان کر دی جاتی

اونٹ کی زکوٰۃ کا نصاب

ہے۔ بروایت من لا یحضرہ الفقیہ - صحیحہ زرارہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں لیکن جب پانچ ہو جائیں تو اس کی زکوٰۃ ایک بکری ہوگی۔ پھر جب دس ہو جائیں تو دو بکریاں۔ اور اسی طرح ۴۱ تک۔ پھر پندرہ سے ۱۹ تک ۳ بکریاں۔ پھر سبیس سے چوبیس تک ۴ بکریاں اور پچیس پر پانچ بکریاں۔ پھر ۲۶ سے ۳۵ تک ایک بنت محاض۔ اگر بنت محاض نہ ہو تو ان لبون دے دے۔ پھر ۳۶ سے ۴۵ تک ایک

بنت لبون اس کے بعد ۳۰ سے ۶۰ تک ایک حقہ پھر ۶۱ سے ۷۵ تک ایک جذعہ۔ پھر ۷۶ سے ۹۰ تک دو بنت لبون۔ پھر ۹۱ سے ۱۲۰ تک دو حقے اور اس سے اگر بڑھ جائے تو ہر چالیس پر ایک حقہ اور ہر چالیس پر ایک بنت لبون زکوٰۃ ہوگی۔ مثلاً ۱۲۱ پر چالیس کے حساب سے ۳ بنت لبون ہوں گی۔ اور ۱۲۹ تک یہی صورت رہے گی۔ جب ۱۳۰ ہونگے تو بنت لبون چالیس چالیس کے حساب سے اور ایک حقہ چالیس کے حساب سے زکوٰۃ بنے گی اور ۱۳۹ تک یہی صورت رہے گی پھر ۱۴۰ پر دو حقے چالیس چالیس کے حساب سے اور ایک بنت لبون چالیس کے حساب سے ہوگی اور ۱۴۹ تک یہی صورت ہوگی پھر ۱۵۰ پر تین حقے اور ۱۶۰ پر چار بنت لبون و علیٰ ہذا القیاس اور وہ عدد جو چالیس اور چالیس دونوں پر صحیح تقیم مقرر ہوگا۔ دوسروں کی صورتیں مالک کو اختیار ہے کہ چالیس کی تقیم کا لحاظ کر کے چار حقے دیدے یا چالیس کی تقیم کے حساب سے پانچ بنت لبون دیدے۔

۱۔ اونٹ کا بچہ جب دوسرے سال میں داخل ہو تو زکوٰۃ بن مختار اور مادہ کو بنت مختار کہا جاتا ہے۔ اور

توضیحات جب وہ دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں داخل ہو تو زکوٰۃ بن لبون اور مادہ کو بنت لبون کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب چوتھے سال میں داخل ہو تو اس کو حقہ کہتے ہیں۔ اور پانچویں سال میں داخل ہونے والے کو جذعہ کہتے ہیں۔

۲۔ بارہ نصاب یعنی ۵-۱۰-۱۵-۲۰-۲۵-۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰-۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱-۴۲-۴۳-۴۴-۴۵-۴۶-۴۷-۴۸-۴۹-۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۵۴-۵۵-۵۶-۵۷-۵۸-۵۹-۶۰-۶۱-۶۲-۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۸۷-۸۸-۸۹-۹۰-۹۱-۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷-۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵-۱۲۶-۱۲۷-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰-۱۳۱-۱۳۲-۱۳۳-۱۳۴-۱۳۵-۱۳۶-۱۳۷-۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰-۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳-۱۴۴-۱۴۵-۱۴۶-۱۴۷-۱۴۸-۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱-۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰

۳۔ بروایت کافی حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے زکوٰۃ وصول کرنے والے اپنے کارندے کو ایک حکم نامہ میں لکھا کہ جس مالدار پر زکوٰۃ میں جذعہ (چھ سال) واجب ہو لیکن مال میں جذعہ کوئی موجود نہ ہو بلکہ حقہ (نہ سال) موجود ہو تو اس سے حقہ لے لو۔ اور علاوہ دو بکریاں یا بیس درہم بھی لو۔ لیکن اگر اس پر حقہ واجب ہو۔ اور حقہ کی بجائے اس کے پاس جذعہ موجود ہو تو جذعہ لے کر اس کو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرو۔ اسی طرح حقہ کی بجائے بنت لبون لو تو دو بکریاں یا بیس درہم بھی زاد لو۔ اور بنت مختار کی جگہ اگر بنت لبون لو تو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرو۔ یعنی ایک سال کا تفاوت شرعی نقطہ نظر سے دو بکریوں یا بیس درہم کے برابر ہے۔

(۴) زکوٰۃ مادہ میں عمر کافرق اسی سابق حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بنت مختار کی جگہ ابن لبون لیا جاسکتا ہے یعنی ایک سال کی مادہ ایک سال زیادہ کے زکے ساتھ قیمت میں برابر قرار دی گئی ہے۔

(۵) تفاوت کی صورت میں بیس درہم یا دو بکریوں میں سے مالک جو چاہے چن لے۔ یہ چناؤ زکوٰۃ لینے والا نہیں کر سکتا۔ خواہ بازاری قیمت اس کے برابر ہو یا کم و بیش ہو۔

(۶) زکوٰۃ میں اوہ ہونے والے جانور کے اگر متعدد افراد ہوں مثلاً اس پر بنت لبون واجب ہے۔ اور اس کے پاس بنت لبون منفرد ہوں تو مالک کو اختیار ہے جو چاہے دے دے۔ امام کے نمائندے یا فقیر کو جگہ کرنے کا کوئی حق نہیں اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے اس کا طریقہ یہ وارد ہے کہ اگر زیادہ ہیں تو دو حصے کر کے مالک کو کہے۔ اپنا حق چن لو۔ پھر باقی کے دو حصے کر کے چناؤ مالک پر چھوڑ دے اور اس طرح کرتا رہے۔ حتیٰ کہ آخر میں حق زکوٰۃ بچ جائے۔ پس وہ لے لے۔

گائے بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب ۱۔ تمام علمائے امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ گائے بھینس کی زکوٰۃ کے دو نصاب ہیں۔

پہلا نصاب تیس ہے۔ اور اس پر ایک بیع یا قبضہ دینا واجب ہے۔ اور دوسرا نصاب چالیس ہے۔ اور اس پر ایک منہ واجب ہے۔ بیع وہ گائے کا بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو۔ زر کو بیع اور مادہ کو قبضہ کہا جاتا ہے۔ اور منہ وہ جو تیسرے سال میں داخل ہو۔

مسئلہ - تیس سے پہلے کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اور نہ تیس اور چالیس کے درمیان زکوٰۃ ہے۔

مسئلہ - گائے بھینسوں کی زکوٰۃ ہمیشہ اسی طریقہ سے چلے گی کہ ہر عدد میں تیس یا چالیس کی تقسیم کا حساب کیا جائے گا۔ اور اسی اعتبار سے زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ مثلاً چالیس سے ساٹھ تک معاف ہے۔ اور ساٹھ پر دو بیع واجب ہوں گے۔ اور ستر پر ایک بیع اور ایک منہ واجب ہوگا۔ کیونکہ چالیس کے حساب سے ایک منہ اور تیس کے حساب سے ایک بیع بنتا ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کے پانچ نصاب مشہور ہیں۔ جس طرح کہ ایک روایت صحیحہ میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ چالیس سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب چالیس ہو جائیں تو ایک زکوٰۃ میں دے دے۔ اس کے بعد ۱۲۰ تک یہی صورت رہے گی جب ۱۲۱ ہو جائیں تو دو زکوٰۃ میں دیکھا چھوڑو۔ ۲۰۱ تک یہی صورت رہے گی۔ اور جب ۲۰۱ ہو جائیں تو چار دینی پڑھیں گی۔ اور چار سو تک اسی نصاب کا تحت زکوٰۃ ہوگی۔ پس جب ۲۰۰ ہو جائیں تو وہ سابق حساب ختم ہوگا اور اب ہر سو پر ایک بکری واجب ہوگی۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کا نصاب

۱۔ پانچ نصاب اس طرح ہوتے۔ (۱) - ۴۰ (۲) - ۶۰ (۳) - ۸۰ (۴) - ۱۰۰ (۵) - ۱۲۰۔ پس پہلے نصاب سے پہلے اور ہر دو نصابوں کے درمیان کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

توضیحات

- ۲۔ بھیڑ یا بکری جو اونٹوں کی زکوٰۃ میں دی جائے۔ یا اپنی جنس سے اولیٰ جائے۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ اگر بھیڑ دے تو سات مہینہ کی یا اس سے زیادہ کی ہو۔ اور اگر بکری دے تو کم از کم ایک برس سے زیادہ ہو۔
- ۳۔ تندرست مال میں سے بیمار یا جوانوں میں سے بوڑھی۔ یا موٹی تازیوں میں سے کمزور۔ یا بے عیبوں میں سے عیب دار۔ کو زکوٰۃ میں نہ لیا جائے گا۔ ہاں اگر سب مال ایک جیسا بیمار یا کمزور یا عیب دار ہو تو ان میں سے ان جیسی زکوٰۃ میں قبول کی جائے گی۔ اور اگر مال میں بیمار و تندرست اور عیب دار و بے عیب وغیرہ ملے چلے ہوں تو نسبت سے زکوٰۃ لگائی جائے۔
- ۴۔ حیوانوں کی زکوٰۃ میں غل (جو مادہ کو حامل کرتا ہے) کھانے کے لئے پالنا اور شیر دار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔
- ۵۔ اونٹ کی ہر نسل ایک ہی جنس شمار ہوتی ہے۔ لہذا جو زکوٰۃ کی صورت میں جس نسل سے ادا کیا جائے گا ٹھیک ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ نسل میں سے اپنی اپنی نسبت کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔ اور بھیڑ اور بکری میں بھی قیمت کے اختلاف کی صورت میں ہر ایک جنس کی الگ نسبت سے زکوٰۃ کا ادا کرنا بہتر ہے۔
- ۶۔ غلہ کی زکوٰۃ میں تو عین کی بجائے قیمت کو ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن حیوانوں کی زکوٰۃ میں بھی آیا قیمت کا دینا

جائز ہے جب کہ عین سے زکوٰۃ کا ادا کرنا ممکن ہو تو اس بارے میں علماء امامیہ کے دو قول ہیں۔ شیخ طوسی اعلیٰ اللہ مقابہ نے جواز کا قول اختیار فرمایا ہے۔ اور یہی قول قومی معلوم ہوتا ہے۔

حیوانوں میں وجوب زکوٰۃ کی چار شرطیں ہیں۔

۱۔ نصاب۔ اس کا بیان ابھی ابھی مفصل گذر چکا ہے۔

حیوانات میں وجوب زکوٰۃ کے شرائط

۲۔ سال۔ یعنی سال برابر نصاب مالک کے پاس موجود ہے۔ اور دوران سال میں کسی وقت کم نہ ہو۔ پس جب گیارہ ماہ گزریں گے۔ اور بارہواں مہینہ شروع ہوگا تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

۳۔ سوم۔ چرنا۔ یعنی سارا سال باہر چر کر سپٹ بھریں۔ ورنہ اگر سال کا کچھ حصہ چریں۔ اور کچھ حصہ مالک کے ہاں سے گھاس

پان کا گذارا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ البتہ دوران سال میں کسی ایک یا دو دن بوجہ بارش کے اگر چرائی نہ ہو سکے۔ اور چھوڑا ان کو گھر میں چارہ ڈالنا پڑے تو اس صورت میں زکوٰۃ معاف نہ ہوگی۔

۴۔ یہ کہ عوامل نہ ہوں۔ یعنی ان سے سال بھر کام کوئی نہ لیا جاتا ہو۔ اگر اونٹ سواری یا بار برداری کے ہوں یا میل ہل جوتنے یا کنواں چلانے کے لئے رکھے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ حیوانات میں اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے وجوب کی تین شرطیں ہیں۔

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ

۱۔ نصاب۔ سونے کا نصاب بیس دینار ہے۔ اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہوگی۔ اور اس

کے بعد ہر چار دینار کے اضافہ سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور چاندی کا پہلا نصاب دو سو درہم ہے۔ اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہوگی۔ اور اس کے بعد ہر چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ ہوتی جائے گی۔ پس اگر سونا اور چاندی اس مقدار سے کم ہوں تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

۲۔ سال۔ یعنی یہ نصاب سال برابر مالک کے پاس موجود رہے۔ اگر دوران سال میں کم ہو جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

۳۔ سکّہ دار ہونا۔ یعنی سونے اور چاندی پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی۔ جب اس پر شاہی سکّہ کی مہر ہو۔ پس زیورات پر

یا مطلق اس سونا چاندی پر جو سکّہ دار نہ ہو۔ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ خواہ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ۔ اگر تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہوئی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ موجودہ دور میں جو نوٹ مروج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ جس طرح کہ دوسری دھاتوں پر باوجود سکّہ دار

ہونے کے زکوٰۃ نہیں ہے۔ لہذا نوٹوں کا سونے یا چاندی سکّہ دار پر قیاس کرنا باطل ہے۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کو مال میں واجب

غلات یعنی گندم۔ جو۔ خرما اور انگوروں کی زکوٰۃ

کیا۔ اور جناب رسالت مآب نے نو چیزوں میں اس کا وجوب بیان کیا۔ اور باقی چیزوں سے معاف فرمایا۔ اور وہ نو چیزیں یہ ہیں۔
سونا۔ چاندی۔ اونٹ۔ گائے۔ بچری۔ گندم۔ جو کھجور اور انگور ان کے علاوہ معاف ہے۔

نصاب زکوٰۃ غلہ | پس گندم یا جو یا انگور یا خرمائیں سے ہر ایک جنس پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی۔ جب الگ الگ نصاب کو پہنچ جائیں ورنہ اگر مل جل کر نصاب نہیں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور غلہ کی ان چاروں جنسوں کا نصاب

پانچ وسق ہے۔ جب کہ ہر وسق ساٹھ صاع کا ہو کرتا ہے۔ اور ایک صاع کا وزن چھ رطل مدنی اور ایک رطل کا وزن ۱۹۵ درہم اور ایک درہم اڑتالیس حو کے متوسط دانوں کے ہم وزن ہوا کرتا ہے۔ اور ہم نے اس کا صحیح وزن اس طرح معلوم کیا ہے۔ ۸۴ جو پاکستانی اوزان کی مقدار کے لحاظ سے ۲ ماشہ ۲ رتی بنتے ہیں۔ گویا ایک درہم بوزن پاکستان ۲ ماشہ ۲ رتی ہوا۔ پس ۱۹۵ کے ساتھ ضرب دینے سے رطل کا وزن سات چھٹانک ایک تولہ چھ ماشہ اور چھ رتی نکلا۔ پھر ۶ سے ضرب دے کر صاع کا وزن معلوم کیا جو ۲ سیر ۱۱ چھٹانک ۴ تولہ ۴ ماشہ ۴ رتی نکلا۔ اور اس کو ۶۰ کے ساتھ ضرب دی تو وسق کا وزن ۴ من ۴ سیر ۸ چھٹانک ۲ تولہ ۶ ماشہ نکلا۔ پس پانچ وسق جو نصاب زکوٰۃ ہے۔ بیس من بائیس سیر ۵ چھٹانک ۲ تولہ اور ۶ ماشہ ہوئے۔ گویا احتیاطاً ساڑھے بیس من کو نصاب زکوٰۃ سمجھنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ۔ جب گندم اور جو کا دانہ قائم ہو جائے۔ اور انگور و خرما کے خوشوں پر عرق عام میں انگور اور خرما کا اطلاق کیا جا سکے۔ تو زکوٰۃ اس سے متعلق ہو جائے گی۔ بشرطیکہ نصاب کی حد کو پہنچ جائے۔ اگرچہ ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب ان کو صاف اور اکٹھا کیا جائے گا۔

مسئلہ۔ جو شخص وقت وجوب سے قبل ان جنسوں کو فروخت یا ہبہ کر دے تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہوگی۔ اور اس پر واجب ہو جائے گی جو وقت وجوب سے پہلے مالک ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ بارش سیلاب اور دریا وغیرہ سے جن کی سیرابی ہو تو اس میں سے زکوٰۃ دسواں حصہ ہوگی۔ لیکن اگر کنواں نلکا اور ڈول وغیرہ سے سیرابی ہو تو زکوٰۃ بیسیواں حصہ ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر بعض فصل بارانی اور بعض چاہی ہو تو مجموع کے نصاب تک پہنچ جانے کے بعد دسواں حصہ یا بیسیواں حصہ زکوٰۃ۔ بارانی یا چاہی فصل کی الگ الگ نسبت سے ہوگی۔ یعنی بارانی کا دسواں اور چاہی کا بیسیواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر ایک ہی فصل چاہی اور بارانی یا نہری ہو تو نسبت کے لحاظ سے زکوٰۃ ادا کرے۔ لیکن اگر دونوں کا دخل برابر ہو تو فصل کے برابر دو حصے کر کے ایک نصف سے دسواں حصہ اور دوسرے نصف سے بیسیواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے۔ مثلاً اگر چالیس من گندم ہوئی ہو تو تین من زکوٰۃ ہوگی۔ کیونکہ ایک نصف سے ایک من ہوگی۔ اور دوسرے نصف سے دو من نکلے گی۔

مسئلہ۔ آج کل ٹیوب ویل کا زمانہ ہے۔ لہذا اگر ٹیوب ویل سے فصل ہوئی ہو تو اسے چاہی فصل کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ۔ اکثر علمائے محققین کا یہ مسلک ہے کہ جنسِ زکوٰۃ پر زمانِ کاشت سے زمانِ برداشت تک جس قدر خرچہ ہوا ہے وہ سب زکوٰۃ سے متعلق ہوگا۔ حتیٰ کہ مالیات و آبیانہ و دیگر سرکاری مطالبات جن کا تعلق اسی فصل سے ہو زکوٰۃ سے متعلق ہوں گے۔

مسئلہ۔ آیا نصاب کا اعتبار مذکورہ بالا خرچہ نکالنے کے بعد ہوگا یا پہلے؟ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ یہ کہ نصاب کا اعتبار پہلے ہوگا۔ پھر خرچہ نکال لینے کے بعد دوسرا یا تیسرا حصہ زکوٰۃ دی جائے گی۔ خواہ خرچہ نکالنے کے بعد نصاب سے کم مقدار ہی بچ جائے۔

۲۔ یہ کہ خرچہ نکال لینے کے بعد نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر نصاب بچے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔
۳۔ زکوٰۃ کے تعلق اور وجوب سے پہلے کا خرچہ نکال کر نصاب کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اگر گندم یا جو کا دانہ بننے سے پہلے جو خرچہ ہوا مثلاً مالیہ۔ آبیانہ یا کاشت وغیرہ۔ ان کو نکالنے کے بعد اگر نصاب ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ پھر گٹائی و صفائی کے اخراجات نکال کر ادا کر دی جائے گی۔ پہلا قول احتیاط کے قریب تر ہے۔ لہذا اسی پر ہی عمل کرنا مناسب و موزوں ہے۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ جس طرح زمیندار پر واجب ہے۔ اسی طرح مزارع پر بھی واجب ہے جب کہ اس کا حصہ نصاب تک پہنچ جائے۔
مسئلہ۔ مزدور پیشہ لوگ جن کو اجرت میں گندم دی جاتی ہے۔ مثلاً لوہار۔ ترکھان اور حجام وغیرہ تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگرچہ نصاب کو پہنچ بھی جائے۔

مسئلہ۔ ٹھیکہ پر زمین کو حاصل کرنے والا مالک زمین سمجھا جائے گا۔ اور بعد از نصاب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر جنس کچھ عمدہ اور کچھ ناقص یا کچھ بلند قیمت اور کچھ کم قیمت ہو تو زکوٰۃ نسبت سے ادا کی جائے گی۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا عین ادا کرنے کی بجائے موجودہ وقتی نرخ سے قیمت بھی ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ۔ مال تجارت اور چاند کو نہ جنسوں کے علاوہ زمین کی باقی پیداوار جو کیل و وزن رکھتی ہو۔ ان سب پر زکوٰۃ مستحب ہے۔

اس مقام تک زکوٰۃ کے متعلق نہایت ضروری مسائل کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب آیت مجیدہ کی شرح کی جاتی ہے جس میں زکوٰۃ کے مستحقین کا بیان ہے۔ آیت مجیدہ میں مستحقین کی آٹھ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

مستحقین زکوٰۃ

۱۔ فقراء ۲۔ مساکین ۳۔ عاملین ۴۔ مولفۃ القلوب ۵۔ غلام ۶۔ قرضدار ۷۔ خوشنودی خدا کے طریقے ۸۔ مسافر۔

مسئلہ۔ فقیر اور مسکین کے درمیان فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ اور ان سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت سے عاجز ہو۔ اور غنی کا مفہوم اس کے مقابلہ میں ہے کہ جو اپنی اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت خود کر سکتا ہو۔ خواہ بیک وقت سال کے مصارف اپنے پاس جمع رکھتا ہو۔ یا دوران سال میں اپنی کہید سے محنت کر کے عہدہ برا ہونے پر قادر ہو۔

مسئلہ۔ ہر شخص کی احتیاج کا اس کے شایان شان اندازہ کیا جائے گا۔ لہذا صاحبانِ مروت و عزت کے پاس گھڑے یا غلام کا ہونا استحقاقِ زکوٰۃ سے ان کو خارج نہیں کرتا جب کہ وہ اپنی شان کے مطابق خرچ نہ رکھتے ہوں۔ اسی طرح ذخیرہ کتب و

مہمان خانہ یا اپنی وضع کے مطابق لباس پہننا منافی استحقاق نہ ہوں گے۔

مسئلہ - دورِ حاضر میں ترویجِ علومِ دینیہ کے پیش نظر مدارسِ دینیہ میں پڑھنے والے طلبہ اس سلسلہ میں زیادہ مستحق ہیں بلکہ مستحقین کی باقی اصناف سے ان کو سبقت حاصل ہے۔ لہذا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت طالبانِ علومِ دینیہ کو ہی ترجیح دینا زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ - اگر ایک شخص مستحق زکوٰۃ ہو۔ لیکن وہ زکوٰۃ لینے سے اپنی خفت محسوس کرتا ہو تو اس کو زکوٰۃ بعنوان ہدیہ یا اعانت دی جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ - زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت خیال کرنا چاہیے کہ ہر مستحق زکوٰۃ کو شایانِ شان حصہ دیا جائے مثلاً صاحبانِ مردت، اور اربابِ علم کو ان کے شایانِ شان حصہ دے اور مستحق غیر سائل کو پیشہ ور گداگر پر ترجیح دے۔ و علیٰ ہذا القیاس۔

مسئلہ - عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی وصولی پر حاکم شرع کی جانب سے متعین ہوتے ہیں۔ پس ان کو حاکم شرع اسی زکوٰۃ کی بھی سے گذرانا پس عطا فرماتا ہے۔

مسئلہ - مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام کی طرف راغب کرنے یا اسلام پر ان کو ثابت قدم کرنے کے لئے بیت المال سے کچھ دیا جاتا ہے۔

مسئلہ - وہ کینہ و غلام جو سختی و شدت میں ہوں۔ ان کو آزاد کرنے کے لئے بھی ایک حصہ زکوٰۃ سے معین تھا جس کی اب ضرورت ہی نہیں ہے۔

مسئلہ - مستحق زکوٰۃ کی چھٹی قسم مقروض لوگ ہیں۔ یعنی جنہوں نے اپنے جائز ضروری اخراجات کے لئے قرضہ اٹھایا ہو اور اس کی ادائیگی سے قاصر ہوں تو ایسے لوگوں کی زکوٰۃ کے قرضہ سے مدد کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ - اگر ایک شخص کا کسی پر قرض ہو۔ اور جانتا ہو کہ مقروض قرضہ کے ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ مستحق زکوٰۃ بھی ہے۔ تو قرض خواہ اپنی زکوٰۃ مقروض کے قرضہ میں حساب کر سکتا ہے بلکہ اگر مقروض مر بھی جائے تب بھی قرض خواہ وہ قرضہ زکوٰۃ سے حساب کر سکتا ہے۔

مسئلہ - زکوٰۃ کے مستحقین کی ساتویں قسم سبیل اللہ ہے۔ یعنی ہر وہ کام جو خوشنودی خدا کا باعث ہو تو اس میں زکوٰۃ لگ سکتی ہے۔ پس مساجد، امام باڑے و مسافر خانے بلکہ رفاہ عامہ کے لئے جملہ امور اس ضمن میں آسکتے ہیں۔ لیکن ان سب میں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اس دور پر آشوب میں مدارسِ دینیہ کی ترقی و توسیع۔ اور یہ وہ بنیادی ادارے ہیں جن کی بدولت دین اور دین والے

دنیا میں سانس لے رہے ہیں۔ اور انہی کی بدولت زمینِ خدا کلمہ حق سے معمور ہے۔ اور یہ وہ مراکز ہیں جن کا وجود ہر دشمنِ دین کی آنکھوں کا خار ہے۔ پس خیرات و صدقات کی جملہ رقوم زیادہ سے زیادہ انہی اداروں کے حوالہ کی جائے۔ تاکہ حفاظتِ مذہب کی یہ

حصاریں زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو کر ہر قسم کے مخالف و شدید طوفان و تلاطم کا منہ موڑ سکنے میں کامیاب ہوں۔

مسئلہ - مستحقین زکوٰۃ کی آٹھویں قسم ابن سبیل و مسافر ہے۔ اور بعضوں نے اسے مہمان سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو سفر میں اپنا زاد راہ ختم کر چکا ہو۔ اور اعانت کا محتاج ہو۔ پس اس کو زکوٰۃ کے فائدے سے دیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ اپنے وطن میں غنی ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ - زکوٰۃ کو مستحقین کی ان مذکورہ آٹھوں قسموں پر برابر تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ حسب مصلحت کم و بیش دیا جاسکتا ہے نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ زکوٰۃ پوری آٹھ قسموں کو دی جائے بلکہ بعض قسموں کو بھی دی جاسکتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک قسم اور اس میں سے ایک فرد کو بھی دی جاسکتی ہے۔

مستحقین زکوٰۃ کے اوصاف آیت مجیدہ میں اگرچہ یہ پابندی نہیں کہ مستحقین کی شمار کردہ آٹھ صفتوں کے علاوہ کسی اور تیسرے یا صفت کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن چونکہ یہ خداوندی عطیہ ہے۔ لہذا اس کی حدود کا تعین ضروری ہے۔ مخلوق خدا ہونے میں تو سب انسان یکساں ہیں۔ لیکن بعض کے اموال میں سے دوسرے بعض کا حق مقرر کرنا اگر کسی استحقاق معنوی کی بنا پر نہ ہو بلکہ صرف ظاہری فقر وفاقہ کو ہی معیار قرار دیا جائے تو ایک ناقابل فہم مسئلہ بن جاتا ہے۔ اور وہ استحقاق معنوی ہے ایمان۔ جیسا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین بھی اسی بات پر شاہد ہیں۔

۱۔ صحیحہ برید علی۔ کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ اس نے ولادہ آل محمد میں داخل ہونے سے پہلے حج کیا تھا۔ کیا وہ درست ہے تو آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس کے سنی زمانہ کے باقی تمام اعمال ٹھیک ہوں گے سوائے زکوٰۃ کے۔ پس زکوٰۃ اس کو دوبارہ ادا کرنی پڑے گی جو اس نے اصل مستحقین کو نہیں دی تھی۔ کیوں کہ وہ صرف ولادہ آل محمد رکھنے والوں کے لئے ہی ہے۔

۲۔ روایت البصیر۔ کہ اُس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا اگر ایک شخص کے رشتہ دار محتاج ہوں لیکن شیعہ نہ ہوں تو کیا ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اگر ان کو دینا ہے تو زکوٰۃ کے مال کے علاوہ اپنی گاہ سے دے۔ زکوٰۃ کو اپنے مال کی آڑ نہ بنائے۔

۳۔ ایک روایت میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا۔ جب کہ میں بیٹھا تھا اور ایک شخص حاضر خدمت ہوا پس اُس نے عرض کی کہ حضور میں اہل رے سے ہوں۔ اور میرے پاس زکوٰۃ ہے۔ فرمائیے کس کو دوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہمیں دے دیجئے۔ اُس نے عرض کی کہ حضور صدقہ تو آپ پر حرام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب تو ہمارے شیعوں کو دے گا تو گویا تو نے ہمیں دی۔ اُس نے عرض کی۔ مجھے وہ نہیں مل سکتے تو آپ نے فرمایا۔ ایک سال تک انتظار کرو۔ اس نے عرض کی۔ اگر پھر بھی نہ ملیں۔ آپ نے فرمایا۔ دو سال تک انتظار کرو۔ حتیٰ کہ چار سال تک انتظار کا حکم دیا اور اگر پھر بھی نہ مل سکے تو ان کو تھیلوں میں بند کر کے دریا میں پھینک دو۔ کیونکہ خداوند کرم نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے مال ہمارے دشمنوں پر حرام کئے ہیں (حدائق)

دوسری شرط :- بعض علمائے فرمایا ہے کہ مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس میں عدالت پائی جائے اور بعض نے صرف گناہان کبیرہ کے ترک کو شرط قرار دیا ہے۔ اور روایت میں صرف شرابی کو زکوٰۃ نہ دینا وارو ہے۔ بہر کیف زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی جانب سے کوشش کرے کہ ایسی جگہ اس کا پیسہ جائے جہاں سے زیادہ بہتر و موزوں جگہ پر صرف کیا جاسکے۔

تیسری شرط :- زکوٰۃ اس کو دی جاسکتی ہے جو زکوٰۃ دینے والے کے واجب النفقہ افراد میں سے نہ ہو۔ پس زوج و اولاد پر زکوٰۃ نہیں صرف کی جاسکتی۔ اور اسی طرح اولاد کی زکوٰۃ ماں باپ پر بھی نہیں صرف ہو سکتی۔

مسئلہ :- متم والی عورت کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ وہ واجب النفقہ نہیں ہوتی۔

مسئلہ :- نوجو پر اگر زکوٰۃ واجب ہو۔ اور شوہر مستحق ہو تو وہ اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

مسئلہ :- جن رشتہ داروں کی واجب النفقہ ہونے کے علاوہ کفالت و تربیت کرتا ہو۔ ان کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

چوتھی شرط :- غیر سید کی زکوٰۃ سید نہیں لے سکتا۔ اور سید کی زکوٰۃ سید و غیر سید سب لے سکتے ہیں۔

اس زمانہ میں جب کہ مغربیت اور لادینی کے رجحان کے ہمہ گیر سیلاب نے تمام

دنیا والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اور اسلام کے شیدائی کھلانے والے

دورِ حاضر میں زکوٰۃ بہترین مصرف

افراد بھی اس تاثر کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہونا گوارا نہیں کرتے۔ اور دین صرف ان لوگوں کی جاگیر بن کر رہ گیا

ہے۔ جو غربت و افلاس کی بدولت مغربیت کی رنگ رلیوں میں ڈھپسی نہیں لے سکتے۔ تو ایسے پُر آشوب زمانہ میں مدارس

دینیہ کی اہمیت کا اندازہ کرنا نہایت آسان ہے۔ اور یہی وہ مرکز ہیں جو دین و اسلام پر ہر قسم کے حملہ کا منہ توڑ جواب مہیا کر سکتے

ہیں۔ پس ان کی ہر ممکن امداد کرنا چونکہ سب قوم کا فرض ہے۔ لیکن مغربیت کی زد میں بہنے والے افراد ایسے اداروں کا وجود ہی

اپنے لئے بارگراں سمجھتے ہیں۔ لہذا وہ ان میں پیسہ دینا ہی فضول خرچی سمجھتے ہیں۔ پس اکثر فقراء اور شاذ و نادر امر جو دینی امور سے

قدرے دلچسپی لیتے ہیں۔ وہی ہیں ان اداروں کا سرمایہ حیات۔ اسی لئے اگر اپنی گرہ سے نہیں بلکہ قوم واجبہ زکوٰۃ و فطرہ وغیرہ

سے ہی ان مدارس کی اعانت کی جائے تو وہ خاطر خواہ کام کر سکتے ہیں۔ بنا بریں زکوٰۃ کا دورِ حاضر میں مدارس دینیہ کی امداد سے

بہترین مصرف اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس اربابِ خیر کو چاہیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اپنے قریب ترین یا مستحق ترین مدرسہ

دینیہ کو ضرور حصہ دے تاکہ اس کا پیسہ علوم آل محمد کی نشر کا ہوں میں صرف ہو کر اس کے لئے زیادتی ثواب کا باعث بنے

آیت مجیدہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کی آٹھ قسمیں بیان کرتے ہوئے یہ فرق ملحوظ رکھا گیا ہے کہ پہلی چار قسموں

اسرار و رموز

کے لئے لام تملیک کا استعمال کیا ہے۔ اور آخری چار قسموں کے لئے فی کا استعمال ہے جو ظرفیت کے

معنی میں ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے بنیادی مصرف دو ہیں۔ ایک مصالحِ شخصیہ جہاں لام تملیک

کے ذریعہ سے ان کو اپنے حصص کا مالک ظاہر کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مصالحِ عامہ جہاں فی کا استعمال بتاتا ہے کہ یہاں شخصی تملیک

نہیں بلکہ ان کاموں میں بنی نوع انسان کی عمومی خیر خواہی کے لئے زکوٰۃ کا خرچ کیا جاتا ہے۔ گویا اسلام نے شخصی بقاء و ارتقا کے

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أذنٌ طَقْلٌ أذنٌ خَيْرٌ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ

اور بعض ان میں وہ ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کن رسیا ہے کہہ دیجئے اچھا کن رسیا ہے تباہے

بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ

لئے اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مؤمنوں کی مان لیتا ہے اور رحمت ہے ان کے لئے جو تم میں سے ایمان لائے

ساتھ ساتھ نوعی بقا و ارتقا کو برابر ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً سختی میں بسر کرنے والے غلاموں کو اسی فنڈ سے آزاد کر دیا جائے۔ مفروضین کی خبر گیری کی جائے۔ بہمان نوازی کو اپنا شعار بنایا جائے۔ اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں کو (مثلاً پلین بنانا سڑکیں تعمیر کرنا۔ مساجد و مدارس کی بنا وغیرہ) انجام دیا جائے۔

مصالح عامہ میں جہاں فی کا استعمال ہے۔ ان میں سے پھر سبیل اللہ پر فی کا تکرار کر کے اس نوع کی اہمیت کو زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ یعنی شخصی مصالح میں سے اہم ترین مصلحت ہے۔ نوع انسان کی فلاح و بہبودی کے ذرائع پر خرچ کرنا اور اسی کو سبیل اللہ کہتے ہیں یعنی اللہ کی خوشنودی کے طریقے اور ان سب میں سے دین اسلام اور شریعت محمدیہ کی بقا و ارتقا کے مراکز اور ترویج علوم آل محمدؐ کی نشر کا ہوں کا قیام آج کل کی اہم ترین قومی اجتماعی مصلحت ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ توجہ اسی طرف دینے کی ضرورت ہے۔

۲۔ بعض مفترین نے خیالی ظاہر کیا ہے کہ اہم فالاحم کے لحاظ سے اقسام مستحقین کو ترتیب دی گئی ہے۔ اگرچہ اس ترتیب پر عمل کرنا واجب نہیں۔ جیسا کہ اوکا استعمال بتاتا ہے۔ یعنی فقیر اہم ہے مسکین سے۔ اور وہ مقدم ہے عامل سے۔ اور وہ مقدم ہے مولفۃ القلوب سے۔ اسی طرح رفاہ عامہ کے کاموں میں غلام آزاد کرنا سب سے بڑی انسانی خدمت ہے۔ پھر مفروضین کی خبر گیری اور یہ عمومی اداروں کی تشکیل اور عمومی نفع مند سکیموں کی تاسیس سے بہتر ہے۔ اور مسافر کی امداد سب سے اخیر کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن سبیل اللہ پر فی کا تکرار ظاہر کرتا ہے کہ عمومی مصالح سب سے اہم ہیں۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ - شان نزول - مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند منافق ایک جگہ جمع تھے۔ جن میں جلاس بن سوید نامی بھی تھا۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے متعلق نازیبا باتیں کیں۔ پس ان میں سے کسی نے ایسا کرنے سے روکا کہ آنحضرتؐ کو خبر ہوگئی تو ہماری گت بننے لگی۔ جلاس نے کہا اس بات کو چھوڑیے ہم اپنی صفائی پیش کر دیں گے کیونکہ وہ تو ہر ایک کی بات آسانی سے مان لیتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک منافق نے قابل گرفت کلمات کہے۔ اور حضورؐ کو اللہ کی جانب سے اطلاع مل گئی۔ پس آپ نے اس کو بلایا۔ اور پوچھا تو اس نے اپنی بے گناہی کے لئے تمہیں کھائیں۔ پس آپ نے درگزر فرمایا تو وہ حضور کی معافی کو اس غلط انداز میں بیان کرنا تھا کہ وہ تو کن رسیا ہیں۔ یعنی ہر ایک کی سنتے ہیں اور باور کر لیتے ہیں۔ چنانچہ میرے متعلق اس کو شکایت پہنچی تو اس کو من لیا۔ اور مان لیا۔ اور میں نے جا کر تمہیں کھا کر اپنی صفائی پیش کر دی تو میری بات بھی مان لی۔

طَقْلٌ اذُنٌ خَيْرٌ - اس کی ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ اذُنٌ خَيْرٌ مَصْنُوفٌ وَمَصْنُوفٌ اَلَيْهِمْ هِيَ اذُنٌ خَيْرٌ مِمَّا مَخْذُوفٌ كَلِمَةٌ

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۱﴾ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمُ لِبِضْوَكُم

اور جو اذیت دیتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا تمہیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے لئے تمہا کہ تم کو راضی کریں

ٹھوکی اور معنی یہ ہوگا کہ وہ اچھا کن رسیا ہے تمہارے لئے۔ اور یہ موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت ہے۔ چنانچہ بعضوں نے اضافت کے بغیر بھی پڑھا ہے۔

اُذْنٌ کا معنی ہے کان اور مبالغہ کے طور پر انہوں نے آپ کو اُذُن کہا کہ وہ ہر کی سنتے ہیں۔ جس طرح عین کا معنی آنکھ ہوتا ہے اور جاسوس کو مبالغہ کی بنا پر عین کہا جاتا ہے۔ پس یہ اطلاق مجاز مرسل کے طریقہ پر ہے۔

مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ حضور پر کن رسیا ہونے کا عیب لگاتے تھے کہ جس طرح بڑے آدمی یا بادشاہ ہر معتبر و غیر معتبر کی بات پر جلدی سے باور کر لیتے ہیں۔ اور اس پر اثر مرتب کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔ حضور بھی اسی طرح کانوں کے کپے ہیں۔ بس جس نے جو بات کہہ دی فوراً مان لی تو خداوند کریم ان کی ترویج میں فرماتا ہے کہ بے شک رسول ہر کی بات کو سنتا ہے جو اچھی ہو۔ اور جبری بات نہیں سنتا۔ اور جبر بات سنتا ہے یا مانتا ہے وہ تمہارے فائدہ کے پیش نظر ایسا کرتا ہے۔

فائدہ ۱۰۔ علمائے اصول نے اس آیت مجیدہ کو خبر واحد کی جمعیت کی دلیل قرار دیا ہے کہ خداوند کریم اپنے حبیب کی مدح فرما رہا ہے کہ وہ مومنوں کی بات سنتے ہیں۔ اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس مومن کی بات کی تصدیق خبر واحد کے قبول کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اور آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ اور مومنوں کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔ یعنی اللہ کی تصدیق اولی و ذاتی حیثیت سے ہے اور مومنوں کی تصدیق ثانوی و عرضی حیثیت سے ہے کہ ان کی بات اس لئے مانتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور غالباً اسی پر یونین کے لفظ کو مکرر بیان فرمایا۔ نیز اللہ کے ساتھ حرف با اور مومنوں کے لئے حرف لام استعمال کرنے کی بھی یہی مصلحت ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنا ذاتی و اولی حیثیت رکھتا ہے اور دلیل و برہان کے ماتحت ہے لیکن مومنوں کی بات ماننا ان کی رعایت کے لئے ہے۔ اور ان کی دلجوئی کی خاطر ہے اور یہی وجہ ہے کہ مومن کی ہر بات سنی جاتی ہے۔ لیکن اس پر اثر مرتب کرنے کے شرائط اس کے علاوہ ہیں۔ مثلاً گواہی میں ایک مومن کی بات پر عمل نہیں کیا جاتا نیز کچھ مومن اگر کسی کی شکایت کریں۔ اور وہ خود اپنی عذر داری پیش کر دے تو باقی مومنوں کی بات کو رد کر کے اس کی عذر خواہی کو پذیرائی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ہر کیف مومنوں کے لئے اس کا وجود رحمت ہے اور وہ ان کی باتوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اور منافقوں کو کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے اذین خیر ہے باہر معنی کہ باوجود ان کی قلبی امراض پر مطلع ہونے کے ان سے اچھا برتاؤ اور مسلمانوں کا سا سلوک کرتا ہے اور اکثر اوقات ان سے درگزر فرماتا ہے۔ اور ان کے عذر بھی قبول فرمایا کرتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ۔ مفتی محمد عبدہ نے اپنی تفسیر منار میں ذکر کیا ہے کہ ایذا رسول کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو انکار رسالت کی وجہ سے ہو۔ اور یہ کفر ہے۔ اور دوسری وہ جو اقرار رسالت کے بعد بعض ناروا حرکات و سکنات و اقوال و کردار کی وجہ سے ہو۔ اور یہ حرام ہے اگرچہ کفر نہیں پھر آگے چل کر کہتا ہے کہ

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

حالاً کہ خدا اور رسول زیادہ حقدار تھے کہ یہ ان کو راضی کرتے اگر وہ مومن ہوتے

يُجَادِدِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَأَنْ لَهُ نَارُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

اور اس کے رسول کی حدوں سے تحقیق اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی رسوائی ہے

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضور کی رحلت کے بعد ان کو ایذا دینا مثل اسی ایذا کے ہے جو زمان زندگی میں آپ کو دی جائے مثلاً اس کی ازواج سے شادی کرنا یا حضور کے والدین یا اہل بیت کے متعلق ایسی باتیں کرنا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً ناراض ہوتے اور یہ باتیں گناہ ہیں۔ کفر نہیں۔ اور بے شک ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کوئی ایسی بات نہ کرے جس کے متعلق اسے علم یا ظن ہو کہ حضور ہوتے تو ناراض ہوتے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذاتی اور مالی تنازعات میں بھی آل و عزت سے بغیر کی ایذا سہرا م ہو کیونکہ ہر سکتا ہے کہ جو آل کی طرف نسبت کا دعویٰ ہے۔ وہی درحقیقت غلطی پر ہو۔ اور گنہگار ہو اور اس ساری تمہید کو ایک مطلب کی طرف کیخچ لایا ہے۔ چنانچہ تھوڑا سا آگے چل کر لکھتا ہے کہ جناب فاطمہ اہل بیت کی عورتوں کی سردار بلکہ عالمین کی عورتوں کی سردار (مثل ریم) کو صیدیق اکبر سے ایذا پہنچی (جو کہ ان کے باپ کو تمام مردوں میں سے محبوب تر تھا۔ جیسے کہ وہ خود تمام عورتوں میں سے محبوب تر تھیں) اور ایذا کی وجہ یہ تھی کہ جو حضور کی طرف سے بطور میراث ملنے کا ان کو ظن تھا وہ اس نے نہ دیا یہ عذر کہہ کے کہ میں ان کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں اور ان کی شریعت کی پاسداری کرنے والا ہوں۔ اور میں نے اپنے کانوں آپ سے سنا تھا کہ نبی کا وارثہ کوئی نہیں ہوتا۔ اور جو وہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ پس اس (ابوبکر) کا حضور کی وصیت پر عمل کرنا ایذا نہیں ہو سکتا۔ لہذا بی بی کو جو ایذا پہنچی ان کی طرف سے نہیں تھی۔ الخ۔ تفسیر مدارج ۱۰ ص ۶۵۔

فخر الدین رازی اور اہل سنت کے اکثر اکابر علماء نے کوشش کی ہے کہ خاتونِ جنت اور ابوبکر کے درمیان باہمی نزاع کو صلح و صفائی سے ختم کر دیا جائے اور ناراضگی و رنجش کا ذکر ہی درمیان میں نہ آئے۔ چنانچہ غضب اور دہشت کی تاویلیں کی گئیں اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ خاتونِ جنت بعد میں راضی ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ ہم نے تفسیر انوار النہج کی چوتھی جلد ص ۱۲۵ پر ذکر کیا ہے۔ مگر زمانہ سے ہر بعد میں آنے والا گذشتگان کی باتوں میں حدت پیدا کرتا ہی رہتا ہے۔ اور سابقہ اعتراضات چونکہ اس کی نیکیا ہوں میں ہوتے ہیں۔ لہذا ہر ایسا اعتراض سے بچنے کی نیت سنی راہیں پیدا کرنا علمی تفرق کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ مفتی محمد عبد نے دیکھا کہ فریقین میں صلح و صفائی کا ڈھنڈورا سمجیدہ طبائع کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ نیز بخاری شریف کی تصریح موجود ہے کہ مرتے دم تک بوجہ ناراضگی کے بی بی نے ابوبکر سے کلام تک نہ کیا۔ اور یہ کہ بی بی کے جنازہ اور دفن میں بھی ان کو شریک نہ کیا گیا تو ان خلفائے کے پیش نظر صلح و صفائی کا اعلان تو صرف مضحکہ خیز ہی ہے۔ لہذا معاملہ کو رفع و رفع کرنے کی خاطر یہ ایک نئی چال ہے کہ قرآن کے تہدیدی فرمان سے بھی گلو خلاصی ہو جائے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے (جو بھی رسول کو اذیت دینا

ہے۔ اس کے لئے دردناک عذاب ہے اور حدیث پیغمبر ہے۔ الفاطمة بضعة منی من اذاها فذقد اذانی کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی۔ اور عوام کی آنکھوں میں بھی وصول ڈالی جاسکے۔ حالانکہ یہ بے چارہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بی بی کو ناراض کرنے والا یقیناً رسول کا موزی ہے۔ اور اسی آیت مجیدہ کی رو سے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لیکن اس کو چونکہ اکابر کی دیکھا دیکھی پر اپنا پیش رو مان لیا ہے۔ لہذا اسے اور اپنی جان کو دوزخ سے بچانے کا اپنے نفس کو اور عوام کو دھوکا دیتے ہوئے یہ سب نہ تلاش کیا ہے کہ بی بی کی ناراضگی غلط فہمی پر مبنی تھی۔ لہذا اس ایذا کا البوکیر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ بی بی کی پاکدامنی پر دھبہ لگتا ہے۔ کیونکہ ان کو حقیقت معلوم نہ تھی۔ اور وجہ یہ بتلائی ہے کہ البوکیر نے رسول اللہ سے سنا تھا کہ تم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

امام مخزومین رازی کے اعتراف کے مطابق بی بی نے اس حدیث کے جواب میں یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ کی آیت پڑھی تھی کہ خداوند کریم نے ہر اولاد کو اپنے والدین کا وارث قرار دیا ہے۔ اور قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جو اس عام حکم کی تخصیص کرتی ہو کہ نبیوں کے علاوہ باقی لوگوں کے لئے یہ حکم ہے بلکہ قرآن مجید میں تو اس کی تائیدیں ملتی ہیں کہ مثلاً سلمان داؤد کا وارث ہوا۔ اور ذکریا نے اپنے لئے وارث کی دعا مانگی تھی وغیرہ۔ پس جب آیت میں وراثت کا حکم عام ہے تو خبر واحد اس حکم کو کیسے ترک کر سکتی ہے۔ حالانکہ علماء کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ خبر واحد قرآن کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔

نیز وراثت کا تعلق اولاد سے ہوا کرتا ہے یا اقربا سے۔ پس اگر رسول نے یہ حکم جاری کرنا تھا کہ ہماری جاؤ اور شہ میں نہیں جایا کرتی تو بطور وصیت کے اپنے جائز وارثوں کو بلا کر فرماتے اور سجاتے کہ دیکھو ہمارا کوئی وارث نہیں ہوا کہ تا بلکہ نبیوں کا ترکہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ لہذا تم لوگ وراثت کا سوال نہ اٹھانا۔ اور کوئی عام سے عام انسان بھی ایسی غلطی نہیں کرتا کہ وصیت کا جن لوگوں سے تعلق ہوا ان سے اشارہ بھی ذکر نہ کرے۔ اور غیر متعلق لوگوں کو ساری باتیں سمجھا دے۔ پس رسول کریم پر ضروری تھا کہ امت کے اختلافات کا سدباب کرتے ہوئے اپنی اکلوتی بیٹی کو فرما کر جاتے کہ دیکھو میرا شہ میں جھگڑا نہ کرنا۔ اور یقیناً اگر آپ فرما کر گئے ہوتے تو فدک کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اور بی بی یہ اقدام ہرگز نہ کرتی۔ اور امت کا شیرازہ نہ بکھرتا۔ اور اگر صاف صاف نہیں تو کم از کم اتنا تو کہہ جاتے کہ میں وراثت کے متعلق فلاں صاحب کو تفصیل بتا چکا ہوں لہذا ان کی بات پر باور کر لینا۔ پس حیرت در حیرت ہے کہ اس قدر ضروری مسئلہ کو اپنے متعلقین پر واضح نہ فرمایا اور البوکیر کو بتلا گئے۔ اور بطور وصیت فرما گئے۔ بقول محمد عبدہ کے۔ حالانکہ تاریخ وفات رسالت مآب کا مطالعہ رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ آخری ایام میں اور بالخصوص آخری اوقات میں آل بیت کسی وقت بھی حضور سے الگ نہیں ہوئے۔ البتہ صحابہ کے کسی نہ کسی وقت دُور رہنے کا امکان قرین قیاس ہے۔ اور واقع بھی۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے بعد کا ایک زبردست تنازعہ فیصلہ اپنی پوری امت میں سے ایک شخص کو بتا گئے جب کہ اہل و عترت بھی موجود تھی۔ اور دوسرے اکابر صحابہ بھی موجود تھے۔ اور کسی نے بھی حضور کا یہ فرمان نوٹ نہ کیا۔ اور تاریخ میں یہ بھی کہیں نہیں ملتا کہ آپ نے آخری اوقات میں سے کسی وقت ان سے خلوت میں باتیں

يَحْذَرُ الْمُنْفِقُونَ أَنْ تَنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ

ڈرتے ہیں منافق کہ ان سے ان پر کوئی سورہ جو بتا دے ان کو وہ چیز جو ان کے دلوں میں ہے

کی ہوں تاکہ یہ احتمال دیا جاسکے کہ ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی۔ بہر کیف یہ اور اس قسم کے مفروضہ افسانوں اور اعذار بارہ کی خدا کے سامنے کوئی وقعت نہیں۔ اور مفتی محمد عبدہ کے دل میں یہ بات کھٹک رہی ہے کہ نبی کی ایذا رسول کی ایذا بنتی ہے۔ اور آیت مجیدہ کی رو سے وہ عذاب الیم کے حقدار ہیں۔ اور اسی خلش کے پیش نظر تو انہوں نے ایذا فاطمہ کا مسئلہ یہاں خواہ مخواہ چھیڑا ہے ورنہ اس مسئلہ کو یہاں چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ سچ ہے رچر کی ڈاڑھی میں تنکا، اس کے بعد اس نے شیعوں پر برسے کی کوشش کی۔ اور ان کو خوب کوسا۔ اور ان کا کوئی جرم نہیں سوائے اس کے کہ ان کو آل رسول سے محبت ہے اور وہ آل رسول پر تشدد کرنے والوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ اُسے پتہ نہیں کہ محبت محمد و آل محمد میں وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہیں کہ اس جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر شیعوں کو نشانہ ظلم و تشدد بنانے والے اپنی انتھک کوششوں کے باوجود شیعوں کے اس جائز احتجاج کو نہیں دبا سکے۔ ہاں ایک دن ضرور آئے گا کہ شیعہ قوم کا دارث آئے گا۔ اور ان کے اس احتجاج کی قیمت پڑے گی۔ اللہم عجل فی فرج آل محمد۔

يَحْذَرُ الْمُنْفِقُونَ - شان نزول ان آیات کا یہ ہے جیسا کہ تفاسیر علمائے شیعہ میں مذکور ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر چند منافقوں نے حضور کے قتل کی تجویز بنا لی تھی۔ اور وادی عقبہ میں آکر وہ چھپ گئے تھے کہ اگر حضور کو پتہ چل گیا تو ہم کہیں گے کہ ہم لہو و لعاب اور گپ و شپ اڑا رہے تھے اور اگر ان کو پتہ نہ چلا تو اچانک حملہ کر کے ان کو قتل کر دیں گے۔ غار نے آپ کی سواری کی باگ پکڑی ہوئی تھی۔ اور حذیفہ پیچھے سے ہانک رہا تھا کہ اُسے پاؤں کی آہٹ اور تلواروں کا بھنکار معلوم ہوا تو اس نے ان کو دھتکارا۔ چنانچہ وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے چونکہ تاریکی تھی اور انہوں نے بھی سر نہ لپیٹ رکھا تھا۔ اس لئے جب حضور نے پوچھا کہ تم نے سچا نام کون کون تھے؟ تو اس نے عرض کی کہ نہیں حضور! پس آپ نے بارہ آدمیوں کے نام گن دیے۔ پس حذیفہ نے عرض کی کہ حضور! ان کو بلا کر قتل کر دیا جائے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ عرب جن کو حقیقت کا پتہ نہیں کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو دھوکے سے قتل کر دیا ہے۔ لہذا ان کو جانے دیجئے۔ بہر کیف اس سے قبل کی آیتوں میں گزرا ہے کہ وہ مومنوں سے عذر خواہی کرتے ہیں تاکہ وہ ان سے راضی ہوں۔ اور خدا فرماتا ہے کہ ان کے لئے مناسب تھا کہ سچا ایمان لاکر خدا کو راضی کرتے۔ اور اس کے رسول کو راضی کرتے یعنی **دَالِلَةٌ أَحَقُّ أَنْ يُسَئِرَ صَوْلاً** وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُسَئِرَ صَوْلاً۔ اور قرینہ کی وجہ سے واللہ کی خبر کو محذوف کر دیا گیا۔ اور خدا و رسول کو رضا مند کرنے پر ان کو حدود خداوندی کے توڑنے والا ظاہر کر کے آخرت کی عظیم رسوائی سے ڈرایا بھی گیا۔ اور یہ سارا قصہ تسلسل آیات کے لحاظ سے غزوہ تبوک سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اس جگہ فرماتا ہے کہ منافقوں کے دلوں میں یہ خدشہ بدستور تھا کہ ہمارے متعلق کوئی سورہ نازل ہوگا۔ اور ہمارے قلبی حالات کا مسلمانوں کو پتہ چل جائے گا۔ اور ہم رسوا ہوں گے۔ لہذا اپنی ظاہری خیر خواہی جتلانے کے

قُلِ اسْتَهْزِؤْا اِنَّ اللّٰهَ مَخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا

کہہ دیجئے کہ مسخری کو تحقیق اللہ ظاہر کرے گا اس کو جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر ان سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ بجز اس کے نہیں ہم

كُنَّا نَحْوُصٌ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰتِيهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤْنَ ﴿۶۵﴾

ترکب مار رہے تھے کہہ دیجئے کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے تم مسخری کرتے ہو

لَا تَعْتَدِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اٰيٰمَانِكُمْ اِنْ نَعَفَ عَنْ طٰٓئِفَةٍ مِّنْكُمْ

عذر نہ کرو تحقیق تم کافر ہو چکے بعد ایمان لانے کے اگر ہم معاف کریں ایک گروہ کو تم سے

باوجود بھی وہ مطمئن نہ تھے۔ اور وادی عقبہ میں جو انہوں نے کھیل کھیلا یا وقتاً فوقتاً جو کرتوت کرتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ بزرگیہ وحی ان سب باتوں کی قلعی کھل جائے گی۔ اور ہم رسوا ہوں گے اور علیہم میں علیٰ ہرگز کے لئے جس طرح اس کے برعکس لام نفع کے لئے آیا کرتا ہے۔

قُلِ اسْتَهْزِؤْا - یعنی ان منافقوں سے کہہ دو کہ بے شک تم مسخری کر لو۔ خدا تمہارے سارے حالات کو جانتا ہے اور جس سے تم کو ڈر ہے وہ ہو کے رہے گا کہ تمہارے نفاق کا پردہ چاک ہو گا اور تم رسوا ہو گے۔

لَا تَعْتَدِرُوْا - جب رسالت آج نے ان کو بلا کر پوچھ آ تو قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ ہم بے گناہ ہیں۔ اور ہمارا ارادہ ہمارا نہیں تھا تو خدائے علام کی طرف سے ارشاد ہوا کہ ان سے کہہ دیجئے۔ اب عذر خواہی نہ کرو تم ظاہری ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہو چکے ہو۔ اور عذاب خداوندی سے بچ نہیں سکتے۔ ہاں اگر کسی نے صدق دل سے توبہ کر لی تو اس کو ہم معاف کر دیں گے لیکن توبہ نہ کرنے والوں کو ضرور عذاب ہو گا۔

تفسیر صفائی میں بروایت قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ مومن تھے۔ اور بعد میں شک و نفاق کی وجہ سے مرتد ہو گئے تھے۔ وہ چار آدمی تھے۔ پس ان میں سے ایک نے واقعی طور پر توبہ کر لی۔ اور حضور نے اس کا پہلا نام تبدیل کر کے عبد اللہ رکھا۔ پس اُس نے دعا کی کہ اے پروردگار مجھے شہادت کی موت نصیب فرما کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ پس اس کی دعا مستجاب ہوئی اور میا مر کے دن شہید ہوا۔ اور کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔

اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور سیاق آیات بھی اسی کا متقاضی ہے کہ منافق لوگ غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے آیات قرآنیہ اور اسلام و مسلمانوں پر پھبتیاں کہتے ہوئے جا رہے تھے۔ اور ایسی باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے جو اسلام دشمنی کی آواز سمجھی جاسکتی تھی۔ پس حضور نے عمار کو بھیجا کہ کیا کہہ رہے تھے تو انہوں نے کہا حضور ہم تو آپس میں گپ شپ مار رہے تھے تب یہ آیتیں آئیں۔

یہ کہیں یہ آیات صرف انہی لوگوں کے لئے نہیں بلکہ تاقیامت تمام لوگوں کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے ہمیں عبرت ہیں کہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کہیں ہم تو خدا و رسول کے احکام اور آیات قرآنیہ سے مسخری کے مرتکب

نَعَذِبُ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ

تو عذاب دیں گے ایک گروہ کو اس لئے کہ مجرم ہیں منافق مرد و عورتیں

بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَنكِرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ

بعض ان کا دوسرے بعض میں سے ہے کہ امر کرتے ہیں برائی کا اور روکتے ہیں نیکی سے اور ہاتھ بند رکھتے

أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَّ اللَّهُ

ہیں انہوں نے خدا کو بھلایا پس اس نے ان کو بھلا دیا تحقیقی منافق ہی فاسق ہیں وعدہ کیا اللہ نے

الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكُفَّارِ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ

منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہی ان کو کافی ہے

وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ

اور اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے عذاب دائمی ہوگا (نہاری حالت) مثل ان کے ہے جو تم سے پہلے تھے کہ وہ تم

نہیں ہوتے۔ اگر نہیں تو خدا کا شکر بجالائیں۔ لیکن اگر یہ مرض دل میں ہے تو اس کا توبہ سے علاج کریں اور عذاب نفاق سے بچنے کی کوشش کریں۔

الْمُنْفِقُونَ۔ اس آیت میں منافقوں کی پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ بعض بعض سے ہیں۔ یعنی ان کی سیرت و خصلت ایک دوسرے

رِكَوْعٌ نَمْبَرٌ ۱۵۔ منافقوں کی نشانیاں

کے بالکل مشابہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ایک دوسرے سے ایک جان دو قالب کی حیثیت سے ہیں۔

(۲) یہ کہ وہ برائی کا امر کرتے ہیں (۳) یہ کہ وہ نیکی سے روکتے ہیں (۴) اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔ یعنی راہ خدا میں خرچ

نہیں کرتے (۵) اور یہ سب جراثیم اور غرابوں کی جڑ ہے کہ وہ اللہ کو بھلا چکے ہیں۔ پس کسی بد اعمالی سے روکنے کا ان میں

احساس ہی نہیں رہا۔ اسی لئے بعد میں تعمیم کر دی کہ منافق ہی ہیں فاسق۔ یعنی اللہ کو بھلا دینے کے بعد وہ اپنے آپ کو مطلق العنان

سمجھتے ہیں۔ لہذا ہر قسم کا فسق ان سے متوقع ہے۔

حدیث نبوی میں دارو ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ بات کا جھوٹا۔ وعدہ کا کچا اور امانت کا خائن۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس میں چار علامتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ان سے ایک پائی جائے تو اس

میں نفاق کا حصہ ہوگا۔ بات کا جھوٹا۔ وعدہ کا کچا۔ عہد میں عذر کرنے والا اور جھگڑے کے وقت گالی دینے والا۔

وَعَدَّ اللَّهُ۔ یہاں منافق مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ بھی مردوں کے دوش بدوش نفاق و کفر

مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ أَكْثَرَ أَمْوَالًا وَّ أَوْلَادًا فَاسْتَعْوَجَلُوا فِيهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

سے زیادہ قوی اور زیادہ مالدار، صاحب اولاد تھے۔ پس انہوں نے فائدہ اٹھایا اپنے حصے کا پس تم نے بھی فائدہ اٹھایا

بِخَلْقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلْقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي

اپنے حصہ کا جس طرح فائدہ اٹھایا تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ (دنیاوی) کا اور تم بھی اسی میں گھس گئے جس میں وہ

خَاضُوا وَاُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاُولَئِكَ هُمُ

گھسے تھے ان کے عمل برباد ہوئے دنیا و آخرت میں اور وہی ہیں خسارہ

الْخٰسِرُونَ ﴿٦٩﴾ اَلَّذِيْنَ هُمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدُ

پانے والے کیا نہیں پہنچی ان کو خبر اپنے سے پہلے لوگوں کی قوم نوح اور عاد اور ثمود

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدِيْنٍ وَاَلْمُؤْتَفِكِ اَتَمَّ رَسُوْلَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور وہ بستیاں جن کو اٹھایا گیا جن کے پاس رسول واضح دلیلیں لے کر

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ لَيُظْلَمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَاَلْمُؤْمِنُوْنَ

آئے تھے پس اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اور مومن مرد

میں حصہ لیا کرتی ہیں۔ جس طرح کہ ایمان میں ان کا حصہ ہوا کرتا ہے۔ اور منافقوں کے بعد کفار کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ عذاب خداوندی

میں خالص کفار سے منافقوں کا حصہ زیادہ ہے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک کافروں سے بدتر ہیں۔ اس لئے استحقاق عذاب میں بھی

ان کو مقدم کیا۔ اور لعنت میں بھی ان کا بمقام پہلے قرار دیا۔

أَمْوَالًا وَّ أَوْلَادًا - اس آیت مجیدہ میں صیغہ غائب سے اعراض کر کے صیغہ مخاطب استعمال فرمایا کہ اے منافقو!

تمہاری حالت ایذا رسول میں ایسی ہے جس طرح تم سے پہلے کے کفار و منافقین کی تھی بلکہ وہ تم سے مال و اولاد و ثروت میں زیادہ

تھے۔ پس انہوں نے نعمات خداوندی کو لذات دنیاویہ اور خواہشات نفسانیہ میں ہی خرچ کیا۔ پس انہوں نے اپنا حصہ یہاں دنیا

میں پورا کر لیا۔ اور تم بھی انہی کی طرح لذات دنیاویہ میں مہلک ہو کر اپنا حصہ وصول کر رہے ہو۔ جس طرح انہوں نے کیا تھا

اور کفر میں ڈوب گئے ہو۔ جس طرح وہ ڈوبے تھے۔ پس ان کے اچھے اعمال کا نہ کوئی دنیا میں صلہ ہے کہ وہ قابل مدح ہوں

اور نہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ ہے کہ وہ کافر تھے۔ اور تمہاری بھی وہی حالت ہے۔ پس یہاں ظاہری لذات ہی ان کے

اعمال کا بدلہ ہو گئیں۔

الَّذِي خَاضُوا - میں فزا کے نزدیک الَّذِي مصدر یہ ہے جیسے ما مصدر یہ ہوا کرتا ہے یعنی خَاضُوا اَلْخَوْضِ هُمْ

وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور عورتیں بعض بعض کے اولیاء ہیں نیکی کا امر کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور

النِّكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ ورسول کا حکم مانتے ہیں

أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۱﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ

ان لوگوں پر اللہ عنقریب رحم کریگا تحقیق اللہ غالب و دانا ہے وعدہ کیا اللہ نے مومن مردوں

وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٍ

اور عورتوں سے باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانات

طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرَ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۴۲﴾

کا جو جنات عدن میں ہوں گے اور اللہ کی رضا بہت بڑی چیز ہے اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے

الْمَايَاتِهِمْ ۚ پھر خطاب سے غائب کی طرف رجوع کرتے ہوئے منافقوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ گذشتہ اقوام

کی تباہی سے بھی عبرت و نصیحت نہیں کپڑتے کہ ان کا کیا حشر ہوا تھا۔ اصحابِ مدین حضرت شعیب کی قوم تھی۔ جن کا ذکر تفسیر کی چھٹی جلد میں گذر چکا ہے۔ اور منافقات سے حضرت لوط کی امت کی تین بستیاں مراد ہیں۔ جن کو عذاب میں گرفتار کیا گیا۔ اور راتوں رات جبریل نے ان کو الٹا دیا تھا۔

علاماتِ مومن بَعْضُهُمْ ۚ آیت مجیدہ میں مومنین کی چھ علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ اور یہ اُن کے کمالِ خلوص کی نشانی ہے کہ ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں اور یہ بات منافقت میں نہیں پائی جاتی (۲) امر بالمعروف کرنا (۳) نہی عن المنکر (۴) نماز کا قائم کرنا (۵) زکوٰۃ ادا کرنا (۶) یہ خصلت تمام خصائلِ حمیدہ اور اوصافِ فاضلہ کی جڑ ہے کہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہیں۔ لہذا ہر قسم کی نیکی ہی ان سے متوقع ہو سکتی ہے۔ پس ان پر خدا رحم فرمائے گا۔ اور یہ منافقوں کی علامت کے مقابلہ میں ہے کہ وہ خدا کو بھلا چکے ہوتے ہیں۔ اور پھر خدا بھی ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یا یہ کہ جہنم میں ڈال کر ان کی پرواہ نہ کرے گا۔ اور خدا کے ان کو بھلا دینے کا یہی مطلب ہے۔ اور بخلاف اس کے مومن خدا ورسول کی اطاعت سے گریز نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو ہر وقت خدا یاد دہناتا ہے۔ پس اس کے بدلہ میں خدا بھی ان کو یاد رکھتا ہے۔ یعنی ہر وقت ان پر نگاہِ رحم و کرم فرماتا رہتا ہے۔ جس طرح دوسری جگہ فرماتا ہے فاذا كفوني اذكركم وني اذكركم کہ تم مجھے یاد کرو۔ تو میں تمہیں یاد کروں گا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ

اے نبی جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ

وَبِسِّمِ الْمَاصِيِرِ ۝ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ

ہے اور بری بازگشت ہے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا حالانکہ وہ کلمہ کفر کہہ چکے ہیں بعد

كُفْرًا وَابْعَدُوا إِسْلَامَهُمْ وَهُمْ أُولُوا مَا نَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ

اسلام لانے کے اور انہوں نے ارادہ کیا وہ جو نہ پاسکے اور انہوں نے نہیں انتقام لیا مگر اس بات کا کہ ان کو خدا

وَعَدَ اللَّهُ ۝ منافقوں کے لئے جہنم کا وعدہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں مومنوں کے لئے جنت کا وعدہ ہے اور آخر میں

منافقوں پر لعنت بھیجی اور مومنوں کو اپنی جانب سے رضوان کی پیش کش فرمائی۔ ان کے لئے عذاب مقیم تھا۔ اور ان کے لئے نوز عظیم ہے۔

عَدْنِ ۝ اس کا لغوی معنی ہے ٹھہرنا قیام کرنا باب ضرب یعنی ہے۔ اور معدن کا لفظ اسی سے مشتق ہے معدن

جوہر یعنی جوہر کے ٹھہرنے کی جگہ۔ پس یہاں بھی اسی مناسبت سے جنات کو عدن کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی ایسے باغات جن میں ہمیشہ ٹھہرنا ہوگا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ۝ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے کفار اور منافقین دونوں گروہوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا

لیکن جناب رسالت مآب نے اپنی زندگی میں صرف کفار سے ہی جہاد جاری رکھا۔ اور کبھی منافقین سے جہاد نہ کیا۔ گویا حکم کے ایک حصہ پر عمل کیا اور دوسرے حصہ پر عمل نہ کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کے تین جواب ہیں۔

پہلا جواب۔ جہاد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جہاد بالسيف اور دوسرا جہاد باللسان۔ پس حضور نے کفار سے جہاد فرمایا۔

پہلے زبان سے اور اس کے بعد تلوار سے۔ لیکن منافقوں سے ساری عمر زبان سے ہی جہاد فرماتے رہے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ منافقوں سے کیوں نہ تلوار سے جہاد کیا۔ جب کہ زبانی جہاد کارگر ثابت نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ

منافق لوگ ظاہری طور پر توجید و رسالت کا اقرار کر چکے تھے۔ اور صرف اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ اور کافروں کے ساتھ

جہاد کرتے وقت خواہ دل سے یا بدولی سے مومنوں کے دوش بدوش میدان جنگ میں بھی حصہ لیتے تھے۔ جس سے مومنوں کی

جمعیت میں اضافہ کر کے کفار پر رعب کا باعث بنتے تھے۔ پس اگر حضور ان سے بھی جہاد کرتے تو جہاں ایک طرف کفار

کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت پر اثر پڑتا۔ وہاں دوسری طرف کفار کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی کہ حضور صرف اوتار

وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكْ خَيْرَ الْهَمِّ وَإِنْ يَتُوبُوا يَعِدْ بِهِمُ اللَّهُ

اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پس اگر توبہ کریں تو ان کے لئے خوب ہوگا اور اگر انکار کریں تو عذاب دے گا خدا

عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٤٤﴾

ان کو دردناک عذاب دنیا و آخرت میں اور نہ ہوگا ان کا زمین میں کوئی ولی و مددگار

وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنُ مِنَ

اور ان میں سے بعضوں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے تو ضرور صدقہ دینگے اور نیک

الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٥﴾ فَلَمَّٰ اٰتٰهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۗ

بندوں میں سے ہو جائیں گے پس جب اس نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا تو بخل کرنے لگے اور پھر گئے وعدے سے اعراض کرتے ہوئے

دنیاوی کے لئے لوگوں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ اور جب ان کا اقتدار تسلیم کر لیا جاتا ہے تو انہوں کو بھی تہ تیغ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ پس وہ لوگ اس قسم کی باتوں سے اسلام کو بدنام کرتے۔ نیز حضور کی تلوار سے بچ نکلنے والے منافق بھی اسی قسم کا پروپیگنڈا کرتے جو اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی میں رخنہ کا موجب ہو جاتا۔ پس اسی مصلحت کی بنا پر ان سے درگزر ہی مناسب سمجھا اور زبانی جہاد پر اکتفا فرمائی۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ جاحد باب مفاعلہ سے ہے جو طرفین کے اقدام پر دلالت کرتا ہے۔ چونکہ کافروں نے اقدام کیا لہذا حضور نے جوابی کارروائی کی۔ لیکن منافقوں نے نہ اقدام کیا اور نہ حضور نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ اگر یہ بھی ایسا کرتے تو یقیناً ان سے بھی تلوار سے جہاد کیا جاتا جس طرح کہ حضور کے قائم مقام حضرت علیؑ سے جو لوگ نہ اُلجھے ان سے جہاد نہ کیا اور جو اُلجھے ان کو دندان شکن جواب دیا گیا جیسا کہ جنگ جمل وصفین و نہروان کی تاریخیں گواہ ہیں۔

تفسیر احزاب۔ جو تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت کے دونوں حصوں پر اس طرح عمل ہوا کہ حضور بنفس نفیس کفار سے لڑے۔ اور آپ کے وحی منافقین سے لڑے۔ اور علیؑ کا جہاد بھی چونکہ جہاد رسول تھا لہذا علیؑ کے جہاد کو ساتھ ملا کر نبی کی جانب سے آیت مجیدہ کے دونوں حکموں پر عمل ہو گیا۔ جلد ۴ سورہ تحیم کی تفسیر میں مزید ملاحظہ فرمائیں۔

يَخْلَفُوْنَ ۗ غزوة تبوک سے واپسی پر یا اسی موقع پر بعض منافقین نے رسالت مآب کے حق میں ناسزا لفظا کہے جب حضور نے اس کو بلا کر پوچھا تو وہ قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا تھا۔ آیت مجیدہ میں خدا اس کی مذمت فرما رہا ہے۔

لَمْ يَنَالُوا ۗ غزوة تبوک سے واپسی پر چند منافقوں نے حضور کے قتل کی تجویز مرتب کی تھی۔ اور ان کی تعداد

فَاعْتَبِهِمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَنَدَبُوا

پس نتیجہ میں دیا ان کو نفاق دلوں میں ملاقات کے دن تک بوجہ اس کے کہ خلاف کیا انہوں نے اللہ سے اپنے وعدہ کا اور بوجہ

كَانُوا كَاذِبُونَ ﴿۹۸﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَ

بھوٹ بولنے کے کیا وہ نہیں جانتے کہ تحقیق اللہ جانتا ہے ان کی پوشیدہ و ظاہر باتوں کو اور

بارہ یا پندرہ تھی۔ حضرت عمار اور حذیفہ حضور کے ہمراہ تھے۔ خداوند کریم نے حضور کو کافروں کی نیت بد سے مطلع کر دیا تھا چنانچہ وہ منافق ناکام ہوئے۔ اور حضور بال بال پنج گئے۔ اور آپ نے حذیفہ کو وہ نام بھی بتا دیے۔ اس مقام پر ملا محمد عبدہ نے تفسیر سنار میں داؤدی عقبہ میں منافقین کا درپے قتل رسول ہونا مختلف تاریخوں سے نقل کیا ہے۔ اور آخر میں بروایت طبرانی ان بارہ منافقوں کے نام بھی گنوا دیے۔ اور آخر میں عذریہ پیش کیا ہے کہ میں نے یہ بارہ نام اس لئے ذکر کر دیے ہیں تاکہ شیعہ لوگوں کو دوسرے اچھے صحابہ پر طعن کرنے کا موقع نہ ملے۔ وہی چور کی ڈاٹھی میں تشکا والی بات ہے۔ جب رسول کے نیک صحابہ کا کسی نے نام ہی نہیں لیا اور نہ کسی کی جرأت ہے کہ رسول کے صحابہ پر زبان طعن دراز کرے تو ایسے حالات میں خواہ مخواہ کسی کے متعلق ڈھنڈورا پیٹنا کہ دیکھو فلاں پر بدگمانی نہ کرنا کیونکہ وہ بڑا نیک ہے تو درحقیقت اس قسم کے اعلانات لوگوں کو اس شخص پر بدگمان ہونے کی دعوت ہوا کرتے ہیں۔ خدا ایسے عقلمند طبقے سے پناہ دے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ان بارہ میں سے آٹھ قرشی تھے۔ اور چار دوسرے قبائل عرب میں سے تھے۔

وَمَا نَقَمُوا ۙ یعنی جو لوگ رسول کے قتل کے درپے ہوئے یا جنہوں نے حضور کے حق میں نازیبا الفاظ کہے۔ انہوں نے اپنی ضمیمہ فردوسی اور محسن کشی کا ثبوت فراہم کیا تھا کیونکہ یہ لوگ قبل از اسلام خاقوں مرتے تھے کبھی پیٹ بھر کر ان کو کھانا نصیب ہی نہ ہوا تھا۔ پس جب اسلام کا بول بالا ہوا تو اسلامی حروب میں حضور کے قدم جگہ بہ جگہ فتح و نصرت نے چوم لئے تو کفار سے اس قدر مال عنایت ان لوگوں کو دست یاب ہوا کہ غنی ہو گئے اور فاقہ مستی کے بعد یک دم دولت مند اور غنی ہو جانا اللہ کا فضل و کرم اور اس کے رسول کا فیض تھا۔ پس ان کو چاہیے تھا کہ خدا کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے۔ اور اس کے رسول کی غلامی کو اپنا سرمایہ زندگی تصور کرتے۔ لیکن انہوں نے اپنی نااہلیت کا ثبوت دیا۔ اور یکبار غنی ہونے میں وہ آپ سے باہر ہو گئے۔ اور اٹھا اپنے محسن کے درپے ایذا و قتل ہو گئے۔ پس گویا انہوں نے اپنے اوپر خدا و رسول کے انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنے کی بجائے انتقام لیا جو انتہائی خست اور کینگی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ ذُكِّرُوا نَزْلًا مِّنْ رَبِّهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۹۹﴾

ثعلبہ کا واقعہ جو انصار سے تھا۔ اُس نے خدمت نبوی میں درخواست کی کہ خدا مجھے اپنے فضل و کرم سے مالدار کرے آپ میرے لئے دعا فرمائیے۔ حضور نے جواب میں فرمایا۔ اے ثعلبہ تھوڑے مال پر شکر ادا کرنا اس زیادہ مال سے اچھا

أَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

تحقیق اللہ غیبوں کے جاننے والا ہے؟ وہ جو طعنہ زنی کرتے ہیں مومنین میں سے خیراتی صدقہ دینے والوں پر اور

فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ

ان پر جو نہیں پاتے مگر اپنی حیثیت مطابق پس یہ مسخری کرتے ہیں ان سے تو خدا ان کو

ہے۔ جس کا شکر ادا نہ کیا جائے تو میری اتباع کر۔ مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ہم کباب ہو کر چلیں۔ پس وہ خاموش ہو کر چلا گیا۔ پھر ایک دن حاضر ہو کر کہنے لگا۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے مالدار کر دے۔ اور مجھے اُس پروردگار کی قسم جس نے آپ کو نبوت عطا فرمائی ہے۔ میں حقوق مالیہ ضرور ادا کروں گا۔ پس آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی جو مستجاب ہوئی۔ پس اُس نے بکریاں خریدیں جو کھڑوں مکوڑوں کی طرح بڑھنے لگیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا مال اس قدر بڑھ گیا کہ مدینہ میں نہ سما سکتا تھا۔ پس مجبوراً وادی میں چلا گیا۔ اور پھر اس قدر بڑھا کہ اُسے مدینہ سے دور جانا پڑا۔ حتیٰ کہ جمعہ و جماعت کی سعادت سے محروم ہو گیا۔ پس جب حضور نے زکوٰۃ کی طلب کے لئے تاصد بھیجے تو اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ پس حضور نے افسوس ظاہر فرمایا اور آیت مجیدہ میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور انجام کار اس کا یہ ہوا کہ وہ منافقوں کی فرست میں درج ہو گیا۔ اور بخل و عہد شکنی نے نتیجہً اس کو نفاق دے دیا اور بقتضائے فرمانِ خداوندی وہ توبہ پر موقی نہ ہو سکا۔ اور یہ سب کچھ اس کی عہد شکنی کی ہی منشا تھی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ثعلبہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر مالدار ہو جاؤں تو اس سے صدقہ کرونگا اور ہر صاحبِ حق کو حق دوں گا۔ چنانچہ اس کا ایک چچا زاد جو بڑا مالدار تھا۔ فوت ہو گیا۔ اور سوائے اس کے اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں تھا۔ پس اس کا سب مال بطورِ وراثت کے اس کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور یہ مالدار بن گیا۔ لیکن اپنے کئے و عدوں سے منحرف ہو کر منافق بن گیا۔ اور ممکن ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہوں۔

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضور کے پاس عبد الرحمن بن عوف صدقہ کے لئے ایک تھیلی روپوں کی بھر لایا۔ اور عقبہ بن زید حارثی ایک صاع کھجور لے آیا۔ اور عرض کی کہ حضور! میں نے باغ میں مزدوری کی ہے۔ اور مجھے دو صاع ملے ہیں۔ پس ایک صاع بچوں کے لئے گھر میں رکھا ہے۔ اور دوسرا صاع حضور کے پیش خدمت ہے۔ یہ سن کر منافقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عبد الرحمن بن عوف نام نمود چاہتا ہے۔ لہذا یہاں کی خاطر اُس نے تھیلی پیش کی ہے۔ اور خدا کھجور کے ایک صاع سے بے نیاز ہے۔ پس زیادہ دینے والے کو ریا کا طعنہ دیا۔ اور تھوڑا دینے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ اور خدا اسی کا ذکر فرما رہا ہے کہ مومنین میں سے جو غیر ہیں ان پر بھی طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اور جو اپنی محنت کے اندازے سے تھوڑا دینے پر قادر ہیں ان کو حقارت آمیز لہجہ سے خطاب کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ جو اپنی کمائی میں سے بچا کر

اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٩﴾ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ

اس کا بدلہ دے گا اور اس کے لئے عذاب دردناک ہوگا ان کے لئے بخشش طلب کرو یا نہ کرو برابر ہے اگر ان

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا

کے لئے بخشش ستر مرتبہ بھی طلب کرو تو ہرگز نہ بخشے گا خدا ان کو کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کیساتھ

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٥٠﴾

کفر کیا اللہ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا

غربت و افلاس کے باوجود دیا جائے۔

وعظ و عبرت۔ صرف ان منافقوں کا ذکر پڑھ سُن کر خود عبرت حاصل نہ کرنا انتہائی نا عاقبت اندیشی ہے۔ کیا دورِ حاضر میں اربابِ خیر پر اس قسم کے الزامات نہیں عائد کئے جاتے۔ نیز غربا کے عطیوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اگر ایسا ہے تو اپنی اس باطنی مرض کی طرف توجہ دینی ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات تا قیام قیامت تر آنے والے مسلمان کو صحیح راستہ کی نشان دہی کرتی ہیں۔ پس نیک نصیب ہے وہ انسان جو ان تعلیمات کو دل میں جگہ دے اور عمل کی سعادت حاصل کرے۔

سَخَّرَ اللَّهُ مِنْهُمْ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا ان کو مسخری کی سزا دے گا۔ ورنہ خدا تو کسی سے مسخری نہیں کرتا۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ تفسیر منج الصادقین میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی کالڈ کا جس کا نام عبد اللہ تھا۔ مخلص مومنوں میں سے تھا۔ جب اُس کا باپ بیمار ہوا تو خدمتِ پیغمبر میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور! میرے باپ کے لئے دعا کیجئے تو یہ آیت اتری کہ آپ اُن کے لئے دعا کریں یا نہ کریں دونوں صورتیں برابر ہیں بلکہ اگر ستر بار بھی دعا کریں تو خدا ان کو نہیں بخشے گا۔ اور ستر مرتبہ کا لفظ کثرت ظاہر کرنے کی ایک تعبیر ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے ہزار مرتبہ یہ بات کہی یا پسیوں بار یہ کہا تو اس قسم کی تعبیروں سے وہ عدد خاص طور پر مقصود نہیں ہوا کرتا۔ پس یہاں بھی مقصد یہ ہے کہ آپ خود کتنی بار ان کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ کافر تھے۔ اور خدا ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

نیتِ جہد۔ آیت مجیدہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ منافق ہوں ان کے لئے رسول کی منہ مانگی دعا بھی قابلِ قبول نہیں۔ لہذا ان کا رسول کے ساتھ رہن سہن اور اٹھ بیٹھ ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ پس اگر مومن ہو گا تو رسولِ مخلص نام لے کر اس کے لئے دُعا نہ فرمائیں۔ تب بھی وہ مومنوں کے ساتھ خدا کے کئے وعدہ میں شریک ہوگا۔ اور جنتِ عدن میں بظاہر مضمون سابقہ آیات کے اس کو ٹھکانا ملے گا۔ خواہ وہ مومن عربی ہو یا جمعی صحابی ہو یا غیر صحابی۔ اور اپنا قریبی ہو یا بیگانہ۔ نیز رسول کے پاس کبھی بیٹھا ہو یا اسے کبھی یہ اتفاق نہ ہوا ہو۔ لیکن بخلاف اس کے اگر منافق ہو گا تو خواہ عربی ہو صحابی ہو قریبی ہو۔ پاس بیٹھنے والا ہو حتیٰ کہ رسول منہ بول کر بھی اس کے لئے خدا سے رضا طلب کرے تو کار آمد نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ دوسرے لوگ خدا کی رضا مندی کا اس کے لئے پروانہ لئے پھریں۔

فَرِحَ الْمَخْلُفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا

خوش ہوئے پیچھے چھوڑے ہوئے اپنے بیٹھ رہنے پر پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا جہاد کرنا

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرْقِ نَارِ جَهَنَّمَ

اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں اور کہنے لگے کہ نہ کوچ کرو گرنی میں کہہ دیجئے دوزخ کی آگ

أَشَدَّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا

بہت سخت گرم ہے کاش وہ سمجھتے ہوتے پس ہنس لیں مختصر سی مدت اور روئیں بہت مدت

رکوع نمبر ۷۔ فَرِحَ الْمَخْلُفُونَ۔ غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے جن منافقوں نے چھٹی مانگ لی تھی اور حضور نے ان کو پیچھے چھوڑا تھا۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہیں۔ یہاں خِلَافَ کے دو نومعانی جائز ہیں۔ ایک تو خِلَافَ خَلْفَ سے یعنی جن کو پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ اور دوسرے خِلَافَ مَخَالَفَتَ کے معنی میں یعنی جن کو پیچھے چھوڑا گیا۔ وہ جناب رسالت مآب کی رضی کے خِلَافَ گھر بیٹھ رہنے پر خوش ہیں۔

وَقَالُوا۔ یہ قول ان کا اپنا باہمی مکالمہ ہے کہ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ گرمی میں نہ نکلو یا یہ کہ مومنوں کو جنگ سے باز رکھنے کے لئے کہتے تھے۔

فَلْيَضْحَكُوا۔ تبصیر صغیرہ امر سے کی گئی ہے۔ اور اس کا معنی خبر کا ہے۔ یعنی ان کو ہنسا تھوڑا نصیب ہوگا۔ اور رونانا کا طویل و پامدار ہوگا۔ اور اس کی تین وجوہ ہیں۔

۱۔ یعنی اگر یہ لوگ حقیقت کو سمجھیں کہ جہاد کو ترک کرنے میں ان کو ملا کیا ہے۔ اور ان سے فوت کیا کچھ ہوا ہے کہ دنیا میں ذلت و غلامی ملی۔ اور آخرت میں عذاب دائمی حاصل ہوا۔ اور جنت کی نعمات کھو بیٹھے۔ پس یہ سمجھنے کے بعد ان کا ہنسا تھوڑا رہ جائے گا۔ اور رونا طویل ہوگا۔

۲۔ یا یہ کہ بذریعہ وحی ان کی منافقت کا پردہ چاک ہونے کے بعد مسلمانوں کے دلوں سے ان کا وقار ختم ہو گیا۔ لہذا ان کی دنیاوی زندگی بھی مگر اور گندلی ہو گئی کہ نکالین زیادہ بڑھ گئیں۔ اور خوشی کے مواقع بہت کم رہ گئے۔

۳۔ یہ کہ اس موقع سے قبل مسلمانوں کے ساتھ مل کر جو ان کو خوشی کے مواقع دستیاب تھے۔ اب رسوائی کے بعد بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ اور نعماتِ اخرویہ سے محرومی کا رونا تو بے کیف دائمی ہے ہی۔

فَإِنْ دَجَعَلَكُمُ اللَّهُ جُنُودًا لِّمَنْ يَرْتَدُّ عَنْ آلِ الْكَافِرِينَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ تَبَدَّلَ مَقْعَدُ الْكُفْرَانِ إِلَى الْبَيْتِ الْمُقَدَّسِ لَمَنْ يَرْجُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُوا بِلَاغٍ كَبِيرٍ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِدُ بِمَا لَيْسَ بِنَبَأٍ سَمِعْنَا وَلَا نَحْمِلُ مَا تُحْمَلُونَ لَخَبَرْنَا بَعْدَ وَجْعَتِكُمْ فِيهِ وَلَكِنْ لَا تَذَكَّرُونَ أَلَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ آيَاتٍ أَنْ تَتَّقُوا اللَّهَ أَنْ تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا آيَاتِهِ فَجَاءَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً لِمَنْ كَفَرَ بِالْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

جَزَاءٍ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸۲﴾ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ

بدلہ اس کا ہے جو وہ کماتے ہیں پس اگر تمہیں خدا پٹنائے طرف ان کی جماعت کے پس

فَأَسْتَأْذِنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَّنْ نُّخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ

وہ آپ سے کوچ کی اجازت چاہیں تو کہہ دیجئے کہ ہرگز نہ نکلو میرے ہمراہ بالکل اور ہرگز نہ لڑو میرے ساتھ

عَدُوًّا وَإِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَلْفِيْنَ ﴿۸۳﴾

دشمنوں سے کیونکہ تم خوش ہوئے بیٹھے رہنے پر پہلی مرتبہ پس بیٹھے رہو ساتھ پیچھے رہنے والوں کے

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا

اور نہ نماز جنازہ پڑھیے ان پر جو مر جائے بالکل اور نہ ٹھہریے اس کی قبر پر تحقیق وہ کافر ہیں

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تَوَاوَهُمُ نَسِئُونَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تَعْبِكُمْ أَمْوَالُهُمْ وَ

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مرتے ہیں درحالیکہ فاسق ہیں اور نہ تم کو تعجب میں ڈالیں ان کے مال اور

أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَرْهَقَ أَنفُسُهُمْ

اولادیں سوائے اس کے نہیں کہ خدا چاہتا ہے کہ ان کو عذاب دے انہی کی بدولت دنیا میں اور نکلیں ان کی روہیں

ہرگز نہ نکلو کیونکہ ہمیں تمہارے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس تم گھر بیٹھے ہی بھلے ہو۔

وَلَا تُصَلِّ - اس سے قبل دستور تھا کہ منافقوں پر مسلمانوں کے احکام جاری کئے جاتے تھے۔ اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی تھی۔ لیکن غزوہ تبوک کے بعد یہ حکم اتنا ہی نازل ہوا کہ ان میں سے مرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لئے دعا کرو۔

صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب بعض لوگوں کا جنازہ پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔ اور بعض لوگوں کا جنازہ چار تکبیریں پڑھتے تھے۔ پس جب کسی پر چار تکبیریں پڑھتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ یہ منافق تھا۔

دوسری روایت میں آپ سے ہی منقول ہے کہ جناب رسالت مآب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو پہلی تکبیر کے بعد شہادتین۔ دوسری تکبیر کے بعد صلوات انبیاء پر۔ تیسری تکبیر کے بعد مومنوں کے لئے دعا۔ چوتھی تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا۔ اور پانچویں تکبیر پڑھ کر ختم کر دیتے تھے لیکن جب منافقوں پر جنازہ پڑھنے سے ممانعت ہوئی تو پہلی تکبیر کے بعد

وَهُمْ كُفْرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ أَنْ أَمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهَدُوا مَعَ

در حالیکہ وہ کافر ہوں اور جب اترے کوئی سورہ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ رسول

رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الظُّلْمِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۸۶﴾

کے تو چھٹی مانگتے ہیں جو ان میں سے مالدار ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دینے تاکہ کچھ بیٹھے والوں میں ہوجائیں

رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۸۷﴾

وہ راضی ہیں کہ ہوں ساتھ کچھ بیٹھے والیوں کے اور مہر لگائی گئی ان کے دلوں پر پس وہ نہیں سمجھتے

لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأَوْلِيَاءَك

لیکن رسول اور وہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں سے اور اپنی

لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأَوْلِيَاءُكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸۸﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَذَبَتِ تَجْرِي

کے لئے ہی خوبیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں ان کے لئے تیار کئے ہیں اللہ نے باغات

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۸۹﴾ ع

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے

شہادتیں دوسری کے بعد صلوات انبیاء پر اور تیسری کے بعد دعائیں مومنین کے لئے اور چوتھی تجسیم پر ختم کر دیتے تھے اور

میت کے لئے دعا نہیں مانگتے تھے۔ یعنی مومن کا جنازہ پانچ تکبیریں اور منافق کا چار تکبیروں سے پڑھا کرتے تھے۔ اور

اسی مضمون کی روایتیں اہل سنت کی کتب صحاح ستہ میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صحیح ترمذی میں صحت طور پر ہے کہ

حضور مومن کا جنازہ پانچ تکبیروں سے پڑھا کرتے تھے۔ پس جنہوں نے حضور کو پانچ تکبیریں پڑھاتے دیکھا وہ پانچ پڑھتے

ہیں۔ اور جنہوں نے حضور کو چار تکبیریں پڑھاتے دیکھا وہ اب بھی چار پڑھا لیتے ہیں۔

وَإِذَا - یعنی منافقوں کا دتیرہ ہو گیا تھا کہ جب کبھی ان کو دعوت جہاد دی جاتی تو ان میں سے مالدار عذر خواہی کرتے

تھے کہ ہمیں گھر میں رہنا دیا جائے گویا ان کا خدا اور رسول کی فرمائشات پر ایمان ہی نہیں تھا۔

الْخَوَالِفِ - خالِفہ کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں جو گھر میں رہیں اور مردوں کے لئے بھی یہ استعمال ہوا ہے بطرح خالِفٌ وَخَالِفَةٌ

اور مذکر کے لئے فاعل کا صیغہ صرف دو مقام پر فواعل کے وزن پر آیا ہے۔ ایک فارس کی جمع فارس

اور دوسرے حالک کی جمع صواک۔ برکین اس جگہ خالِف سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام نے معذور قرار دے کر گھر میں

بیٹھے رہنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ مثلاً بچے۔ بوڑھے۔ عورتیں اور بیمار لوگ۔

وَجَاءَ الْمَعْذِرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ

اور آگئے عذر کرنے والے بدوش ہیں سے کہ ان کو بیٹھنے کی اجازت ملے اور (بلا عذر) بیٹھ گئے وہ جنہوں نے جھٹلایا اللہ

وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ

اور اس کے رسول کو تو پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں۔ ان میں سے عذاب دردناک نہیں۔ نہیں اور پر کزوروں کے

عَلَى الضُّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ

اور اوپر بیماریوں کے اور نہ اوپر ان کے جو نہیں رکھتے خچر

خَرَجَ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ

کوئی حرج جب کہ وہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کی نہیں ہے اور احسان کرنے والوں کے گرفت اور خدا

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ

بٹھنے والا رحم کرنے والا ہے اور نہ حرج ہے اور ان کے جو تیرے پاس آکر سواری طلب کرتے ہیں اور تو فرماتا ہے کہ

مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا

نہیں میرے پاس کہ تمہیں سوار کروں اور وہ واپس جاتے ہیں درحالیکہ ان کی آنکھیں روتی ہیں آنسو غم کے کہ وہ نہیں رکھتے

مَا يَنْفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ

خچر بس گرفت ان لوگوں پر ہے جو تجھ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ دولت مند ہیں

رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

وہ خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والیوں میں رہ جائیں اور مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بس وہ نہیں جانتے

الْخَيْرَاتِ - ان منافع کو کہا جاتا ہے۔ جو انسان کے لئے سکون کا فائدہ دیں۔ مثلاً حبین و جمیل عورتیں۔ اور دیگر

نعماتِ خداوندی۔ پس دنیا میں بھی خدا کی طرف سے مومنوں پر احسانات و کرامات کا نزول ہوتا ہے۔ اور آخرت میں نعماتِ

جنت بھی انہی لوگوں کے لئے ہیں۔ پس دنیا و آخرت کی دونوں زندگیوں میں ان کو کامیابی حاصل ہو گئی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ

سب سے بڑی کامیابی ہے۔

رکوع نمبر ۱۸۔ وَجَاءَ الْمَعْذِرُونَ - گویا تخلف کرنے والوں کے دو گروہ تھے جن کی اس آیت میں نشاندہی ہے۔ ایک گروہ وہ تھا جنہوں نے جنگ میں نہ جانے کے لئے معذرت کرتے ہوئے اجازت مانگ لی تھی۔ اور دوسرا

گروہ جو بغیر اجازت کے جنگ میں شرکت کرنے سے پیچھے رہا تھا۔

لَبِئْسَ مَرُومٍ ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی میں نابینا ہوں۔ اور میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے لے جائے تو آپ خاموش ہوئے۔ اور یہ آیت اتری۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ - مروی ہے کہ سات آدمی حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! ہم مجبور ہیں۔ جی چاہتا ہے لیکن خرچ نہیں اور سواری نہیں کہ جاسکیں تو حضور نے فرمایا کہ سواری تو میرے پاس بھی نہیں کہ تمہیں دس سکوں۔ پس وہ مایوس ہو کر روتے ہوئے واپس گئے اور یہ آیت اُن کے حق میں اتری۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ غزوہ تبوک میں آپ کے ہمراہ تیس ہزار مجاہد گئے تھے جن میں سے صرف دس ہزار سوار تھے۔

پارہ ۱۰

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ لَكُمْ قَدْ

عذر پیش کرتے ہیں تمہارے سامنے جب تم پلٹے ان کی طرف کہہ دیجئے عذر پیش نہ کرو۔ ہم نہ مانیں گے تمہاری (کوئی بات) ہمیں بتا دی

نَبَأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ

ہیں خدانے تمہاری باتیں اور عنقریب دیکھے گا خدا تمہارا عمل اور اس کا رسول پھر پٹائے جاؤ گے طرف

إِلَى عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيُخَلِّفُونَ

غیب و شہادت کے جاننے والے کے پھر تمہیں بتائے گا جو تم عمل کرتے ہو وہ خدا کی

بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَتُعَرِّضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ

قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے جب پلٹو گے ان کی طرف تاکہ درگزر کرو ان سے پس ان سے منہ پھیر لو تحقیق وہ

رَجِسٌ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾ يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا

نجس ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ اس کا جو وہ کسب کرتے ہیں قسمیں کھاتے ہیں تمہارے سامنے تاکہ

عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾

راضی ہو جاؤ ان سے پس اگر تم راضی بھی ہو جاؤ ان سے تو اللہ تو راضی نہ ہوگا فاسق لوگوں سے

رُكُوعِ نَمْرًا - يَعْتَذِرُونَ - سَمَقُلُ هَبْ كَهْ وَهْ انْشِي شَخْصٌ تَحْتَهُ جُورًا وَجُودًا لَدَارِ هَوْنَةٍ كَهْ عَذْرُكَ كَهْ بِيْطِيْهِ كَهْ - اُوْر خُذَا اِهْنِي كَهْ

متعلق فرماتا ہے کہ جب تم واپس جاؤ گے تو وہ عذر داریاں پیش کریں گے لیکن ان کو کورا جواب دے دینا کہ ہم تمہارا عذر قبول کرنے

کے لئے تیار نہیں کیونکہ خدا نے ہمیں تمہاری حقیقتِ حال سے خبر دے دی ہے۔

فَسَيُؤَيُّ اللَّهُ - یعنی اگر تم صحیح معنوں میں معذرت پیش کر رہے ہو تو عنقریب اس کی قلعی بھی کھل جائے گی کہ آیات تم سچ

تائب ہو اور اپنی سابقہ چالوں سے باز آچکے ہو یا صرف زبانی ہی زبانی باتیں بناتے ہو۔ یعنی تمہارے آئندہ کے اعمال و کردار تمہاری

عذر داریوں کی حقیقت کو واضح کر دیں گے۔

سَيُخَلِّفُونَ - یعنی وہ قسمیں کھا کر تمہیں کہیں گے کہ ہم سے درگزر کرو۔ یعنی ہمیں رسوا نہ کرو۔ تو اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ

ان کی باتوں میں سے ایک نہ سنو۔ اور ان کو اپنے سے دور رکھو۔ اور کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ نہ کرو۔ اور ان سے بچو۔ جس طرح

نجس چیز سے بچا جاتا ہے۔

لَتَرْضَوْا - یعنی وہ تم کو قسم دیں گے کہ راضی ہو جاؤ لیکن میرا یہ فیصلہ ہے کہ تم راضی ہو یا نہ ہو میں تو ان لوگوں پر ہرگز راضی

نہ ہوں گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی راضی نہ ہونا۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے برداشت کرے تو خدا خود بھی اس سے راضی ہوگا اور لوگوں کو بھی اس سے راضی رکھے گا لیکن جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا۔ اُس پر اللہ بھی ناراض ہوگا۔ اور لوگوں کے دلوں میں بھی اس کی ناراضگی ڈال دیگا۔

تفسیر جامع جلد ۳ میں اس طرح مذکور ہے کہ جب جنگ حنین کے بعد ملک عرب بت پرستی کی آلائش سے پاک ہو گیا تو حضور کی خواہش ہوئی کہ ملک شام کو یونان دروم کو حکومت سے آزاد کر کے ان کو اسلامی تعلیمات سے نوازا جائے۔ اور ایسی اثناء میں ایک گشتی خبر مدینہ میں عام ہو گئی کہ رومی لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جبار لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی فوجیں محض میں داخل ہو چکی ہیں۔ پس حضور اکرم نے اپنے صحابہ کو جہاد کی ترغیب دی۔ اور لوگوں کو جانی و مالی قربانی کا حکم دیا۔ اور اسی مضمون پر مشتمل ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حمد و ثناء پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! سب سے اچھا اور سچا کلام قرآن ہے۔ انسان کا بلند ترین کردار تقویٰ ہے۔ سب سے بہترین ملت۔ ملت ابراہیم ہے۔ اور عمدہ ترین سنت میری سنت ہے۔ ثنابت قدمی اور پاؤں ڈاری اچھا عمل ہے۔ اور تزلزل و سستی بدترین کردار ہے۔ پیغمبر کی راہنمائی بہترین ہدایت ہے۔ اور دین خدا کے لئے شہادت بہترین موت ہے۔ نابینا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہی کو اختیار کرے۔ اچھا عمل وہ ہے جو سود مند ہو۔ اچھا راستہ وہ ہے جو پیروی کے قابل ہو۔ بدترین اندھا وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں بند ہوں۔ کریم و سخی ہاتھ لعیم و بخیل ہاتھ سے بلند تر ہے۔ وہ تھوڑا مال جو کفایت کر سکے۔ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو سرکش بنا دے۔ بدترین عذروہ ہے جو موت کے وقت یاد آئے۔ سخت ترین پریشانی قیامت کی پریشانی ہے۔ یقین جانے کہ جھوٹ بڑا گناہ ہے۔ اور اچھی بے نیازی وہ ہے جو نفس کو قوت بخشنے۔ عمدہ ترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ بلند ترین حکمت و دانائی خوف خدا ہے۔ دل کا بہترین نظر یہ یقین پروردگار ہے اور زمان جاہلیت کے افعال زشت اور کردار بد سے توبہ کرنا ہے۔ شعر کہنا اور خیالات کو مرتب کرنا و سوسہ شیطانی ہے۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال گناہوں کی اصل ہے۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ جوانی جنون و دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔ بدترین کسب سود خوری اور کثیف ترین غذا مال تیمم کا کھانا ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو نصیحت کو قبول کرے۔ بد بخت وہ ہے جو شکم مادر سے بد بختی لے کر آئے۔ اے لوگو! تم میں سے کسی کو بھی چار ذراع زمین سے زیادہ نصیب نہ ہوگی۔ انجام تمہارا قیامت ہے۔ عمل کا وارد مدار انجام پر ہے۔ جو چیز یقیناً آنے والی ہے۔ اُسے نزدیک تر سمجھو۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے مومن کا گوشت کھانا دگلا کرنا گناہ ہے۔ مومن کے مال کی حرمت اُس کے خون کی حرمت کی مثل ہے۔ جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کی کفایت کرتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جو شخص درگزر کرے وہ لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتا ہے جو شخص اپنے غصہ کو پی نے وہ خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہے۔ چپ رہنے والے کو خدا اس گناہ جرتی ہے اور نافرمان کو عذاب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے لئے اور حاضرین کے لئے دعا بخش فرمائی۔

لوگوں نے جب یہ خطبہ سنا تو آمادہ جہاد ہوئے۔ چنانچہ عرب کے اکثر قبائل جنگ تبوک کے لئے اعلان سنتے ہی پینچنا شروع

کے لئے اور ایسی اثناء میں ایک گشتی خبر مدینہ میں عام ہو گئی کہ رومی لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جبار لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی فوجیں محض میں داخل ہو چکی ہیں۔ پس حضور اکرم نے اپنے صحابہ کو جہاد کی ترغیب دی۔ اور لوگوں کو جانی و مالی قربانی کا حکم دیا۔ اور اسی مضمون پر مشتمل ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حمد و ثناء پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! سب سے اچھا اور سچا کلام قرآن ہے۔ انسان کا بلند ترین کردار تقویٰ ہے۔ سب سے بہترین ملت۔ ملت ابراہیم ہے۔ اور عمدہ ترین سنت میری سنت ہے۔ ثنابت قدمی اور پاؤں ڈاری اچھا عمل ہے۔ اور تزلزل و سستی بدترین کردار ہے۔ پیغمبر کی راہنمائی بہترین ہدایت ہے۔ اور دین خدا کے لئے شہادت بہترین موت ہے۔ نابینا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہی کو اختیار کرے۔ اچھا عمل وہ ہے جو سود مند ہو۔ اچھا راستہ وہ ہے جو پیروی کے قابل ہو۔ بدترین اندھا وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں بند ہوں۔ کریم و سخی ہاتھ لعیم و بخیل ہاتھ سے بلند تر ہے۔ وہ تھوڑا مال جو کفایت کر سکے۔ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو سرکش بنا دے۔ بدترین عذروہ ہے جو موت کے وقت یاد آئے۔ سخت ترین پریشانی قیامت کی پریشانی ہے۔ یقین جانے کہ جھوٹ بڑا گناہ ہے۔ اور اچھی بے نیازی وہ ہے جو نفس کو قوت بخشنے۔ عمدہ ترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ بلند ترین حکمت و دانائی خوف خدا ہے۔ دل کا بہترین نظر یہ یقین پروردگار ہے اور زمان جاہلیت کے افعال زشت اور کردار بد سے توبہ کرنا ہے۔ شعر کہنا اور خیالات کو مرتب کرنا و سوسہ شیطانی ہے۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال گناہوں کی اصل ہے۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ جوانی جنون و دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔ بدترین کسب سود خوری اور کثیف ترین غذا مال تیمم کا کھانا ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو نصیحت کو قبول کرے۔ بد بخت وہ ہے جو شکم مادر سے بد بختی لے کر آئے۔ اے لوگو! تم میں سے کسی کو بھی چار ذراع زمین سے زیادہ نصیب نہ ہوگی۔ انجام تمہارا قیامت ہے۔ عمل کا وارد مدار انجام پر ہے۔ جو چیز یقیناً آنے والی ہے۔ اُسے نزدیک تر سمجھو۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے مومن کا گوشت کھانا دگلا کرنا گناہ ہے۔ مومن کے مال کی حرمت اُس کے خون کی حرمت کی مثل ہے۔ جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کی کفایت کرتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جو شخص درگزر کرے وہ لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتا ہے جو شخص اپنے غصہ کو پی نے وہ خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہے۔ چپ رہنے والے کو خدا اس گناہ جرتی ہے اور نافرمان کو عذاب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے لئے اور حاضرین کے لئے دعا بخش فرمائی۔

لوگوں نے جب یہ خطبہ سنا تو آمادہ جہاد ہوئے۔ چنانچہ عرب کے اکثر قبائل جنگ تبوک کے لئے اعلان سنتے ہی پینچنا شروع

کے لئے اور ایسی اثناء میں ایک گشتی خبر مدینہ میں عام ہو گئی کہ رومی لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جبار لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی فوجیں محض میں داخل ہو چکی ہیں۔ پس حضور اکرم نے اپنے صحابہ کو جہاد کی ترغیب دی۔ اور لوگوں کو جانی و مالی قربانی کا حکم دیا۔ اور اسی مضمون پر مشتمل ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حمد و ثناء پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! سب سے اچھا اور سچا کلام قرآن ہے۔ انسان کا بلند ترین کردار تقویٰ ہے۔ سب سے بہترین ملت۔ ملت ابراہیم ہے۔ اور عمدہ ترین سنت میری سنت ہے۔ ثنابت قدمی اور پاؤں ڈاری اچھا عمل ہے۔ اور تزلزل و سستی بدترین کردار ہے۔ پیغمبر کی راہنمائی بہترین ہدایت ہے۔ اور دین خدا کے لئے شہادت بہترین موت ہے۔ نابینا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہی کو اختیار کرے۔ اچھا عمل وہ ہے جو سود مند ہو۔ اچھا راستہ وہ ہے جو پیروی کے قابل ہو۔ بدترین اندھا وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں بند ہوں۔ کریم و سخی ہاتھ لعیم و بخیل ہاتھ سے بلند تر ہے۔ وہ تھوڑا مال جو کفایت کر سکے۔ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو سرکش بنا دے۔ بدترین عذروہ ہے جو موت کے وقت یاد آئے۔ سخت ترین پریشانی قیامت کی پریشانی ہے۔ یقین جانے کہ جھوٹ بڑا گناہ ہے۔ اور اچھی بے نیازی وہ ہے جو نفس کو قوت بخشنے۔ عمدہ ترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ بلند ترین حکمت و دانائی خوف خدا ہے۔ دل کا بہترین نظر یہ یقین پروردگار ہے اور زمان جاہلیت کے افعال زشت اور کردار بد سے توبہ کرنا ہے۔ شعر کہنا اور خیالات کو مرتب کرنا و سوسہ شیطانی ہے۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال گناہوں کی اصل ہے۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ جوانی جنون و دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔ بدترین کسب سود خوری اور کثیف ترین غذا مال تیمم کا کھانا ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو نصیحت کو قبول کرے۔ بد بخت وہ ہے جو شکم مادر سے بد بختی لے کر آئے۔ اے لوگو! تم میں سے کسی کو بھی چار ذراع زمین سے زیادہ نصیب نہ ہوگی۔ انجام تمہارا قیامت ہے۔ عمل کا وارد مدار انجام پر ہے۔ جو چیز یقیناً آنے والی ہے۔ اُسے نزدیک تر سمجھو۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے مومن کا گوشت کھانا دگلا کرنا گناہ ہے۔ مومن کے مال کی حرمت اُس کے خون کی حرمت کی مثل ہے۔ جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کی کفایت کرتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جو شخص درگزر کرے وہ لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتا ہے جو شخص اپنے غصہ کو پی نے وہ خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہے۔ چپ رہنے والے کو خدا اس گناہ جرتی ہے اور نافرمان کو عذاب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے لئے اور حاضرین کے لئے دعا بخش فرمائی۔

لوگوں نے جب یہ خطبہ سنا تو آمادہ جہاد ہوئے۔ چنانچہ عرب کے اکثر قبائل جنگ تبوک کے لئے اعلان سنتے ہی پینچنا شروع

کے لئے اور ایسی اثناء میں ایک گشتی خبر مدینہ میں عام ہو گئی کہ رومی لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جبار لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی فوجیں محض میں داخل ہو چکی ہیں۔ پس حضور اکرم نے اپنے صحابہ کو جہاد کی ترغیب دی۔ اور لوگوں کو جانی و مالی قربانی کا حکم دیا۔ اور اسی مضمون پر مشتمل ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حمد و ثناء پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! سب سے اچھا اور سچا کلام قرآن ہے۔ انسان کا بلند ترین کردار تقویٰ ہے۔ سب سے بہترین ملت۔ ملت ابراہیم ہے۔ اور عمدہ ترین سنت میری سنت ہے۔ ثنابت قدمی اور پاؤں ڈاری اچھا عمل ہے۔ اور تزلزل و سستی بدترین کردار ہے۔ پیغمبر کی راہنمائی بہترین ہدایت ہے۔ اور دین خدا کے لئے شہادت بہترین موت ہے۔ نابینا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہی کو اختیار کرے۔ اچھا عمل وہ ہے جو سود مند ہو۔ اچھا راستہ وہ ہے جو پیروی کے قابل ہو۔ بدترین اندھا وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں بند ہوں۔ کریم و سخی ہاتھ لعیم و بخیل ہاتھ سے بلند تر ہے۔ وہ تھوڑا مال جو کفایت کر سکے۔ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو سرکش بنا دے۔ بدترین عذروہ ہے جو موت کے وقت یاد آئے۔ سخت ترین پریشانی قیامت کی پریشانی ہے۔ یقین جانے کہ جھوٹ بڑا گناہ ہے۔ اور اچھی بے نیازی وہ ہے جو نفس کو قوت بخشنے۔ عمدہ ترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ بلند ترین حکمت و دانائی خوف خدا ہے۔ دل کا بہترین نظر یہ یقین پروردگار ہے اور زمان جاہلیت کے افعال زشت اور کردار بد سے توبہ کرنا ہے۔ شعر کہنا اور خیالات کو مرتب کرنا و سوسہ شیطانی ہے۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال گناہوں کی اصل ہے۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ جوانی جنون و دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔ بدترین کسب سود خوری اور کثیف ترین غذا مال تیمم کا کھانا ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو نصیحت کو قبول کرے۔ بد بخت وہ ہے جو شکم مادر سے بد بختی لے کر آئے۔ اے لوگو! تم میں سے کسی کو بھی چار ذراع زمین سے زیادہ نصیب نہ ہوگی۔ انجام تمہارا قیامت ہے۔ عمل کا وارد مدار انجام پر ہے۔ جو چیز یقیناً آنے والی ہے۔ اُسے نزدیک تر سمجھو۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے مومن کا گوشت کھانا دگلا کرنا گناہ ہے۔ مومن کے مال کی حرمت اُس کے خون کی حرمت کی مثل ہے۔ جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کی کفایت کرتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جو شخص درگزر کرے وہ لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتا ہے جو شخص اپنے غصہ کو پی نے وہ خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہے۔ چپ رہنے والے کو خدا اس گناہ جرتی ہے اور نافرمان کو عذاب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے لئے اور حاضرین کے لئے دعا بخش فرمائی۔

ہو گئے۔ عربین تمیں کو آپ نے دعوت دی تو اُس نے معذرت طلب کی اور اسی کے متعلق آیت اتری جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے الخ۔ پھر اُس نے کہنا شروع کر دیا کہ رویوں کے ساتھ لڑنا آسان نہیں یہ لوگ جائیں گے تو انہیں تپہ چلے گا۔ اور منافقوں نے آپس میں مشورہ کر لیا کہ جب حضور مدینہ سے باہر جائیں گے تو ہم اعلانہ بغاوت کریں گے اور ان کی اہل و عیال کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ چنانچہ بذریعہ وحی حضور کو اطلاع ہو گئی اور جبریل نے یہ پیغام سنی یا کہ اس سفر کا انجام جنگ نہیں ہوگا لہذا علی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتیے تاکہ منافقین اپنے مقصد پر کامیاب نہ ہو سکیں۔ چنانچہ حضور نے حضرت علی کو اپنا قائم مقام بنا کر سفر اختیار فرمایا۔

جب منافقوں نے دیکھا کہ ہماری تجویز ناکام ثابت ہوئی ہے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضور کے لئے علی کا ہر قاب ہونا بار خاطر تھا لہذا اس کو ساتھ لے جانا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی کے کانوں میں جب یہ خبر پہنچی تو آپ بھی روانہ ہو گئے اور لشکر اسلام کو پیچھے جا کر لے حضور نے فرمایا یا علی میں نے تمہیں اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑا تھا پھر کیوں آگئے۔ تو عرض کی حضور منافقین کی طعنہ زنی سے تنگ آکر آمادہ سفر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو راضی نہیں کہ تیری منزلت مجھ سے وہ ہو جو ہارون کی موسیٰ سے تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد نبی اور کوئی نہیں ہوگا۔ اگر ہوتا تو وہ تو ہی ہوتا۔ تو ہی میرا خلیفہ وزیر اور دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔ پس حضرت علی نے واپس مراجعت فرمائی۔

منافقین کو جب حضرت علی کی واپسی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپ کے قتل کی تجویز کی اور راستہ میں کنواں کھود کر اوپر خس و خاشاک ڈال دیئے تاکہ جب آپ اس میں گر جائیں گے تو اوپر سے سنگ باری کر کے ان کو قتل کر دیا جائے گا آپ کا گھوڑا جب اُس مقام پر پہنچا تو فوراً واپس ہو گیا اور کنویں کی اطلاع اپنی زبان بے زبانی سے دے دی۔ آپ نے گھوڑے کو دُعا دی اور حکم فرمایا کہ بے فکر ہو کر چلے جاؤ خدا ہمارا محافظ ہے۔ چنانچہ خدا نے اُس جگہ کو مضبوط کر دیا۔ اور حضرت علی کا گھوڑا اوپر سے گذر گیا اور آپ کے ساتھی بھی گذر گئے۔ لیکن ان خس و خاشاک میں ذرہ بھر لچک پیدا نہ ہوئی۔

اس کے بعد آپ نے کنویں کے منہ سے خس و خاشاک مٹانے کا حکم دیا تاکہ منافقین کا مکر ظاہر ہو جائے۔ صحابہ دیکھ کر حیران تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح منافقوں نے میرے قتل کی تجویز کی تھی اسی طرح حضور کے ہمراہ جانے والے بعض منافقین واپسی پر حضور کے قتل کی بھی تجویز کریں گے لیکن خدا ان کو منافقوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ صحابہ نے عرض کی کہ بذریعہ خط حضور کو منافقوں کے ارادہ فاسدہ کی اطلاع دے دی جائے تو اچھا ہوگا۔ آپ نے فرمایا خداوند کریم کی جانب سے آپ کو پہلے اطلاع ہو جائے گی۔ چنانچہ ادھر جبریل نے اطلاع دے دی اور یہ آیت اتری تہ فَوَسَّحَ الْمَخْلُوفُونَ الْاٰیۃ۔ پس حضور نے اپنے صحابہ کو منافقوں کے اس کڑوت سے اطلاع دی اور آیت پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح منافقین کا بسا اوقات رسول خدا اور مومنین

کے بارے میں قسم و قسم کی لغو دہے ہو وہ باتیں کرنا اور ان کے جواب میں خدا کی جانب سے سزائش کے مضمون پر مشتمل اکثر و بیشتر آیات کا ذکر ہو چکا ہے صحابہ کرام میں سے بعض نیک دل اور خالص مومن افراد بھی ایسے تھے جو ابتداءً بعض وجوہ کی بنا پر حضور کے ہمراہ نہ ہو سکے تھے اور بعد میں پیچھے سے جا ملے تھے۔

ایک ابو خثیمہ جو نہایت بہادر قومی ہیکل اور وجیہ نوجوان تھا اس کے پاس عالی شان عمل آور دو نوجوان خوبصورت عورتیں تھیں جن سے لطف اندوز ہونے اور داو عیش دینے کے خیال خام نے اُسے سعادتِ سفر سے محروم کر رکھا تھا۔ ایک دن اسی پر شکوہ عمل میں اپنی ہر دو حسیناؤں کے ساتھ محلّات و مسرور بخاکہ یکایک طبیعت میں انقلاب آیا۔ مجبُوب پروردگار کا تپتی دھوپ میں اپنے جسم نازنین کو مصائب و آلام اور صعوبت سے ہمکنار کرنا خیال نشین ہوا۔ فوراً دل میں سوچا کہ واہ تو نعمت و عیش کوشی میں منہمک اور خدا کا حبیب اپنے خالق کی رضا کی خاطر باوجود شدت گرما کے مصروفِ جہاد؛ یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے۔ پس اس خیال نے لذت و عیش کے تمام صنم بیک جنبش توڑ کر رکھ دیے۔ ایمان نے یاوری کی۔ اور محبتِ رسول نے بڑھ کر استقبال کیا پس اٹھا۔ آلاتِ حرب و ضرب سے لیس ہوا۔ اپنی دونو مجبُوب نوجوان بیویوں سے وداع کیا اور مختصر سا زوارا لے کر محل کا دروازہ کھولا۔ اور برق رفتار شتر پر سوار ہو کر انجام سے بے نیاز ہو کر اور دنیاوی لذت و عیش بلکہ ہر محبت سے الگ تھک محبتِ خدا و رسول کے جذبہ میں سرشار ہو کر عازمِ سفر ہوا۔ ادھر گردِ راہ دیکھ کر صحابہ عرض گزار ہوئے کہ حضور کوئی آتا دکھائی دے رہا ہے آپ نے فرمایا یہ ابو خثیمہ ہے بڑھ کر اس کا استقبال کرو۔ چنانچہ وہ جو نہی بارگاہِ نبوی میں مشرف ہوا تو حضور نے اس کے حق میں دُعا خیر فرمائی۔

حضرت ابوذر کا واقعہ دوسرے حضرت ابوذر غفاری تھے جو تین دن کی تاخیر سے کاروانِ رسالت سے جا ملے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی سواری کا اونٹ بیمار تھا۔ اور طے مسافت سے قاصر تھا۔ پس انہوں نے اونٹ کو آزاد کر دیا۔ اور رختِ سفر کندھے پر اٹھا کر گردِ راہ فرجِ اسلام کے تابع ہو لیا۔ تیسرے دن مسلمانوں نے ظہر کے وقت ادھر سے آتے ہوئے ایک پیادہ کی خبر حضرت رسالت مآب کے گوش گزار کی تو آپ نے فرمایا وہ ابوذر ہوگا۔ پس اُس کی پیش قدمی میں جلدی کیجئے کہ وہ پیاسا بھی ہے۔ چنانچہ جب ابوذر حاضر ہوا تو اُس کے پاس پُرازا آبِ مشک دیکھ کر فرمایا۔ اے ابوذر! پانی کے باوجود پیاسا کیوں چلا آیا؟ عرض کی حضور! اثنائے راہ میں ایک چشمہ کے قریب سے گذرا۔ جس کا پانی نہایت صاف و شفاف و شیریں تھا۔ پس دل میں خیال کیا کہ پہلے حبیبِ کبریا اس پانی کو پیئیں گے پھر میں پیوں گا۔ چنانچہ مشک کو اسی پانی سے بھر کر آپ کی خاطر لایا ہوں۔ آپ نے ابوذر کے حق میں دُعا خیر کی۔ اور فرمایا۔ تیرے اوپر خدا کی رحمت ہو۔ اے ابوذر! تیری زندگی تنہائی کی ہوگی۔ اور تیری موت بھی تنہائی کی ہوگی۔ اور تو اسی حالت میں معیشت ہوگا اور داخلِ بہشت ہوگا جب تو حالتِ غربت و تنہائی میں مرے گا تو عراق سے کچھ لوگ آئیں گے اور تیری تجہیز و تکفین و دفن کا انتظام کریں گے۔

حضرت ابوذر جناب رسالت مآب کے ان صحابہ میں سے تھے جو زہد و تقویٰ اور ایمان کی منازلِ رفیعہ پر فائز تھے۔

قبل از اسلام بھی لوٹ گھسٹ اور مار دھاڑ کی وارداتوں سے الگ تھلگ اپنی ذبیہوں سے گذر اوقات کرتے تھے اور جناب رسالت کی وفات کے بعد ان پر ظاہری اقتدار کی جانب سے مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ لیکن اس حق گو مرد مجاہد کا مضبوط قدم جادہ حق سے سرموزہ بٹایا جاسکا۔ ان کو شام بھی گیا تو خوشامدیوں کے زمرہ میں شریک ہونے کی بجائے صاف گوئی کو انہوں نے اپنا اور ٹھنا بچھو ناہنٹے رکھا پھر واپس مدینہ میں آئے تو کلمہ حق کہنے میں کبھی کسی اقتدار سے مرعوب نہ ہوئے۔ بالآخر انہیں ربذہ کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ آخری عمر میں ان کے پاس صرف اپنی ایک لڑکی تھی جو صحرائے ربذہ میں نہایت پریشانی سے رہ کر اپنے باپ کی خدمت بجالاتی تھی تو کل کا یہ عالم تھا کہ جب آخری وقت بیمار ہوئے تو ربذہ میں رہنے والے چند آدمی حاضر خدمت ہوئے۔ اور عرض کی کہ آپ کو کسی شے کی شکایت تو نہیں ہے۔ ہ آپ نے فرمایا مجھے اپنے گناہوں سے شکایت ہے۔ انہوں نے پوچھا اب کسی شے کی خواہش ہے؟ تو فرمایا۔ ہاں۔ رحمت پروردگار کی۔ انہوں نے پوچھا طبیب کی ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کر رکھا ہے۔

بہر کیف لڑکی نے جب باپ کو لیتے بیاری پر دیکھا تو اپنا سر اور منہ پیٹ لیا۔ اور عرض کی اسے پدر بزرگوار! اگر اس حالت غربت میں آپ پر موت آجائے تو میں کیا کروں گی۔ البوذر نے لڑکی کی یہ پریشانی دیکھ کر نہایت اطمینان و سکون سے اس کی دلداری کی۔ اور فرمایا کہ مجھے اپنے آقا حضرت رسالت مآب نے عالم غربت میں مرنے کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ عراق کا ایک قافلہ مجھے دفن کرے گا۔ پس جب میرا وقت موت قریب ہو تو مجھے قبلاً رخ نکٹا کر میرے اوپر عبا ڈال دینا اور راستہ پر بیٹھ جانا جب قافلہ گذرے تو کہنا کہ اس لق ووق صحرا میں میرا باپ حضرت ابوذر مر گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابوذر کی روح قفسِ عنصری سے نکل کر جنتِ اشیاں ہوئی تو اس کی لڑکی باپ کی وصیت کے مطابق میت پر عبا پھیلا کر راستہ پر قافلہ کی انتظار میں جا بیٹھی۔ جب قافلہ کا گذر ہوا تو لڑکی آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس قافلہ میں مالک اشتر موجود تھے۔ جو نبی اس لڑکی پر ان کی نظر پڑی تو پوچھا تو کس کی لڑکی ہے اور یہاں کیوں کھڑی ہے۔ ہ اُس نے جواب دیا میں حضرت ابوذر غفاری کی لڑکی ہوں۔ میرے باپ کا اس عالم غربت میں انتقال ہو چکا ہے اس کی تجہیز و جنازہ کے لئے انتظار کر رہی ہوں۔ پس مالک اشتر سواری سے پیدل ہوئے اور اُس کے ساتھ دیگر صحابہ رسول بھی اُترے اور غسل و کفن کا انتظام کیا پھر جنازہ پڑھ کر نہایت عزت و احترام سے ان کو دفن کیا۔ بہر کیف جنگِ تبوک کے لئے غلاموں کے علاوہ بچپن ہزار مجاہدین کی جمعیت ہو گئی تھی۔ جب مسلمانوں کا یہ لشکر حدودِ شام میں داخل ہوا تو ادھر شام کے تمام امراء و سلاطین جن میں مملکت منقسم تھی جمع ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچے۔ اور حضور کے قدموں میں گر گئے۔ بعض مسلمان ہو گئے اور بعض نے جزیہ قبول کر لیا۔ پس اسلام کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا اور سلاطین دہر کے دلوں پر رعب قائم ہو گیا۔ جب بادشاہ روم ہرقل کو اطلاع پہنچی کہ ملک شام کے جملہ حکام پیغمبر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال کر اسلام یا جزیہ قبول کر چکے ہیں تو اُس نے اپنی جانب سے نمایندے بھیجے جو پیغمبر اسلام کے کردار و سیرت اور دستورِ تعلیم کے متعلق معلومات فراہم کر کے اطلاع دیں۔ چنانچہ وہ مقام تبوک میں پہنچ کر مشرف بہ زیارت ہوئے۔ اور آپ کا صدقہ کر د کرنا اور ہدیہ کا قبول کرنا

الْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ

بدوی لوگ زیادہ سخت ہیں کفر و نفاق میں اور لائق ہیں کہ نہ جانیں وہ حدود جو نازل کیں

اور دیگر آپ کے خصال حمیدہ کی اطلاع بادشاہ کو بھیجی۔ بادشاہ نے سن کر دل سے اسلام کو قبول کر لیا اور اعبان مملکت و ارکان سلطنت کے علاوہ ملک کے عوام و خواص کو دعوت نبوی سے خبردار کیا۔ اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کی پیش کش کی، لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو زوال سلطنت کے خطرہ سے چاروناچار بادشاہ کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

حضور اکرم نے تبوک میں دو ماہ قیام کرنے کے بعد مراجعت فرمائی اور وہاں پر راستہ میں منافقین کی ناپاک کوششوں کا انکشاف ہوا جس کا مختصراً تذکرہ ہو چکا ہے۔ وادی عقبہ میں حضور کے قتل کی ناپاک سازش کا تذکرہ صاف پر ملاحظہ ہو۔

مؤمنین مخلصین کی ایک جماعت جو بعض مجبور یوں کی وجہ سے غزوہ تبوک میں حضور کے ہمراہ نہ جاسکی تھی اور نیامی کرتے ہوئے آج اور کل کے ترڈ میں انہوں نے وقت گزار دیا تھا چنانچہ ان میں سے کعب بن مالک شاعر۔ مرارہ بن ربیع اور ہلال مرافقی بھی تھے اور یہ کہتے تھے کہ حضور کی دعا لگی کے بعد ہم کہتے تھے۔ آج جائیں گے، کل جائیں گے اور اسی آج اور کل میں وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ اور دوسرے بھی کئی لوگوں نے اسی قسم کی ستانی سے وقت ضائع کیا۔

جب حضور اکرم واپس پہنچے تو ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کی نیز تہنیت پیش کی کہ آپ بھدا اللہ بخیر و عافیت واپس پہنچے ہیں تو آپ نے منہ پھیر لیا اور جواب سلام تک نہ دیا اور تمام مسلمانوں نے ہم سے یہی سلوک کیا جتنی کہ مسجد میں ہم پہنچے تو ہم سے کسی نے بات تک کرنا بھی گوارا نہ کیا جب ان کی عورتوں نے یہ خبر سنی تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ اگر ہمارے شوہر عذاب خداوندی کے مستحق قرار پائے ہیں تو کیا ہمیں بھی ان سے قطع تعلقی کر لینی چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ان سے دور ہو جاؤ اور قطع تعلقی کر لو جتنے کہ بچوں نے بھی ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا۔

کعب کہتا ہے کہ میں نے ہلال اور مرارہ سے کہا کہ آؤ شہر سے نکل جائیں اور کہیں دامن کوہ میں پناہ لے کر دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو عبادت پروردگار میں لبر کر کے نہایت زاری و انکساری سے توبہ کریں۔ ممکن ہے ہماری توبہ کو خدا منظور کر لے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تین دن متواتر شب و روز گڑگڑا کر تضرع و زاری سے توبہ کی اور اللہ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگی۔ اور اس عرصہ میں یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ الگ عالم تنہائی میں گریہ و زاری کرتے رہے۔ چنانچہ بالآخر ان کی توبہ بارگاہ پروردگار میں قبول ہوئی۔ اور ایک رات حضور اکرم ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ جبرئیل ان کی قبولیت توبہ کا مشورہ لائے۔ اور اسی سورہ مجیدہ کی آیت ۵۱ "وَعَلَى الْمَثَلَتِ السَّيِّئَاتِ" اپنی تین تائبین کے حق میں اُتری ہے۔

اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ پہاڑ کے دامن میں گریہ زاری میں مشغول رہے اور پچاس دن متواتر اسی حال میں لگانا روتے رہے۔ پس خداوند کریم نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت ان کے حق میں بھیجی۔

اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿٩٤﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَخُذُ مَا

اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ جاننے والا دانا ہے اور بدوں میں سے ایسے ہیں جو بکھتے ہیں

يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمُ الدَّوَابُّ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ

اپنے خرچ کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے مصائب کی ان پر بدترین مصیبت آئے گی اور اللہ

سَمِيعٌ عَلَيْهِمْ ﴿٩٥﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

سننے جاننے والا ہے اور بدوں میں سے ایسے بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر اور

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا قَرِيبًا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَصَلَوَاتُ الرَّسُولِ ۗ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ

بکھتے ہیں وہ جو خرچ کرتے ہیں باعث قربت اللہ کے نزدیک اور باعث خوشنودی رسول آگاہ ہو تحقیق یہ چیز باعث

لَهُمْ سَيِّدٌ خَلَهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٦﴾

قرب ہے ان کے لئے داخل کریگا اللہ ان کو اپنی رحمت میں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

الْأَعْرَابِ ۗ خُذُوا زَكَاةً مِّنْهُم مَّا تَرْضَوْنَ ۗ وَاللَّهُ يَرْضَىٰ عَنكُمْ ذِكْرَ اللَّهِ وَلِقَاءَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٩٧﴾

الاعراب خداوند کریم ایک دستور عمومی کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ شہری اور دیہاتی زندگیوں میں یہ معتد بہ فرق ہوا کرتا ہے کہ دیہاتی لوگ تہذیب و تمدن کے مخصوص پہلوؤں سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اور اسباب علم سے دور رہنے کی وجہ سے اپنے نظریہ پر زیادہ مضبوط ہوا کرتے ہیں۔ وہ جلدی سے کسی دوسرے کی بات کو قبول نہیں کرتے اور ان کو ان کے قدیم نظریہ کے خلاف کسی جدید نظریہ کا قائل کرنا نہایت مشکل ہوا کرتا ہے۔ اسی بنا پر اگر وہ کافر ہوں گے تو کفر کو چھوڑنا ان کے لئے مشکل ہوگا اور اگر وہ مومن ہوں گے تو ایمان کے تقاضوں سے حتی الامکان عہدہ برا ہونے کی کوشش کریں گے بخلاف شہری طبقہ کے کہ ان کے مزاج میں کجنگی اور دوام ایک حد تک سلب ہو جاتا ہے۔ اور نئے تہذیب و تمدن اور ہر جدید طرز عمل کو بہت جلد اپنالیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات سمجھنے میں نہایت آسان ہے۔ اور دور حاضر کی شہری اور دیہاتی زندگیوں میں اسلامی اصول کی پذیرائی میں نمایاں فرق اس امر کا شاہد ہے۔ پس اس جگہ خدا بھی اسی نظریہ کو دہرا رہا ہے کہ بدوی لوگ کفر و نفاق میں سخت تر ہیں۔ اور حدود و خدوئہ کو نہ جاننے میں وہ پیش پیش ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ کے آس پاس کے بدوں میں خصوصی ہیٹ دھرمی موجود ہو۔

بہر کیف اسلام کو جن بدوں نے صرف ڈر اور خوف سے یاد دیکھا دیکھی سے قبول کیا تھا وہ ظاہر مسلمان تھے لیکن اندر اندر میں کچے کافر تھے۔ وہ راہِ خدا میں خرچ کرنا تاوان سمجھتے تھے۔ اور مسلمانوں پر دورِ حوادث اور

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ

اور پہلے سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جو ان کے پیچھے چلے خوبی سے

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

راضی ہوا خدا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کریں ان کے لئے بہشتیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

مصائب کے منتظر رہتے تھے۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ خود ہی مصائب و حوادث کا شکار ہوں گے، لیکن ان میں سے ایسے بدوی لوگ بھی موجود ہیں جو اسلام کو دل و جان سے قبول کر چکے ہیں وہ خوشنودی خدا اور پیغمبر کی دعا کی خاطر خرچ کرتے ہیں۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ خداوند کریم آیت کریمہ میں ایمان کی طرف سبقت کرنے والوں کی مدح فرما رہا ہے۔ اور یہ بات محفی نہیں کہ جس طرح کسی بُرائی کی طرف پہلا قدم اٹھانے والا اپنے جرم کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بھی

رُكُوعٌ عَمَلٌ

ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جو اُس کے پیچھے چل کر اس بُرائی کا ارتکاب کریں۔ چنانچہ حدیث میں یہ مضمون بکثرت وارد ہے کہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ لَهُ مِثْلُهَا وَذَرَعَ مِنْ عَمَلٍ بِهَا مَا كَرِهِيَ جَسَدُهُ كَمَا كَرِهِيَ بَشَرٌ مِمَّا كَرِهَتْ يَدَايَاهُ وَمَنْ أَحْسَنَهُ لِيَوْمِ الْحِسَابِ كَمَا كَرِهِيَ بَشَرٌ مِمَّا كَرِهَتْ يَدَايَاهُ وَمَنْ أَحْسَنَهُ لِيَوْمِ الْحِسَابِ كَمَا كَرِهِيَ بَشَرٌ مِمَّا كَرِهَتْ يَدَايَاهُ وَمَنْ أَحْسَنَهُ لِيَوْمِ الْحِسَابِ كَمَا كَرِهِيَ بَشَرٌ مِمَّا كَرِهَتْ يَدَايَاهُ

لیکن فکر و تدبیر کے بعد اس مقام پر جو سوالات ذہن میں آتے ہیں۔ ان کا تجزیہ اور تحقیق کسی حد تک ضروری ہے تاکہ مقصد صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔

۱۔ السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ کے مصداق کون لوگ ہیں؟ ۲۔ تمام مسلمانوں میں سے سابق الایمان کون شخص ہے؟ ۳۔ آیا کسی کا صرف سابق الایمان ہونا رضائے پروردگار کے لئے کافی ہے یا اس پر ثابست قدم رہنا بھی ضروری ہے؟ ۴۔ اسی طرح نیک نیتی سے ایمان لانا کافی ہے یا اس پر تازلیت برقرار رہنا بھی ضروری ہے؟ ۵۔ رضائے پروردگار کے حاصل کرنے کے لئے تو ایمان ضروری ہے لیکن آیا ایمان کے تقاضوں کو بھلا دینے کے بعد رضائے پروردگار کا وعدہ ختم ہو جائے گا یا باقی رہے گا؟ ۶۔ اسی طرح جنت کی پیش کش اور اس میں ہمیشگی کا عہد ایمان کی بقا کے ساتھ وابستہ ہے۔ یا ایمان کے رخصت ہونے کے بعد بھی وہ عہد باقی رہے گا؟

سابقون سے کون لوگ مراد ہیں

آیت مجیدہ میں ظاہراً سابقون کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۔ مہاجرین۔ ۲۔ انصار۔ ۳۔ تابعین۔ اور یہ ترتیب بھی بظاہر مراتب کے اعتبار سے ہے۔ گویا سابقون میں سب

سے افضل وہ ہیں جو مہاجرین بھی ہیں۔ اور دوسرا درجہ انصار سابقین کا ہے۔ اور تیسرا درجہ تابعین کا ہے اور تابعین سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو سابق مہاجرین و انصار کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش زمانِ حیاتِ پیغمبر میں ہو گئے۔ گویا یہ تین قسمیں صحابہ میں سے ہی ہیں۔ پس صحابہ کے دور کے بعد والے دور کو تابعین سے تعبیر کرنا اصطلاح جدید ہے۔

یہ قابلِ ذکر امر ہے کہ ہجرت اور نصرت سابقون کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ جیسا کہ من بیانہ کے معنی سے صاف ظاہر ہے۔ پس یہ معنی درست نہ ہوگا کہ کہا جائے وہ لوگ جو ہجرت میں سابق ہیں یا وہ لوگ جو نصرت میں سابق ہیں اور اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اگر ہجرت یا نصرت میں سبقت مراد ہو تو مہاجرین سابقین کی انصار سابقین پر کوئی فوقیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہجرت بغیر نصرت کے بے معنی ہے۔ اور چونکہ ظاہری ترتیب سے ترتیب مراتب و مدارج کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے لہذا ماننا پڑتا ہے کہ سبقت کا معیار کوئی دوسری چیز ہے اور وہ ہے ایمان۔ اور یہ مومنین کے مدارج کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین جو سابقون و اولون ہیں ان میں سے مہاجر انصار سے افضل ہیں اور انصار بعد والوں سے افضل ہیں۔ ۲۔ مقصد یہ ہے کہ ایمان ہی ان کی ہجرت کا داعی ہوا ہے۔ اور ایمان ہی کی بدولت انہوں نے نصرتِ پیغمبر کی طرف اقدام کیا ہے ان صفتوں میں بنیادی اور مرکزی حیثیت ایمان کو حاصل ہے پس اس کے بعد ہجرت کرنا یعنی اپنی جائداد و املاک گھر و وطن بلکہ بعض اوقات اپنے ذریعہ ترین رشتہ داروں کو چھوڑنا نہایت کٹھن مرحلہ ہے لہذا جن لوگوں نے ایمان کی خاطر ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے ہجرت قبول کی ان کا درجہ صرف نصرت کرنے والوں سے بلند تر ہے کیونکہ مہاجرین کی ہجرت خود اپنے مقام پر ایک نصرت ہے۔ اور علاوہ ازیں انصار کے دوش بدوش بھی نصرت میں ان کا حصہ ہے۔ پس ان کی نصرت انصار کی نصرت سے دو گنی ہے۔ اور ترکِ وطن اور عزیزوں اور قریبوں کا فراق نیز جائدادوں اور املاک سے دستبرداری ان کی ایسی قربانی ہے کہ اس میں ان کا کوئی سہم و شریک نہیں ہے۔

۳۔ اگر ہجرت و نصرت میں سبقت مراد لی جائے تو ذٰلِکَ یَنْ اَتَّبَعُوْهُ کا معنی درست نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس سے قبل صحابہ کے دو گروہوں کا بیان ہے۔ ایک سابقین فی ہجرت اور دوسرے سابقین فی النصرت۔ اب تیسرا گروہ وہ ہوگا جو پہلے دونوں گروہوں کے نقش قدم پر چلے۔ یعنی مہاجر بھی ہو اور انصار پیغمبر بھی۔ لہذا مدینہ میں پہنچ جانے کے بعد جن مدنی لوگوں نے اسلام کو قبول کیا وہ صرف انصار اولین کے تابع ہوئے۔ مہاجرین اولین کے تابع نہ ہوئے۔ اسی طرح فتح مکہ کے بعد جن مکی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور ہجرت نہ کی وہ بھی انصار سابقین کے تابع ہوئے۔ مہاجرین سابقین کے تابع نہ ہو سکے۔ پس تیسرے گروہ کا وجود مشکل ہو جائے گا۔ لیکن اگر سابقون میں سبقت سے مراد سبقتِ ایمانی ہو تو بلا تردد تیسرے گروہ کا معنی سمجھا سکتا ہے کہ

پہلا صفت ایمان میں سابق مہاجر گروہ۔ دوسرا صفت ایمان میں سابق انصار کا گروہ اور تیسرا وہ گروہ جو مہاجرین سابقین اور انصار سابقین کے بعد اسلام دایمان کی صفت سے منصف ہو۔

۴۔ مہاجرین میں سے جو مہاجرین سابق اللیمان ہیں وہ ان سے افضل ہیں جو انصار میں سے سابق اللیمان ہیں۔ اور چونکہ ان کی افضلیت ان کی قربانیوں کی عظمت کے پیش نظر ہے۔ لہذا صلح حدیبیہ سے قبل ہجرت کرنے والے مہاجرین ہی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ مفسرین کا نظریہ ہے کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنا اس قدر مشکل امر نہیں تھا جتنا پہلے تھا اور جو قربانی قبل از صلح حدیبیہ ہجرت کرنے والوں نے کی تھی۔ بعد از صلح اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ پس ہجرت میں سبقت کا مفہوم اس لحاظ سے پایا جاتا ہے لیکن سابقوں کی لفظ کی دلالت سے نہیں بلکہ خارجی اور اراجم فالاحم کے اعتبار سے ہے۔ اور اسی طرح انصار میں سے بھی جو سابق فی النصرہ ہوں گے وہ افضل ہوں گے۔ پیچھے ملحق ہونے والوں سے کیونکہ سابق نصرت جبکہ اسلام نہایت کمزور تھا۔ اسلام کے اطراف عالم میں پھیل جانے کے بعد نصرت سے کہیں زیادہ وزنی اور اہم ہے۔

۵۔ وہ شخص جو کسی نیکی کے میدان میں پہلا قدم رکھے وہ مَن سَنَ سُنَّةَ حَسَنَةً الْجَرَ کے مصداق ہونے کے لحاظ سے تمام ان لوگوں سے افضل ہوگا جو بعد میں اس نیکی کی طرف اقدام کریں پس جو شخص سابق اللیمان ہونے کے ساتھ سابق الهجرة بھی ہو وہ باقی تمام سابق افراد سے افضل ہوگا۔ خواہ وہ صرف سابق اللیمان ہوں اور سابق الهجرة نہ ہوں یا سابق الهجرة ہوں لیکن سابق اللیمان نہ ہوں۔ کیونکہ سابق اللیمان اور سابق الهجرة کی دونوں صفوں میں باہمی تلازم نہیں ہے۔ پس پہلا ہجرت کرنے والا گروہ بعد میں ہجرت کرنے والوں سے افضل ہوگا۔ اسی طرح پہلا نصرت کرنے والا بعد میں نصرت کرنے والوں سے افضل ہوگا۔

یہ واضح رہے کہ جمع کا صیغہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سابقین سے مہاجرین کی ایک جماعت مراد ہے۔ چنانچہ مہاجرین سابقین سے بعض مفسرین نے وہ صحابہ مراد لئے ہیں۔ جنہوں نے دو زوقیوں کی طرف نمازیں ادا کیں اور بعض نے صلح حدیبیہ سے پہلے کے مہاجرین بتائے ہیں۔ اور انصار سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعثت نبوی کے گیارہویں سال منی میں جا کر آپ کی بیعت کی تھی۔ اور ان کی تعداد سات تھی۔ اور پھر دوسری مرتبہ مقام عقبہ پر بیعت کی جن کی تعداد ستر مرد اور دو عورتیں تھیں۔

مزید وضاحت

مہاجرین انصار سے اس لئے افضل ہیں کہ ان میں دو صفیں ہیں۔ ایک ہجرت اور دوسری نصرت۔ کیونکہ جہاں ان کا ہجرت کرنا بھی اسلام کا موجب تھا۔ وہاں اس نصرت کے علاوہ ظاہری جنگوں میں بھی دوسرے انصار کے دوش بدوش تھے۔ پھر مہاجرین کے دو حصے ہو گئے۔ ایک سابق اور دوسرے تابع اور ان میں سے سابق افضل ہیں کیونکہ یہ لوگ بعد والوں کے لئے تحریک کے باعث ہوئے ہیں۔ اور پھر مہاجرین سابقین میں سے وہ افضل ہیں جو سابق اللیمان ہیں کیونکہ تمام فضائل میں سے بنیادی حیثیت ایمان ہی کو حاصل ہے اور اس کے بغیر کوئی دوسری صفت فضیلت نہیں بن سکتی۔ لہذا جو ایمان میں سابق

ہر گاہ تمام مومنین سے افضل ہوگا خواہ مہاجر۔ ہوں خواہ انصار ہوں۔ اور اگر سابق الایمان شخص ہجرت اور نصرت میں بھی سابق ہو تو اس کی فضیلت کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

تفسیر کبریٰ ج ۴ پر لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سابقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہجرت اور نصرت میں سابق ہوں اور اس کی دو وجہیں ہیں (۱) چونکہ خدا نے سابقوں فرمایا

فخر الدین رازی کی منطق

ہے اور یہ نہیں بتایا کہ کس میں سابق ہوں تو لفظ محفل ہو گئے۔ لیکن بعد میں جب مہاجرین و انصار سے ان کا ہونا ذکر کیا تو یہ دونوں لفظیں اس سابق اجمال کے دور کرنے کا قرینہ بن گئیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ سابقوں سے مراد وہ لوگ ہوں جو ہجرت یا نصرت میں سابق ہوں تاکہ اجمال دور ہو جائے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ہجرت ایک زبردست قربانی ہے جو رسول کے دل کی تقویت کا باعث ہے۔ اور اسی طرح نصرت بھی ایک بڑا اہم کام ہے۔ لہذا سابقوں کے مفہوم میں ہجرت اور نصرت کو ہی دخل ہونا چاہیے اقول۔ ہم متعدد دلیلوں سے اس مطلب کو باطل کر چکے ہیں۔ اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سابقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان میں سبقت رکھتے ہوں۔ فخر الدین نے اپنی منطقی استعداد سے جو سابقوں کا اجمال دور کیا وہ صرف اس لئے کہ وہ اس کھوکھلی بنیاد پر اپنے زعم میں ایک نہایت عالی شان محل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا کہ سابقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہجرت میں سابق ہوں تو ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو بکر ہجرت کرنے میں تمام سے سابق تھے۔ کیونکہ وہ حضور کے ہمراہ اور ساتھی تھے اور حضرت علی اگرچہ مہاجرین اولین میں سے تھے لیکن ان کی ہجرت حضور کی ہجرت کے بعد ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت علی بھی حضرت رسالت مآب کے اہم امور کی انجام دہی کی خاطر مکہ میں رہ گئے تھے تاہم ہجرت میں حضرت ابو بکر کو ہی سبقت حاصل ہوئی۔ پس اس فضیلت میں حضرت ابو بکر کا حصہ سب سے زیادہ ہوا۔

اور ملاحظہ مجددہ صاحب تفسیر منار نے اگرچہ اس بات پر تقریباً اتفاق ظاہر کیا ہے کہ سبقت سے مراد سبقت ایمانی ہے لیکن انہوں نے ایک نیا راستہ اپنی مطلب براری کے لئے نکال لیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں وَلَا كَلَّ سَابِقِ أَفْضَلُ هَيْتَ كَلَّ مَسْبُوقٍ یعنی ضروری نہیں کہ ہر سابق مسبوق سے افضل ہو وَمِنَ السَّابِقِينَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا غَيْرُكَ بِالْهَجْرَةِ کیونکہ سابق الایمان لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ ہجرت میں دوسرے لوگ اس سے سبقت لے گئے اور یہ سب کچھ حضرت علی کے سابق الایمان ہونے کی فضیلت کو چھپانے کی سعی بے سود ہے بہر کیف ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ایمان کے بغیر کسی صفت کو کوئی درجہ فضیلت حاصل نہیں ہے اور صفت ایمان ہی وار و محور ہے۔ تمام باقی صفات کے لئے۔ پس سبقت الایمان ہی علی الاطلاق افضل ہونے کا معیار بن سکتی ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کا سابق الایمان ہونا چونکہ فریقین میں مسلم ہے لہذا تمام امت سے ان کا افضل ہونا آیت مجیدہ کی نو سے ثابت ہو گیا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ ہجرت کا حسن ذاتی نہیں یعنی ضروری نہیں کہ جب بھی ہجرت پائی جائے وہ اچھی بھی ہو بلکہ ہجرت کا حسن یا قبح غرض و غایت یا نتیجہ کی اچھائی یا برائی کے تابع ہوگا اگر اچھائی کے لئے

ہجرت کا حسن

ہجرت ہوگی تو ہجرت اچھی ہوگی ورنہ نہیں۔ آیت مجیدہ میں مہاجرین کو جو مدیہ رنگ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صرف ہجرت کے حسن کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ ہجرت رسول کے مشن یعنی اسلام کی بقا و ارتقاء کے لئے اذ حد ضروری ہے۔ اس میں رسالت کی حفاظت اور تقویت کا راز مضمر تھا گویا یہ ہجرت رسول اور اسلام کی بہت بڑی نصرت تھی۔ اور اس نصرت کا درجہ دوسری ظاہری نصرت سے کہیں زیادہ تھا۔ پس مہاجرین کو انصار پر فوقیت اسی بنا پر دی گئی تو معلوم ہوا کہ معیار فضیلت ہے۔ نصرت رسول اور تقویت اسلام۔ ہجرت سے قبل یہ ذمہ داری حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ نے اپنے ذمہ لی ہوئی تھی کہ اگر حضرت ابوطالب کی نصرت و تائید شامل حال نہ ہوتی تو مکہ میں اسلام کی توسیع و اشاعت کا سلسلہ ہی قائم نہ ہوتا پس حضور کو کھل کر سر میدانِ خفایت اسلام پر تقریر کرنے کی جرأت حضرت ابوطالب کی سرپرستی سے حاصل تھی۔ اور لوگوں کو ذہنی طور پر اسلام کی تعلیمات سے متاثر کرنا شرک و بت پرستی کے عیوب کی وضاحت اور اسلام کے نظام کی ہر و لعزیزی اور لوگوں کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ وغیرہ حضور اکرم کے بیانات کا سرچشمہ تھا جس کو آپ نے خوب نبھایا۔ اور تھوڑے عرصہ میں لوگوں کے دلوں کو جیت لیا پھر اسلام کے حلقہ بگوش ہونے میں جو مالی نقصانات کا اندیشہ تھا اور قریش سے قطع تعلقی کے بعد اقتصادیات کی کمزوری کا جو خطرہ تھا۔ اس کو حضرت خدیجہ کی مالی قربانی و ایشار نے بہت حد تک رفع کر دیا۔ پس حضور نے نہایت اطمینان و سکون سے تبلیغ اسلام کا سلسلہ بلا دریغ شروع کر دیا کیونکہ مزاحمت کرنے والوں کے آگے حضرت ابوطالب کا رعب و اقتدار حاصل تھا اور مالی کمزوری کا شکوہ کرنے والوں کے لئے خدیجہ کا دسترخوان بچھا تھا اور وہی لوگ جو ایمان و اسلام کے حلقہ بگوش ہونے میں حضرت ابوطالب و جناب خدیجہ کے ممنون احسان تھے۔ ان ہر دو محسن اسلام شخصیتوں کی وفات کے بعد ہجرت مکہ پر مجبور کر دے گئے اور تمام تاریخیں شاہد ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے بعد خداوند کریم کی جانب سے ہجرت کا حکم ہوا۔ کیونکہ اب تک میں ان کا کوئی سہارا باقی نہ رہا تھا۔ پس حضرت رسالت مآب حضرت ابوطالب کی نصرت اور حضرت خدیجہ کی تائید کے ختم ہو جانے کے بعد نصرت و تائید کے طالب تھے۔ اور ہجرت کے بعد کی تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضرت علی نے جس طرح حضور کی نصرت و تائید کی کوئی دوسرا اس کے عشرہ عشرت تک بھی نہ پہنچ سکا۔ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ صحابہ کی ہجرت و نصرت حضرت ابوطالب اور خدیجہ کی نصرت کے قائم مقام ہے۔ لہذا جن مہاجرین کے تفادد درجات کا آیت مجیدہ میں ذکر ہے وہ وہی ہیں جو ان دونوں کے علاوہ ناصرین پنجمیہ کے زمرہ میں داخل ہوئے جب ہجرت کا حکم ہوا تو قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس وقت جب کہ کفار قتل رسول کے درپے تھے تو سب سے اہم معاملہ رسول کی حفاظت کا تھا۔ اب ایک طرف ہے۔ رسول کے بستر پر آرام کرنا تاکہ کفار یہ سمجھتے رہیں کہ حضور محرومِ خواب ہیں لہذا تعاقب نہ کر سکیں اور دوسری طرف ہے رسول کی معیت میں سفر کرنا تاکہ آپ تنہا نہ رہیں۔ ہر صاحب عقل و دانش جان سکتا ہے کہ موقع و محل کی نزاکت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حفاظت کی خاطر ان کے بستر کو خالی نہ چھوڑا جائے تاکہ حضور مقام محفوظ تک پہنچ جائیں اور ان کی جان پر کوئی آہٹ نہ آئے ورنہ اگر بستر خالی ہوتا تو کفار فوراً تعاقب کر کے غارتور تک پہنچنے سے قبل ہی آپ کا کام تمام کر دیتے۔ اور اسلام کا جگہ گاتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا اور وہاں ایک یا دو ساتھی کفار کے حملہ کو ہرگز نہ روک سکتے۔ پس حفاظت کے لئے

سب سے بڑی قربانی بسترِ رسول پر سونا تھا جس میں جان جانے کا خطرہ بھی تھا۔ بخلاف اس کے ساتھ جانے میں ایک طرف اگر ہجرت ظاہری سے تقویتِ رسول مقصود ہو بھی تاہم اس میں ایک غرض ذاتی بھی ہے اور وہ ہے حفاظتِ جانِ خود پس حضرت علیؑ نے اپنی جان کی قربانی دے کر جانِ رسول کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنی جان کو بچا کر رسول کا ساتھ اختیار کیا تو چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہجرت میں ذاتی حق نہیں ہے بلکہ ہجرت کا حق غرض و غایت اور مقصد کے حق کے تابع ہے اور فعل کی بلندی اور اہمیت مقصد کی بلندی اور اہمیت کے تابع ہوتی ہے تو اب صاحبانِ عقل سلیم کے لئے فیصلہ نہایت آسان ہے کہ ابو بکرؓ کی ہجرت کا مقصد رسول کی صحبت ہو سکتا تھا اور ساتھ ساتھ اپنی جان کی حفاظت بھی اس کا لازمہ تھی۔ اور حضرت علیؑ کے بسترِ رسول پر سونے کا مقصد ایک اور صفت ایک تھا یعنی حفاظتِ پیغمبرِ خواہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی جان بھی چلی جائے چنانچہ نتیجہ یہی ہوا کہ کفار حضرت علیؑ کو سوتا دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ حضورؐ بنفس نفیس سوئے ہوئے ہیں لہذا تعاقب نہ کر سکے اور اتنے میں حضورؐ مقام محفوظ تک پہنچ گئے تو معلوم ہوا کہ نصرتِ پیغمبرؐ میں اہم کردار وہی تھا جو علیؑ نے ادا کیا۔ پس ان کی بسترِ رسولؐ پر شبِ خوابی ابو بکرؓ کی معیت رسولؐ میں شبِ بیداری اور ہجرت سے افضل تھی۔ لہذا رازی کا یہ کہنا کہ ہجرت میں سبقت صرف حضرت ابو بکرؓ کو ہی حاصل ہے۔ درست ہے لیکن اس میں فضیلت کا کوئی خام سے خام پہلو بھی نظر نہیں آتا جس پر فخر کیا جا سکے۔ اور یہ کہنا کہ ان کی ہجرت تقویتِ رسول کی موجب تھی۔ صرف کوتاہ نظری اور خوش فہمی ہی خوش فہمی ہے۔ ورنہ اگر یہ صحبت رسول کی تقویت یا تسکین کی موجب ہوتی تو جناب رسالت مآبؐ نہ فرماتے جو شخص خود غم و حزن کا اس قدر شکار ہو کہ خدا و رسول کو بار بار چپ کرانے کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ کسی دوسرے کے لئے اطمینان و سکون کیسے اور کہاں سے میسر کر سکتا اور اس کی تفصیل اسی جلد میں گذر چکی ہے۔ اور ثانیاً رازی کا اپنا اعتراف ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسالت مآبؐ کی جانب سے بعض امور کی انجام دہی کے لئے ٹھہرے تھے۔ اور اگر یہ بات ہے تو پھر بھی حضرت علیؑ کا ان امور خاصہ کی انجام دہی میں رسول کا مقصد خصوصی ہونے کو ثابت کرتا ہے بلکہ رسول کے قائم مقام ہونے کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ سفر میں ساتھ تو ایک غلام کو بھی لے جایا جاسکتا ہے۔ لیکن اپنے مقام پر کسی کو اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدا براہونے کے لئے ٹھہرانا ایسی بڑی عظمت کو ظاہر کرتا ہے جو ساتھ جانے والے میں اس کی ادنیٰ مقدار بھی مبالغہ آمیز تصور ہوتی ہے۔ پس یہ کہنا کہ علیؑ اطلاقِ ہجرت کرنے میں سبقت کرنے والے دوسروں سے افضل ہیں۔ ایک دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ البتہ عمومی طور پر یہ کہنا درست ہے کہ ہاجرین کا درجہ انصار سے بلند ہے اور اولین کا درجہ متاخرین سے بڑا ہے۔

اور ہمارے سابق بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علیؑ تمام امت سے افضل ہیں۔ کیونکہ

علیؑ سابق الایمان ہے | تمام مؤمنین کا مسئلہ امر ہے کہ حضرت علیؑ سابق الایمان ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے کہا جائے کہ بچوں میں سابق الایمان حضرت علیؑ تھے ورنہ اگر تعصب سے بالاتر ہو کر عین انصاف سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ علیؑ سابق الایمان ہیں اور اس اعتبار سے وہ تمام ایمان والوں کے پیش رو ہیں۔ چنانچہ مسند احمد اور دیگر

کتب عامہ و خاصہ میں منقول ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں یا آیتھا الذین امنوا واروہے۔ حضرت علیؑ اس کے امیر و شریف ہیں رسد احمد تفسیر مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے مروی ہے۔ عقیقت کنندی کہتا ہے۔ میں سفر تجارت میں ایک دفعہ ایام حج میں مکہ پہنچا اور چونکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے دوستانہ تھا لہذا اس کے ہاں ٹھہرا۔ اور یہ شخص میں سے عطر خرید کر ایام حج میں مکہ میں بیجا کرنا تھا وہ کہتا ہے میں اور عباس منی میں گئے تو وہ بیکھا ایک جوان آیا۔ اور قلبہ روکھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا آیا اور اس کے پہلو میں کھڑا ہو گیا پھر ایک پردہ دار آئی اور پیچھے کھڑی ہو گئی پس انہوں نے نماز پڑھی رکوع و سجود کیا۔ میں نے عباس سے کہا یہ تو امر عظیم ہے۔ اُس نے بھی کہا کہ ہاں امر عظیم ہے تو میں نے پوچھا یہ کون ہے تو اُس نے جواب دیا کہ یہ میرا بھتیجا محمد بن عبد اللہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور کہتا ہے کہ سرئی اور قیصر کو میں فتح دوں گا۔ اور یہ لڑکا علی بن ابیطالب ہے۔ اور عورت جناب خدیجہ بنت خویلد اس کی زوجہ ہے۔ یہ دونوں اس دین پر اس کے تابع ہیں حضرت علیؑ کی عمر اس وقت کم و بیش دس برس تھی خدا کی قسم روئے زمین میں اُس دین پر سوائے ان تینوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ (عقیقت کنندی اسلام لانے کے بعد کہا کرتا تھا۔ کاش اس وقت میں بھی مسلمان ہو جاتا۔ تاکہ جو تھا شمار ہوتا)

نیز مروی ہے کہ حضرت ابوطالب نے ایک دفعہ حضرت علیؑ سے پوچھا اے بیٹے یہ کون سا دین ہے جس کو تو نے اختیار کیا ہے تو آپ نے فرمایا اے اباجان! میں اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں اور وہ جو کچھ فرمائیں میں اُس کو ماننا ہوں اور اللہ کی خوشنودی کے لئے ان کی اقتداء میں نماز ادا کرتا ہوں تو ابوطالب نے کہا کہ بے شک حضرت محمدؐ نیکی کی دعوت دیتے ہیں۔ لہذا ان کے طریقہ کو بہرگز نہ چھوڑو۔ ایک اور روایت میں حضرت علیؑ علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا انا عبد اللہ و اخو رسولہ و انا الصدیق الکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب مفتوصلیت قبل الناس بسبع سنین نوحہ۔ میں عبد خدا اور اس کے رسول کا بھائی ہوں۔ اور میں ہی صدیق اکبر ہوں۔ میرے علاوہ یہ دعویٰ کوئی کذاب ہی کرے گا میں نے تمام لوگوں سے پیشتر سات برس نماز پڑھی ہے (یعنی دوگ سات سال مجھ سے بعد ایمان لائے ہیں)

مسند سیّد ابوطالب ہر مروی سے بروایت منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے اور علیؑ کے اوپر فرشتوں نے سات سال درود بھیجا کیونکہ اس عرصہ میں میرے اور علیؑ کے علاوہ اور کوئی نمازی نہیں تھا (مجمع البیان)

تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ صفحہ ۲۵۶ پر ابو نخلہ سے مروی ہے کہ میں نے موسم حج میں حضرت ابوذر سے دریافت کیا کہ لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اب ہمیں کس کی پیروی کرنی چاہیے۔ تو ابوذر نے جواب دیا۔ کتاب خدا اور علیؑ ان دونوں کو لازم پکڑو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا۔ علی پہلا شخص ہے جس نے میری تصدیق کی۔ اور یہ پہلا شخص ہے جو بروز قیامت میرے ساتھ مصافحہ کرے گا اور یہی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرے گا۔ اور یہی دین اور مومنین کا بصوب ہے جس طرح کہ بال ظالموں کا بصوب ہے۔

رازی اپنے مقام پر سمجھتا ہے کہ علیؑ سابق الیمان ہے۔ اسی بنا پر تو اس نے السابقون الاولون سے مراد ہجرت

میں سبقت کرنے والے لئے ہیں تاکہ دستارِ فضیلت حضرت ابوبکر کے سر پر باندھی جائے۔ ورنہ اگر اَلْاَشْبَابُ بَقُولُنَّ سے مراد ایمان میں سبقت کرنے والے لئے جائیں تو حضرت علیؑ آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں جو رازی کی قوتِ برداشت سے باہر ہے اور دعوتِ عشرہ کے موقع پر تمام مؤرخین کے اتفاق سے حضرت علیؑ ہی ہیں جنہوں نے آوازِ پیغمبر پر صدائے لبیک بلند کی تھی اور دعوت میں آپؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو میری تصدیق کرے گا وہ میرا خلیفہ ہوگا۔ اور جنت میں میرا ساتھی ہوگا (مسند احمد بن حنبل) لیکن اس کی اہمیت کو کم کرنے کی خاطر رازی نے دہے لفظوں میں اقرار کر لیا۔ لیکن فوراً اس کی تاویل کے پیچھے پڑ گیا چنانچہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ لوگوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ کے سابق الیمان ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن اس قدر اتفاق ہے کہ مردوں میں سے ابوبکر عورتوں میں سے خدیجہ بچوں میں سے علیؑ، اور غلاموں میں سے زید سابق الیمان ہیں صرف ابوبکر کو اس صف میں کھڑا کرنے کے لئے چار گروہ بنا دیے ورنہ اگر علیؑ الاطلاق بتانا پڑتا کہ سب میں سے سابق الیمان کون ہے۔ تو سوائے علیؑ و خدیجہ کے اور کس کا نام لیتا؟ پس چار حصوں میں تقسیم کر کے اپنے حسد و بغض کی پیاس بجالی اور عوام کا لالعام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کھیل بھی کھیل لیا۔ اور اس پر بھی اکتفا نہیں کی۔ آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایمان لانے کے بعد تبلیغی فریضہ انجام دیا اور بہت سوں کو اسلام سے مشرف کرنے کی سعادت حاصل کی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں علیؑ چونکہ پچھتا ہذا وہ اس سعادت سے محروم تھا۔ پس ابوبکر کا سابق الیمان ہونا اسلام کے لئے مفید تھا۔ اور علیؑ کا سابق الیمان ہونا صرف رسمی تھا۔ لہذا سابقون کا راس و رئیس صرف ابوبکر ہی ہے۔ خدا خود ہی حق پوشی کا ایسے حاسدین سے انتقام لے گا۔ اگر حضرت علیؑ کا ایمان بچنے کی وجہ سے رہی تھا۔ اور قابلِ قدر نہ تھا تو دعوتِ عشرہ میں علیؑ کے لبیک کہنے پر حضرت رسولؐ کیلئے ان کو تمغہ اخوت و وصایت کیوں دیا۔ اور عہدِ خلافت کیوں کیا؟ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۷ کا مل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۸ اور کنز العمال ج ۳ ص ۳۹۲ دلائل الصنق بلکہ اگر بنظر انصاف و امان غور کیا جائے تو بچنے کا ایمان بڑھاپے کے ایمان سے بدرجہا افضل و بہتر ہے کیونکہ علیؑ کا بچنے کا ایمان یہ ثابت کرتا ہے کہ صحابہ میں سے صرف علیؑ ہی وہ شخصیت تھے جنہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی شرک اور بت پرستی کی آلائش سے اپنی ذات کو آلودہ نہ کیا۔ لہذا صحابہ میں سے صرف یہی ذات ہے جو زیورِ عصمت سے آراستہ ہے اور مردوں میں سے حضرت ابوبکر کا ایمان گویا قی لوگوں سے پہلے ہو لیکن یہ تو کم از کم ثابت کرتا ہے کہ اکثر زندگی ان کی شرک اور بت پرستی میں گزری تھی لہذا وہ صرف مسلمان ہی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے جس نے اول عمر سے آخر تک کبھی بت پرستی نہ کی ہو وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جو ایک مدت تک کفر و شرک کی آلائشوں میں ملوث رہا ہو۔ اور اگر اس کے ساتھ سورہ صہود کی آیت نمبر ۱۱۳ وَلَا تَذَكَّرُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا - لَمْ - یعنی ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جو کسی زمانہ میں ظلم کا ارتکاب کر چکے ہوں ورنہ جہنم میں جاؤ گے۔ اور ساتھ یہ بھی لحاظ رکھا جائے۔ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو شخص شرک کے جرم کا ارتکاب کر چکا ہو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی طرف جھکا جائے۔ لہذا مفہوم کے لحاظ سے یہ آیت بسانگِ دہل پکار رہی ہے کہ ان کی طرف جھکو۔ جنہوں نے اپنی پوری عمر کے کسی لمحہ میں بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ پس اس سے

تو حضرت علی کی خلافت بلا فصل بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گی۔ اور حضرت علی کا بچنے کا ایمان کہہ کر جس بنا پر ان کی سبقتِ ایمانی کو گھٹا رہے تھے وہ الٹا ان کے بنے بنائے سابق الایمان کے لئے مصیبت کا باعث بن گئی اور ان کی خلافت کے لئے بھی ایک چیلنج ہو گئی جس کا تاقیامت ان کے پاس جواب نہیں ہو سکتا۔ بہر کیف علی کا سابق الایمان ہونا ان کی خلافت بلا فصل کی دلیل ہے۔ خواہ اس کو بچنے کا ایمان کہتے پھر یہ یا کوئی اور تاویل کرتے رہیں۔ علی کی اس فضیلت پر پروردگار نے اس سورج پر گرد چھینکنے کے مترادف ہے۔

ایمان لانے والوں کے تین گروہ

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ آيَةُ مجیدہ میں تین گروہوں کی خداوند کریم نے مدح فرمائی۔
۱۔ سابقین اولین مہاجرین (۲) سابقین اولین انصار (۳) وہ جو ان سابقین کے پیچھے

خیر و خوبی سے چلے۔

خداوند کریم نے سابقین کے پیچھے چلنے والوں کے تین گروہ بیان کئے۔

۱۔ وہ جو سابقین کے پیچھے نیکی و خوبی سے چلے۔ یعنی ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے (مخنین) ۲۔ وہ گروہ جو ایمان لانے صرف زبان سے اور دل میں ہر منین کی مخالفت پر ڈٹے رہے (منافقین) ۳۔ وہ گروہ جو دل سے ایمان لائے۔ لیکن عمل میں نیکی اور بدی کو مخلوط کر بیٹھے۔ یعنی نیکی بھی کرتے رہے اور بُرائی سے بھی باز نہ آئے۔ ان کو مذنبین کہا گیا۔ منافقین اور مذنبین کا ذکر اگلی آیتوں میں آجائے گا۔ اس مقام پر منین کا ذکر ہے۔ اور خداوند کریم نے مہاجرین انصار اور مخنین ان ہر گروہوں کو ذکر خیر سے یاد فرمایا ہے اور انہی کے لئے اپنی رضامندی کی پیشکش فرمائی۔ اور انہی کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا۔ تفسیر منار میں مفتی محمد عبدہ نے بڑے مطہرات سے لکھا ہے کہ صحابہ رسول کے ہر طبقات کے لئے خدا کی جانب سے رضامندی اور وعدہ جنت و رافض کی ترویج کے لئے کافی ہے۔ آگے چل کر ایک روایت نقل کی ہے کہ حمید بن زیاد کہتا ہے۔ میں نے محمد بن کعب زرظلی سے صحابہ رسول کے متعلق پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ رسول کے تمام صحابہ خواہ نیک ہوں یا بد جنت میں جائیں گے۔ میں نے پوچھا یہ کیسے، تو اُس نے یہی السَّابِقُونَ والی آیت پڑھی۔ اور کہا خدا نے تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک مہاجرین دوسرے انصار اور تیسرے تابعین اور پہلی دونوں قسموں کے ساتھ نیکی یا بدی کی کوئی قید نہیں لگائی۔ لیکن تابعین کے ساتھ یہ قید لگا دی ہے کہ جو ان میں سے نیکی اور احسان کا راستہ اختیار کرے گا۔ پس مہاجرین و انصار کے ساتھ یہ قید نہ لگانا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خواہ نیک ہوں یا بد خدا ان سے راضی ہے اور وہ جنت میں ضرور جائیں گے۔ لیکن تابعین یعنی بعد میں ایمان لانے والے صرف وہی جنت میں جا سکیں گے جو نیک ہوں گے اور اس روایت کو رازی نے تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۹۲ پر نقل کیا ہے۔

دیکھیے یہ سب کچھ اہل بیت عصمت پر ظلم کرنے والوں اور ان کو تشدد کا تختہ مشق بنانے والوں کے اعمال پر
اَلرَّسُولِ عَلَى ظُلْمٍ | پروردگار نے اور آل رسول کی عظمت کو گھٹانے کے لئے ہی کیا جا رہا ہے۔ ورنہ کوئی صاحب عقل سلیم اس قسم کی خرافات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کر دے اور اول کے لوگ بلا تمیز نیک و بد داخل جنت ہوں۔ اور بعد والوں کے لئے

جنت میں داخلہ کے لئے نیک ہونے کی پابندی عائد کر دی جائے۔ اس کا مطلب تو صاف یہ ہوگا کہ جنت کا انعام ایک کھیل ہے اور دوزخ کا عذاب سکھوں والی پھانسی ہے کہ جس کے گلے میں فٹ آجائے۔ اسی کو لٹکا دیا جائے اگر اس اسلام کو اس علیے سمیت اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جائے تو اسلام اور اس کی تعلیمات محلِ تخرین کر رہ جائیں۔ خداوند کریم اور اس کا پاک رسول اس قوم کے خیالات فاسدہ اور عقائد کاسدہ سے بیزار ہیں۔ اور اسلام میں اس قوم کے خرافات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خداوند کریم کا دین عقل و انصاف کے اصولوں پر مبنی ہے۔ اور اس کے قوانین بلا فرق امیر و غریب اور بلا تیز خورد و کلان تمام اہل عالم پر یکساں نافذ ہیں۔ اور جنت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو خدا و رسول پر ایمان لانے کے بعد اسلامی قوانین پر کار بند ہوں۔ اور مرتے دم تک کار بند رہیں خواہ عرب ہوں یا نحم۔ خواہ اپنے ہوں یا بیگانے۔ نیز خواہ صحابہ ہوں یا غیر۔ لیکن اگر زبان سے دعویٰ ایمان کرتے رہیں اور اسلامی قوانین کی مخالفت کرتے ہوں۔ اور نیکی و بدی میں فرق نہ سمجھتے ہوں تو ایسے لوگ یقیناً خدا کی رضا کے مستوجب نہیں ہو سکتے۔ اور نہ خدا ان سے راضی ہوتا ہے ورنہ اگر خدا بڑے لوگوں سے راضی ہو۔ اور اچھے لوگوں سے بھی راضی ہوتا چھائی و برائی کا کوئی فرق نہ رہے گا۔ العیا ذ باللہ اور پھر یہ کہ صحابہ کے لئے اچھائی و برائی کا فرق نہ ہو۔ اور باقیوں کے لئے ہو تو معاذ اللہ، خدا ظالم ٹھہرے گا۔ حالانکہ وہ خود عادل ہے اور عدل کی دعوت دیتا ہے۔ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کے ظلم پر رضامند ہوتا ہے۔ نیز رضائے پروردگار اور وعدہ جنت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جن کے ساتھ وعدہ ہے وہ تازلیت صفت ایمان اور عمل صالح پر رہیں۔ ورنہ اگر ابتداء میں مومن ہوں اور بعد میں مرتد ہو جائیں تو قطعاً رضائے خدا کے وہ حقدار نہ ہوں گے۔ اور نہ ان کے لئے وعدہ جنت ہوگا۔ لہذا جن لوگوں نے حضور رسالت مآب کے بعد آل رسول کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور حضرت علی کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کیا۔ ان کا انجام اچھا نہ رہا۔ اور جب خاتمہ درست نہ ہوا تو خواہ مہاجر ہوں یا انصار۔ آیت مجیدہ کے اس وعدہ سے وہ باہر ہوں گے۔

نیز پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ تیسرے گروہ سے رسالت مآب کے بعد والے تابعین مراد لینا بعد والوں کی اصطلاح جدید ہے۔ ورنہ اس آیت مجیدہ میں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین کے بعد صفت ایمان سے مستصف ہونے اور احسان کی صفت تین گروہوں میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ اور آخری گروہ کے ساتھ ذکر کر کے پہلے دو گروہوں سے حذف کر دی گئی ہے جس طرح وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضُوْهُ كَوَدُّوْهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضُوْهُ اور اس قوم کا حذف کلام عرب قرینہ قائم کیا ہے ورنہ چاہیے تھا وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضُوْهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضُوْهُ اور اس قوم کا حذف کلام عرب میں عام شائع ہے جیسے اَنْتَ بِمَاعِنْدَكَ وَنَحْنُ بِمَاعِنْدَكَ اَصْحٰبُ۔ پس اس آیت میں بھی ایک دفعہ لفظ احسان کو ذکر کر دینے کے قرینہ سے مہاجرین و انصار میں احسان کی قید خود بخود سمجھی جاتی ہے۔ لہذا وہاں اس کو بڑھانے کی ضرورت نہیں رہی۔ پس معلوم ہوا کہ مساق آیت کے لحاظ سے وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُم مِّنْ مَّهٰجِرِيْنَ وَالنَّصٰرِ سَابِقِيْنَ کے بعد ایمان لانے والے صحابی ہیں۔ لیکن تاویل و باطن کے لحاظ سے تا قیامت بعد میں آنے والے جملہ مومنین کو آیت شامل ہے۔ ورنہ آیت کا

مصنوع ایک عرصہ محدود تک کے لئے محدود ہو جائے گا حالانکہ اس کی جملہ ہدایات تاقیامت جاری ہیں۔

رازی نے روایت متقدم الذکر میں ایک جملہ کا آخر میں اضافہ کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اَتَّبِعُوهُمْ بِالْحَسَنِ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ مہاجرین و انصار تمام کے لئے خواہ نیک ہوں یا بد چونکہ رضوانِ خدا اور جنت کا وعدہ ہے۔ لہذا خدا کے اس وعدہ میں بعد میں آنے والے وہی مومن داخل ہوں گے جو صحابہ مہاجرین و انصار کے نقشِ قدم پر چل کر ایمان قبول کریں گے۔ لیکن ان کی غلط کاریوں اور برائیوں پر نکتہ چینی نہ کریں گے۔ اور پھر آگے چل کر لکھنا ہے کہ بعد میں آنے والے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والے مومنین بھی اس آیت کی رو سے رضوانِ خدا اور وعدہ جنت میں داخل ہیں لیکن ان کے لئے یہ شرط ہے کہ احسان اور نیکی سے ان کے پیچھے چلیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کے بارے میں اچھائی بیان کریں ورنہ اگر نکتہ چینی کریں گے تو اس انعام سے محروم رہیں گے۔

یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آیت مجیدہ کی آخری طرف صحابہ کی اس روش پر پردہ ڈالنے کے لئے ہے جو آلِ رسول کے ساتھ انہوں نے اختیار کی۔ اور شیعہ حضرات کو کوسنے کی خاطر ہی یہ سُننِ لڑائی جاتی ہے۔ لیکن بخاری شریف اور دیگر کتب معتبرہ کی ان احادیث کو کہاں چھپائیں گے جن میں صاف طور پر ہے اَلْفَاطِمَةُ لِبَضْعَةٍ مِثْنِي مَنْ اِذَا هَا فَفَقَدَ اِذَا نِي۔ یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا اور حضرت فاطمہ علیٰ نبی کے بڑے بھائی کے بخاری کے غیر مبہم الفاظ کی کیا تاویل ہوگی۔ اور اس کے بعد اسی سورہ میں فرمانِ خداوندی کا کیا جواب ہوگا کہ جو خدا و رسول کو ایذا دے گا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اگر بقول بخاری فاطمہ کی ایذا رسول کی ایذا ہے۔ اور حضرت ابوبکر نے فاطمہ کو ایذا بھی دی تو قرآن کی رو سے ایذا رسول و زخ میں داخلہ کی ناقابل تردید سند ہے۔ اور صرف باتوں باتوں سے یا تاویلات سے یہ معاملہ ٹل نہیں سکتا۔ رضوانِ خدا اور جنت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مومن رہے اور آخر دم تک صفت ایمان کے ساتھ ساتھ آلِ رسول کے اطاعت گزار بھی رہے۔

اور رازی کے دل میں کھٹک ضرور ہے اور ان تمام باتوں کو سمجھتا ہے۔ لیکن باپ دادا اور گدشتگان کی اندھی تقلید نے اس کے دل و دماغ کو معطل کر رکھا ہے۔ چنانچہ آخر میں کہتا ہے کہ مہاجرین و انصار کے حق میں یہ لہجہ طعن لب کشائی کرنے والا رضائے خدا اور جنت کی پیش کش سے اس لئے محروم ہے کہ وہ ان کے نقشِ قدم پر احسان و نیکی سے نہیں چلا کیونکہ دینار مومنین اصحابِ رسول کی تعظیم میں مبالغہ کے قائل ہیں۔ اور وہ ان کی غیبت و شکوہ میں زبان نہیں کھولتے اور نہ ان کو ایسے انداز سے ذکر کرتے ہیں جو ان کے خلاف نشان ہو۔

یہ سب کچھ عقل و دانش کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت بلکہ اعلانِ جنگ ہے۔ بس عقل کا صریح فیصلہ ہے کہ خواہ کتنا بڑا ہو۔ اگر خدا و رسول کا مخالف ہو تو وہ جنت کی بوند سونگھے گا۔ کیونکہ جب حضرت نوح کا سکا بیٹا عذابِ خداوندی سے نہ بچ سکا تو کوئی اور کیوں کر کسی ناجائز رعایت کا مستحق قرار دیا جاسکے گا اور خداوندِ کریم کسی کی ناجائز رعایت کر سکتا ہی نہیں اور اگر کسی کی آلِ رسول کے حق میں گستاخی قابلِ عفو ہو سکتی ہے تو صحابہ کے حق میں گستاخی بھی قابلِ عفو ہو سکتی ہے۔ پھر ہر شخص کے لئے آزادی ہے جو چاہے کہتا پھرے۔

رازی نے ایک اور منطقی استدلال کا اضافہ یوں کیا ہے کہ چونکہ مہاجرین و انصار کے متعلق خدا نے فرمایا ہے رضی اللہ عنہم - یعنی خدا ان سے راضی ہو گیا - اور یہ رضامندی زمانہ ماضی اور حال اور استقبال تینوں زمانوں کو شامل ہے - لہذا اگر یہ کہا جائے کہ آلِ رسول سے بھگڑا کرنے کے بعد وہ خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے تو خدا کا رضی کا وعدہ واقع کے مطابق ذرپے گا کیونکہ خدا نے اپنی رضا کے وعدہ میں یہ نہیں فرمایا کہ خلافت سے پہلے تک راضی ہوں - اور ان کے خلافت کے دعویٰ کرنے کے بعد راضی نہ ہوں گا - پس خدا کا رضا کے ساتھ زمانہ کی قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان مہاجرین و انصار سے ہر زمانہ میں راضی ہے -

صاحبان عقل و فکر کے سامنے رازی کا یہ بیان بھی تاریخِ عنکبوت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اس عقل کے اندھے کو یہ خیال نہیں رہا کہ رضی فعلِ ماضی کا صیغہ ہے جس کی دلالت صرف زمان ماضی تک محدود ہے - اور یہ فعل استمرار کے لئے استعمال نہیں ہوتا تو گویا صاف معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت اور رسول کی نصرت میں سبقت کی - خدا ان سے راضی ہو گیا - یعنی ہجرت اور نصرت خدا کے نزدیک اس قدر مستحسن فعل ہیں کہ ان کی وجہ سے خدا نے ان کی سابقہ تمام لغزشیں معاف کر دیں اور ان کے لئے جنت کا وعدہ کر دیا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے - اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے بعد اگر ایمان و اسلام کے تقاضوں کو چھوڑ کر مرے تب بھی وہ اس پیش کش کے سزاوار رہیں گے - کیا بخاری شریف کی ارتداد والی حدیث اور حدیث حوض یاد نہیں رہی کہ حصفہ فرماتے ہیں میں حوض پر ہوں گا - اور میرے سامنے چند لوگ بلائے جائیں گے اور ان کو جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا تو میں کہوں گا - اَصِيْحَابِي اَصِيْحَابِي - یعنی یہ تو میرے صحابی ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے تو جواب ملے گا - آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے بعد میں کیا کیا کرتوت کئے - تو میں کہوں گا - دُوْرُكُوْ - ان کو دُور کر دو اور یہ حدیثیں من وعن حوالہ جات سے مقدمہ تفسیر میں درج کی جا چکی ہیں - ۱۵۳ ص ۱۵۴ -

رازی نے توجیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ رضائے خدا اور وعدہ جنت ایک موصوف پر مترتب ہیں تو جب تک اس موصوف میں وہ صفت باقی رہے گی - وعدہ رضا و جنت کا باقی رہنا بھی ضروری ہے - اور وہ صفت ہے ہجرت میں سابق ہونا اور نصرت رسول میں سبقت کرنا تو چونکہ یہ صفتیں مہاجرین و انصار کے لئے دائمی ہیں - لہذا جنت و رضا کا ثبوت بھی دائمی ہو گا - اس کے بعد ان سے جس قسم کی لغزشیں سرزد ہوں وہ رضائے خدا اور وعدہ جنت کے آگے حائل نہیں ہو سکتیں -

اس کا جواب ہمارے گذشتہ بیان میں واضح ہو چکا ہے کہ سبقت سے مراد سبقتِ ایمانی ہے اور ایمان ہی محدود مدار سے تمام باقی صفات کا اور اسی صفتِ ایمان کو ہی اصولی اور بنیادی مقام حاصل ہے - ورنہ اس صفت کے بغیر ہجرت و نصرت قطعاً قابل مدح ہو سکتی ہی نہیں - پس سابقوں سے مراد ہیں - ایمان میں سبقت کرنے والے اور سب میں سے سابقی اول حضرت علیؑ ہیں - اور باقی مہاجرین و انصار جو بعد میں اس صفت سے متصف ہوئے - بالفرض اگر ان

خَلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ

ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ بڑی کامیابی ہے اور تمہارے گرد و نواح میں سے جو بدوی

مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ خَلِدُوا فِيهَا

منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے جو قائم ہیں نفاق پر تمہیں پتہ نہیں اور ہمیں پتہ ہے

سُعْدًا بِهِمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَأَخْرُوجُوا

ہم ان کو عذاب دیں گے دو دفعہ پھر پٹائے جائیں گے طون بڑے عذاب کے اور دوسرے جنہوں نے اقرار

بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرُ سَيِّئًا وَعَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ

کیا اپنے گناہوں کا ملا بیٹھے عمل نیک کو اور عمل بد کو اُتیرے کہ خدا ان کی توبہ قبول کرے گا

کو سابقین کی صفت سے ملقب کیا گیا تو رضنا و جنت کے وعدہ کا مدار ہے صفت ایمان اگر خاتمہ ایمان پر رہا تو وعدہ برقرار رہا۔ لیکن اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو سابق ہجرت اور نصرت کو جحطت اَعْمَالُهُمْ کے ترخانے میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور رسالت مآب کی متواتر احادیث سے یہ مضمون ثابت ہے۔ علامہ حلی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت علی کے خلیفہ بلا فضل ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور فضل بن روز بہان جیسے متعصب نے بھی علی کا سابق الایمان ہونا تسلیم کیا ہے۔ اللہم اجعلنا من انصار محمد وآل محمد واتباعهم۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ اور انصار سابقین کے بعد اظہار ایمان کرنے والوں کے تین گروہ تھے۔ جن کا پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے۔ ایک وہ جو مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر خیر و خوبی سے چلے۔ ان کو محسنین کا درجہ دیا گیا۔ جن کا پہلی آیت میں بیان گذر چکا ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو زبان سے مومن اور دل سے کافر تھے۔ ان کو منافقین کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس آیت مجیدہ میں اپنی لوگوں کا تذکرہ ہے۔ اس قسم کے لوگ دیہاتوں میں بھی تھے۔ اور خود شہر مدینہ میں بھی تھے۔ جیسے کہ آیت میں ہے۔ ان کو دو دفعہ کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ ایک دنیا میں رسوائی و دولت کا اور دوسرا قبر میں اور پھر تفسیر عذاب دائمی ہوگا جو بڑا عذاب ہوگا۔

وَأَخْرُوجُوا یہ تیسرے گروہ کا بیان ہے جو ایمان دل سے لائے۔ لیکن عمل میں نیک و بد کو ملا بیٹھے یعنی نیکیاں بھی کرتے رہے اور برائیاں بھی ان سے سرزد ہوئیں اور ان کو مذنبین کہا گیا ہے۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کی توبہ قبول ہوگی۔

وَجِبْ زَكَاةً كَمَا حَكَمَ | خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ تفسیر مجمع البیان میں البرجزہ شمالی سے مروی ہے کہ انصار میں تین آدمی جو

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ

تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لے لو ان کے مال سے صدقہ کہ تو ان کو پاک و پاکیزہ کر دے اس کے ذریعہ سے

بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۳﴾

اور دعا کر ان کو کہ تحقیق تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو اور

غزوہ تبوک میں ہم کاب رسالت مآبؐ نہ ہوئے تھے۔ جب ان کو تپ چلا کہ ان کے حق میں سخت ترین آیتیں اُتری ہیں تو انہوں نے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ جب حضور اکرمؐ واپس آئے اور ان کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ ان لوگوں نے بطور سزا کے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ اور سوائے حضورؐ کے ان کو کوئی نہیں کھول سکتا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں ان کو کھولنے کی جرات نہیں کرتا جب تک کہ حکم خدا نہ ہو۔ پس جب آیت ۱۰۲ اُتری جس میں مذنبین کی توبہ کے قبول کرنے کا ذکر ہے تو آپؐ نے ان کو کھول دیا۔ پس وہ اپنے مال اٹھا لائے اور کہنے لگے کہ اپنی مالوں نے ہمیں آپ کے پیچھے رہنے پر مجبور کیا تھا۔ لہذا ان کو صدقہ کر دیجئے۔ پس آپؐ کے منظرِ موعیے اور آیت اُتری کہ سارا مال نہ لیجئے بلکہ ان کے اموال میں سے کچھ لے لیجئے۔ اور من یہاں تعین کے لئے ہے اور یہ صدقہ ان کے لئے کفارہ گناہ کے طور پر تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ آیت عام و جب زکوٰۃ کے حکم کے لئے ہو کہ مومنوں سے زکوٰۃ وصول کرو جو ان کی روحانی تہارت کے لئے ہے کہ صفت بخل سے ان کے قلوب پاک ہوں گے۔ اور ان کے مالوں کے تزکیہ کے لئے ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی برکت سے ان کا مال بڑھے گا۔ اور رزق میں وسعت ہوگی۔ اور آیت مجیدہ میں اسباب تھا۔ جس کو حضورؐ نے اپنے فعل سے رفع فرما دیا کہ زکوٰۃ فلال فلال جنس و نقدی میں واجب ہے۔ اور اس کا نصاب اس قدر ہے۔ اور وجوب و ادا کا وقت فلال ہے۔ اور یہ تمام مسائل تفصیل کے ساتھ حسب ضرورت اسی جلد میں مذکور ہو چکے ہیں۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

إِنَّ صَلَاتَكَ ۗ مَقْصُودٌ هِيَ زَكَاةٌ وَصَلُّوا كَرْنِ كَعْبَدَانِ كَعْتِ مِيں دُعَا كِيَا كَرُو۔ اُور اِس آيْتِ سِي ظَاهِرُ هُوَا

ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے حق میں وصول کرنے والے کو دعا کرنی چاہیے۔
يَاخُذُ الصَّدَقَاتِ ۗ لِيَعْنِي خَاوُو لِيَتَا هِي صَدَقَاتُ كُو۔ جِيَا كَرُوَايْتِ مِيں وَا رُو هِي ۗ حَضْرُو فَرْمَا تِي هِيں ۗ كَرُو
صَدَقَةُ مَسْتَقِي كِيَا تَحْتِ مِيں سِنِخِي سِي قَبْلِ خُدَا كِيَا يَزِدُّ قَدْرَتِ پَر جَا تَا هِي ۗ مَقْصُودِيَا كَرُو مَسْتَقِي تَحْتِ سِنِخِي سِي قَبْلِ وَ هِي سُنْدِ قَبُولِيَّتِ
حَا صِلُ كَرُو لِيَتَا هِي ۗ اُو صَدَقَةُ كِيَا فَضِيلَتِ كِيَا سَمَلَقِ قَبْلِ اِزِيں اَحَادِيثِ حَسْبِ ضَرُورَتِ نَقْلِ كِيَا جَا چُكِي هِيں ۗ حَتَّ ۗ

آمہ ہمارے اعمال سے مطلع ہوتے ہیں۔ فَيَسِّرْ لِي اللَّهُ ۗ اَعْمَالِ كُو خُدَا كُو يَكْفِي خَاوُو وَاضِحُ هِي ۗ اُو صَانِي مِيں بروايت كَا فَا نِي

أَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلْ أَعْمَلُوا فَيَسِّرِ اللَّهُ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ

اللہ ہی قبول کرنے والا مہربان ہے اور کہہ دو کہ تم عمل کرو۔ عنقریب دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور

رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

اس کا رسول اور ایمان والے اور عنقریب تم پٹنائے جاؤ گے طرف جاننے والے غیب و شہادت کے پس تمہیں خبر دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِمَا بَعَدَ بِهِمْ

جو تم عمل کرتے ہو اور دوسرے منتظر ہیں امر خدا کے یا ان کو عذاب دے گا

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا تم لوگ کیوں حضرت رسالت مآب کو ناراض کرتے ہو، تو پوچھا گیا کہ حضور وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے اعمال ان کے پیش کئے جاتے ہیں۔ پس وہ تمہاری بُرائیاں دیکھتے ہیں تو ناراض ہوتے ہیں۔ لہذا تم ان کو ناراض نہ کیا کرو بلکہ خوش کیا کرو۔ اور امام رضا علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ مولا! میرے لئے اور میرے گھر والوں کے لئے دُعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا پہلے میں نہیں کرتا ہوں؟ خدا کی قسم تمہارے اعمال ہر شب و روز میرے پیش کئے جاتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے تعجب کیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اور فرمایا کہ یہاں مومنوں سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں اور مقصد یہ ہے کہ مومنوں سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی صراحت موجود ہے اور عیاشی سے بروایت امام محمد باقر علیہ السلام منقول ہے کہ کوئی مومن یا کافر جہاں بھی مرے تو اس کے قبر میں داخل کرنے سے قبل اس کے جملہ اعمال حضرت رسالت مآب اور حضرت امیر المؤمنین اور یکے بعد دیگرے تمام ائمہ طاہرین کے پیش کئے جاتے ہیں۔ ہر کیفیت اس مضمون کی روایات کتب شیعہ میں بکثرت وارد ہیں کہ جملہ اعمال ائمہ طاہرین کے پیش ہوتے ہیں اور ہمارے نیک اعمال کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور بد اعمالیاں دیکھ کر وہ ناراض ہوتے ہیں۔ اس لئے جملہ محتبان محمد و آل محمد کو چاہیے کہ اپنے اعمال کا ہر وقت جائزہ لیں کہ کہیں ان سے ایسے افعال سرزد نہ ہوں جن سے وہ ناراض ہوں۔ اور ایسے اعمال بجالانے کی کوشش کریں جن سے وہ خوش ہوں۔

اور ظاہر کے لحاظ سے آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہو گا کہ انسان اپنے اعمال کو خواہ کتنا ہی پوشیدہ کرنے کی کوشش کرے آخر اس کی ہوا باہر نکل ہی آ کر تھی ہے۔ چنانچہ تفسیر ساری میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ایک پتھر کے سوراخ میں گھس کر کوئی کام کرے جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی تب بھی خدا اس کے عمل کو ظاہر کر دے گا خواہ وہ جس نوعیت کا ہی ہو مقصد یہ ہے کہ تمہاری بد اعمالیاں خدا اور رسول و مومنین سے مخفی نہیں رہتیں۔ لہذا تم ایسے کام سے گریز کرو جس کا ظاہر ہونا ایک دن تمہارے لئے باعث ندامت ہو۔

وَآخِرُونَ مُرْجُونَ - غزوہ تبوک سے تخلص کرنے والوں کی قسمیں متعوباً گذر چکی ہیں۔ بعض وہ تھے جو اجازت لیکر

وَأَمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۲۷﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا

اور یا توبہ قبول کرے گا ان کی اور خدا جاننے والا حکمت والا ہے اور جنہوں نے بنائی مسجد ضرر اور

وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

کفر اور مومنین میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور رصدگاہ اُس شخص کے لئے جس نے جنگ کی لگئی اور اس کے رسول کے ساتھ

بیٹھ گئے تھے اور بعض بلا اجازت بیٹھ گئے تھے۔ بعض پشتیان ہوئے اور انہوں نے صدقہ بھی دیا اور بعض اپنے کفر و عناد پر ڈٹے رہے۔ بعض کی توبہ فوراً قبول ہوئی۔ اور بعض مومنوں سے مخبری کرنے کے درپے ہو گئے۔ بہر کیف یہ بھی انہی لوگوں میں سے ایک قسم ہے جو خداوند کریم کے فیصلہ کے منتظر ہیں۔ نہ ان کا کفر ظاہر ہے کہ حتمی عذاب ہو۔ اور نہ انہوں نے توبہ کی کہ حتمی معافی ہو۔ اور تفسیر صفائی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت حمزہ و جعفر طیار کے قاتل ہیں جنہوں نے قبل از اسلام ان کو شہید کیا اور بعد میں خود مسلمان ہو گئے۔ اور شرک و کفر کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور یہ ترمذی اس اعتبار سے ہے کہ مومنوں کو ان کے انجام کا پتہ نہیں ہے ورنہ خالق کو تو معلوم ہے کہ ان کو عذاب دے گا یا معاف کرے گا۔ پس جو اُس کی مشیت کا تقاضا ہوگا وہی ہوگا۔

ضِرَارًا وَكُفْرًا۔ اس کے شان نزول کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے کہ بنی عمرو بن عوف مسجد قبا اور مسجد ضرار نے مسجد قبا تعمیر کی۔ اور حضور کو دعوت دی۔ پس آپ نے جا کر وہاں ان کو نماز پڑھائی۔ پس یہ دیکھ کر منافقین کی ایک جماعت جو بنی غنم بن عوف تھے۔ ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم ایک الگ مسجد بنائیں گے جس میں نماز الگ پڑھیں گے اور یہ ۱۲ یا ۱۵ آدمی تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسجد قبا کے پیلوں میں ایک مسجد بنا ڈالی اور حضور کو اطلاع دی جب کہ آپ تبرک کی طرف تیاری کر رہے تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے بیماریوں اور محتاجوں کے لئے نیز بارش اور سخت سردی کے ایام کے لئے اپنے ہاں ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ بنفس نفیس وہاں نماز پڑھیں اور ہمارے حق میں دعا بھی فرمائیں تو آپ نے فرمایا ابھی میں سفر کو جا رہا ہوں۔ جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری مسجد کو دیکھیں گے۔ پس آپ تبرک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ضِرَارًا۔ اور اس کے بعد منصوبات مفعول لہ ہیں۔ یعنی انہوں نے مسجد بنائی خالص مومنوں کو مزدینے کے لئے اور کفر بچنے کے لئے کہ وہاں بیٹھ کر وہ مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کا گلہ و شکوہ کریں۔ اور مومنین میں اختلاف ڈالنے کے لئے اور دشمن خدا و رسول کے لئے کہ وہ اپنا اٹھ وہاں جمالے۔

لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ۔ ایک شخص الیعام نامی جو زمان جاہلیت میں راہب بنا ہوا تھا۔ مدینہ میں حضور کی تشریف آوری سے کو بیدہ خاطر ہوا۔ اور اُس نے حضور کو ناکام بنانے کی کئی سازشیں کیں۔ لیکن خود ناکام ہوا۔ اور فتح مکہ کے بعد یہ شخص طائف چلا گیا۔ اور جب وہ لوگ مسلمان ہوئے تو وہ نصرانیت کو قبول کر کے شام گیا۔ اور وہاں سے روم چلا گیا۔ اس نے منافقوں کو پیغام

مَنْ قَبْلُ وَيَلْجِفَنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ لَشَهِيدٌ بِمَا كُذِّبُوا ۝۱۰۷

پہلے سے اور وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا مگر نیک اور اللہ گواہ ہے کہ سچیت وہ بھوٹے ہیں

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا الْمَسْجِدُ اسَّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ

اس میں نہ نماز پڑھو بالکل البتہ وہ مسجد جو بنائی گئی تقویٰ پر پہلے دن سے وہ اس لائق ہے کہ اس میں

فِيهِ طَيْبٌ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَّطَّهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝۱۰۸

نماز پڑھو اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں پاک ہونا اور اللہ بھی چاہتا ہے پاکیزوں کو کیا وہ

اسَّسَ بِنِيَانِهِ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ اسَّسَ بِنِيَانِهِ

جس نے بنایا مکان اوپر تقویٰ خدا کے اور رضامندی اس کے بہتر ہے یا وہ جس نے بنایا مکان اوپر

عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَارٍ فَإِنَّهَا رَيْبَةٌ فِي نَارٍ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کنارے وادی کے جو گرنے والا ہو پس اس کو لے کرے آگ دوزخ میں اور اللہ نہیں ہدایت کرتا

بھیجا تھا کہ میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں اور وہاں سے فوجیں ساتھ لائوں گا۔ اور اہل اسلام کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ لہذا تم میرے لئے ایک مسجد بنا لو۔ پس ان لوگوں نے وہ مسجد اس کے لئے ایک اڑھ قائم کرنے کی خاطر بنائی تھی اور حضور اس کو ابو عامر فاسق کے نام سے پکارتے تھے اور یہی عامر اس خنظلہ کا باپ تھا جو حضرت رسالت مآب کی معیت میں جنگ احد میں درجہ شہادت پر فائز ہوا تھا اور ملائکہ نے اس کو غسل دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ غیل الملائکہ کے لقب سے ملقب ہوا تھا۔ جب حضور تبوک سے واپس آئے تو وہ منافقین تمہیں کھانے لگے کہ ہم نے یہ مسجد محض خلوص نیت سے بنائی تھی۔ لیکن خداوند کریم نے ان کی بد باطنی کی اطلاع دے دی تھی اور فرمایا کہ یہ بالکل جھوٹ کہتے ہیں۔ لہذا ان کی بنائی ہوئی نام نہاد مسجد میں بالکل نماز نہ پڑھیے۔ پس حضور نے اپنی جانب سے دو آدمی بھیجے کہ اس مسجد کو گرا کر اس کے سامان کو نذر آتش کر دیں۔ اور اسے مزلہ بنا دیں۔

شَفَا جُرْفٍ - شفا کا معنی کنارہ ہوا کرتا ہے اور اس کا تثنیہ شفوان ہوتا ہے۔ لغوی طور پر پیمائش کا آخری سر اشفا کہلاتا ہے اور جُرْف وادی یا نہر یا دریا کا کنارہ جس کو نیچے سے پانی نے کھود ڈالا ہو۔ ہار یہ صخرہ یا پتھر کے باب سے ہے اور اجوف وادی سے ہے اس کا فاعل صخرہ ہونا چاہیے تھا۔ پس صخرہ مقلوب صخرہ کا ہے۔ جس طرح شاکی مقلوب ہوا کرتا ہے۔ شامک کا یعنی سلاح پوشش۔ اور اَنْحَارٌ نِہَارٌ باب الفعال اسی مادہ سے ہے۔ اور اس کا معنی گونا گونا ہوا کرتا ہے۔ تو اس

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بَنِيَانَهُمُ الَّذِي بَنُوا رِيْبَةً فِي قُلُوْبِهِمْ إِلَّا

ظالم لوگوں کو ہمیشہ رہے گا وہ مکان جو انہوں نے بنایا باعثِ ارمان ان کے دلوں میں مگر یہ کہ

أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۱۰﴾ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنْ

اُن کے دل پھٹ جائیں وہ مر جائیں، اور اللہ علیم و حکیم ہے تحقیق اللہ نے خرید لیا ہے مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ

سے اُن کے نفس اور مال اس بدل میں کہ ان کو جنت دے گا جو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں

اللَّهُ فَيُقْتَلُونَ وَيُقْتَلُونَ تَفْءُ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ

پس مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں یہ اُس کا پکا وعدہ ہے تورات اور انجیل

وَالْقُرْآنِ ط وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي

اور قرآن میں اور کون اللہ سے زیادہ وعدہ کی وفا کرنے والا ہے پس تمہیں مبارک ہو یہ سودا جو تم نے اس سے

بَايَعْتُمْ بِهِ ط وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۱﴾

کیا ہے اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے

آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے اس بنائے مسجد کو تشبیہ دی۔ ایسے مکان کی بنا سے جس کی بنیاد کسی نہر کے گرتے ہوئے

کھوکھلے کنارہ پر رکھی جائے جو فوراً پانی میں گر جانے والا ہو۔ پس گویا ان کی یہ مسجد جہنم کے کنارہ پر بنائی گئی ہے جو اپنے اہل

سمیت جہنم میں جا کرے گی۔

لَا يَدْرَأُ آلُ - اب چونکہ حضور نے ان کی سازشوں کی قلعی کھول دی اور ان کے کفر و الحاد کے اڈے کو مسمار کر دیا۔ تو فرماتا ہے کہ یہ حسرت

تادم مرگ ان کے دلوں میں رہے گی۔ اور جب مریں گے تو انجام کا انہیں پتہ چلے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ كَمَا مَعْنَى

یہ ہو کہ وہ توبہ کر لیں۔ یعنی توبہ سے اُن کے دل بھٹیں اور افسوس کریں کہ ہائے ہم نے کیا کیا۔

رُكُوعُ نَمْبَرُ ۳ مومن کے لئے جنت کی پیش کش | إِنَّ اللَّهَ چُونکہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جانی اور دوسری

جانی و مالی ہر دو اعتبار سے احکام خداوندی کی رعایت رکھے تو اس کے لئے جنت ضروری ہے۔ پس اس مقام پر خرید و

فروخت کے عنوان سے ذکر کرنا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ جانی و مالی ہر دونوں طریقوں سے خدا کے اطاعت گزار

التَّائِبُونَ الْعِبَادُونَ الْحَمِيدُونَ السَّائِحُونَ الرُّكَّعُونَ السَّجِدُونَ

توبہ کرنے والے عبادت گزار حمد کرنے والے روزہ دار رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے

الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ

نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے منع کرنے والے اور حفاظت کرنے والے اللہ کی حدود کی

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۳﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا

اور مومنوں کو خوشخبری دے مبارک دو نہیں روا نبی اور مومنوں کے لئے کہ دعائے بخشش کریں

لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ

مشرکوں کے لئے اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار قریبی ہوں بعد اس کے کہ ان کو پتہ ہو

ہوں ان پر جنت واجب ہوتی ہے جس طرح خرید و فروخت میں سود کرنے کے بعد چیزوں کا تبادلہ ضروری ہوا کرتا ہے۔
التَّائِبُونَ - مومنوں کے اوصاف بیان فرمائے غلطی کے بعد پشیمان ہونا اور توبہ کرنا۔ عبادت کرنا۔ حمد پروردگار بجا
لانا۔ خوشنودی خدا کی خاطر روزہ رکھنا یا بعضوں نے سائحون کا معنی طلب علم کے لئے سفر کرنا مراد لیا ہے اور یہ بھی درست
ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد رکوع سجدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ سب مومنوں کی نشانیاں ہیں جن سے خدا نے جنت
کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور یہ پھلی کلام سے الگ کر کے جملہ مستانفہ بنایا گیا ہے۔ گویا اگر سوال کرے کہ وہ مومن کس قسم کے ہیں
جن سے مال و جان کے عوض میں خدا نے جنت کا سودا کیا ہے؟ تو یہ اس سوال کا جواب ہوگا۔ اور آخر میں الْحَافِظُونَ
لِحُدُودِ اللَّهِ سے ایک کلیہ بیان فرما دیا کہ وہ وہ ہیں جو حدود خداوندی کی حفاظت کریں۔ اس کے واجبات کو ترک نہ کریں
اور محرمات کے قریب نہ جائیں۔ اور انسان کے جملہ شئون زندگی میں ذاتی اور تمدنی لحاظ سے اوامر و نواہی کے جو قواعد
شرعیات نے پیش کئے ہیں وہی اللہ کی حدود ہیں۔ اور ان کو توڑنا ایمان کے منافی ہے۔ اور اس میں تمام ابواب فقہ اجمالاً آ
جاتے ہیں۔ پس اس مختصر لفظ میں پورے اسلامیات کو اپنانے کی بانڈا زبلیغ دعوت دی ہے جو اسی کلام کا طرہ امتیاز
ہی ہو سکتا ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو حدود خداوندی کے قائم کرنے کی توفیق دے۔

تفسیر نوح البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور نہج البلاغہ میں حضرت امیر علیہ السلام کا بھی فرمان
ہے کہ تمہارے نفوس کی قیمت جنت ہے۔ لہذا ان کو کسی اور چیز کے بدلہ میں فروخت مت کرو۔ ایک مرتبہ زہری امام زین العابدین
علیہ السلام سے راہ حج میں ملا تو کہنے لگا کہ آپ نے جہاد کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ مشکل ہے۔ اور حج پر آسان سمجھ کر روانہ ہو گئے۔ تو
آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اگر ان صفات کے مومنین ہمیں مل جائیں تو ہم جہاد کو حج سے ترجیح دیں گے۔

أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ

کہ وہ دوزخی ہیں اور نہیں تھا طلب بخشش کرنا ابراہیم کا اپنے چچا آذر کے لئے مگر ایک وعدہ کی

مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ وَإِن

وجہ سے جو انہوں نے کیا تھا تو جب پتہ چلا کہ وہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزار ہو گئے تحقیق

إِبْرَاهِيمَ لِأَوَّلَىٰ حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ

ابراہیم بہت دینیولے اور صابر تھے اور خدا کی شان نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو ہدایت کے بعد

حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ ط إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ اللَّهَ

یہاں تک کہ واضح کرتا ہے ان کے لئے وہ احکام جو موجب تقویٰ ہیں تحقیق اللہ ہر شے کو جانتا ہے تحقیق اللہ کے لئے

مَاشْرُكٍ كَلِمَةً مِّنْ دُونِهَا وَمَا كَانَ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ وَإِن

مشرک کے لئے دعا کرنا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ حتمی طور پر جہنم میں داخل ہوں گے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن لوگوں کے متعلق یہ یقین ہو کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا۔ اور وہ یقیناً دوزخی ہو گا۔ تو اس آیت مجیدہ کے باطن کی رو سے اس کے حق میں بخشش کی دعا کرنا ممنوع ہو گا۔ خواہ وہ اپنا کس قدر عزیز اور قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ پس مومن اولاد کا غیر مومن والدین کے لئے دعا کرنا بھی اس آیت کے مضمون کے خلاف ہو جائے گا۔ البتہ اگر والدین اعلانیہ دشمن اہل بیت نہ ہوں بلکہ محبت آل محمد بھی رکھتے ہوں۔ اور دوسروں کی ہاں میں بھی ہاں ملا دیتے ہوں۔ جس طرح کمزور عقیدہ والے لوگوں کا دستور ہوا کرتا ہے تو اولاد کے لئے ایسے والدین کے حق میں دعائے بخشش کی مخالفت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

عَنْ مَوْعِدَةٍ - بردایت صافی عیاشی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم سے ان کے چچا آذر نے، وعدہ کیا تھا کہ میں اسلام لاؤں گا۔ تب حضرت ابراہیم نے اُس کے حق میں دعا کی۔ اور جب پتہ چلا کہ یہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزاری اختیار کر لی۔ اور چچا کو مجازاً اب کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں چچا پر اب کا اطلاق ہوا ہے۔

مَّا يَتَّقُونَ - یعنی خدا ان کو اپنے اوامر و نواہی سے مطلع فرمادیتا ہے تاکہ اس کی مخالفت سے بچ سکیں۔ پس حجت کا تمام کرنا اس پر ضروری ہے

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ - یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو غزوہ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے اور بعد میں جا کر ملحق ہوئے۔ جیسے ابو عقیلہ وغیرہ جن کا ذکر ص ۲۹ پر گذر چکا ہے۔

لَهُ مَلِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ

ہی ہے ملک آسمانوں اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے اور نہیں تمہارا اس کے سوا کوئی

وَلِيِّ وَلَا نَصِيرٌ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

ولی و مددگار تحقیق توبہ قبول کی اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار

الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ

لوگوں کی جنہوں نے اسکی پیروی کی تنگی کے زمانہ میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ کج ہو جائیں دل کچھ لوگوں کے

مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ

ان میں سے پھر ان پر رجوع رحمت فرمایا تحقیق وہ رؤوف و رحیم ہے اور ان تین آدمیوں پر جو

الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقتْ

پیچھے رہ گئے یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہو گئی باوجود کشادگی کے اور ان کے دل

عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

تنگ ہو گئے اور گمان کیا کہ کوئی نہیں جائے پناہ اللہ سے مگر اسی کی ہی طرف پھر اللہ نے ان کی توبہ

لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

قبول کی تاکہ نیکی کی طرف پلٹیں تحقیق اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے اے ایمان والو

عَلَى الثَّلَاثَةِ - یہ ان لوگوں کا قصہ ہے جو سفر تبوک میں آج کل کرتے ہوئے وقت گزار بیٹھے تھے اور قصہ تبوک میں ان

کی توبہ کا واقعہ گزر چکا ہے - ص ۱۱۱ -

تنبیہ - جہاں یہ فرمایا کہ خدا نے نبی اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول کی وہاں نبی کا ذکر صرف تحمیں کلام کے لئے

ہے - مقصد یہ ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کی برکت اور ان کے وسیلہ سے خدا نے مہاجرین و انصار کی توبہ کو قبول فرمایا

چنانچہ امام علی رضا علیہ السلام سے جو قرات منقول ہے وہ بِالنَّبِيِّ عَلَى الْمُهَاجِرِينَ ہے - یعنی حضور کے وسیلہ سے

ان کی توبہ قبول ہوئی -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - آیت مجیدہ میں ایمان والوں سے

خطاب ہے - یعنی بعد والے دونوں حکم صرف ایمان والوں کے لئے

رکوع نمبر ۱۱ - صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم

الثَّقَوَاللّٰهُ وَكَوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹

دُرُو اللّٰهُ سے اور ہر جاؤ ساتھ سچوں کے

ہی ہیں۔ پس اگر ایمان صحیح نہیں ہوگا تو تقوے اختیار کرنا بے معنی ہوگا۔ آیت نمبر ۱۱۵ میں خدا نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے بندوں پر ان تمام احکام کو بیان فرماتا ہے جن کی مخالفت ناجائز اور منافی ایمان ہو۔ اور جن کی موافقت تقویٰ ہو۔ اب اس آیت میں فرماتا ہے کہ ایمان والو تقوے اختیار کرو۔ تو چونکہ تقویٰ کا اختیار کرنا تقوے کے معنی کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور ہر شخص میں صلاحیت نہیں کہ تقویٰ کا معنی سمجھے اور خود اپنے لئے تقوے کا راستہ معین کر کے اس پر گامزن ہو جائے۔ پس خدا نے تقویٰ کا مقصد اور اس کے قوانین کی تعلیم کا بیڑا خود اٹھایا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی جانب سے ایسے افراد قدسیہ کو منتخب کر کے بھیجا جو ہمیں زبان سے بھی سمجھائیں۔ اور اپنے عمل سے کر کے بھی دکھائیں۔ اور ان کو صادقین کے لقب سے ملقب فرمایا۔ لہذا اس آیت مجیدہ میں تمام اہل ایمان کو تقوے کی دعوت دینے کے بعد صادقین کے ساتھ ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اور یہاں ساتھ ہونے سے مراد اطاعت و پیروی ہے۔ پس ان کی پیروی کر کے ہی ہم تقویٰ اختیار کر سکتے ہیں۔ اور تقوے کے ساتھ اپنے دعویٰ ایمان میں صداقت پیدا کر سکتے ہیں۔

علامہ حلی نے آیت مجیدہ کو حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کی دلیل قرار دیا ہے اور کتب عامہ سے ثابت کیا، اگر اس جگہ صادقین کے مصداق حضرت علیؑ ہیں۔ اور جب آپ ثابت ہو گئے۔ تو ان کے بعد ان کی پشت سے آٹھ اثناعشر کیے بعد دیگرہ صادقین کا مصداق بنتے جائیں گے۔ اور چونکہ آیت تاقیامت زندہ ہے۔ اور اس کا حکم تاقیامت تمام مسلمانوں کے لئے باقی ہے۔ لہذا دور رسالت مآب میں حضرت خود ہی اس کے مصداق تھے۔ اور لوگوں کے لئے معافی تقویٰ کے قولاً و فعلاً سمجھانے والے تھے۔ اور ان کے بعد حضرت علیؑ اور اس کی اولاد امجاد معصومین ہر دور میں یہ فریضہ ادا کرتے رہے پس اس کا مصداق محمدؐ و آل محمدؑ ہی ہیں۔

فخر الدین رازی نے اس آیت مجیدہ کے حکم سے اتنا ضرور سمجھا ہے کہ صادقین سے مراد معصوم ہوں گے۔ کیونکہ جن کی پیروی کا خدا حکم دیتا ہے اگر وہ معصوم نہ ہوں تو ممکن ہے کہ کہیں غلطی کا حکم دے دیں تو ایسی صورت میں خدا کی طرف سے ان کی اطاعت کا حکم نازیبا بلکہ خلاف شان الوہیت ہوگا۔ رازی کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے تاکہ مطلب سمجھنا آسان ہو۔

انہ تعالیٰ امر الموہبین بالکون مع الصادقین ومتی وجب الکن مع الصادقین فلا بد من وجود الصادقین فی کل وقت۔

خدا نے مومنین کو صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے تو جب صادقین کے ساتھ ہونا واجب ہے تو ہر زمانہ میں صادقین کا پایا جانا ضروری ہے۔

پھر آگے چل کر اس مطلب کو یوں واضح کرتا ہے

هذا الامر انما يتناول من يصح منه ان

یہ حکم یعنی تقویٰ کا اختیار کرنا ان لوگوں کو شامل ہے۔ جو خود

لا يكون متقيا وانما يكون كك لو كان جائز
 الخطاء فكانت الآية دالة على ان من كان
 جائز للخطاء وجب كونه مقتديا بمن كان
 واجب العصمة وهم الذين حكم الله تعالى
 بكونهم صدقين فهذا يدل على انه واجب
 على جائز الخطاء كونه مع المعصوم عن الخطاء
 حتى يكون المعصوم عن الخطاء مانعا لجائز
 الخطاء وهذا المعنى قائم في جميع الازمان
 فوجب حصوله في كل الازمان -

متقئ نہ ہوں۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جائز الخطا ہوں
 تو پس آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو جائز الخطا ہو اس
 پر واجب ہے ایسے شخص کی امتداد کرنا جو واجب العصمتہ ہو
 اور وہ وہی لوگ ہیں جن کو خدا نے صادقین کہا ہے۔ پس
 ثابت ہوا کہ جائز الخطا پر معصوم عن الخطاء
 کی پیروی واجب ہے۔ تاکہ معصوم عن الخطا
 جائز الخطاء کو غلطیوں سے روکے۔ اور یہ بات
 چونکہ ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ لہذا معصوم کا ہونا ہر
 زمانہ میں واجب ہے۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد اس نے دیکھا کہ جن لوگوں کو اکثریت نے مذہبی پیشوا بنا رکھا ہے۔ وہ زیور عصمت سے
 بیگانہ ہیں۔ اور جو لوگ زیور عصمت سے آراستہ ہیں ان کو گوشہ تنہائی میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ تو اپنی مفلوج ذہنیت
 کا یوں مظاہرہ کیا۔

قوله لم لا يجوز ان يكون المراد هو كون
 المومن مع المعصوم الموجود في كل
 زمان قلنا نعترف بان لا بد من معصوم
 في كل زمان الا انا نقول ذلك للمعصوم
 هو مجموع الامة وانتم تقولون ذلك للمعصوم
 واحد منهم فنقول هذا الثاني باطل لانه
 تعالى اوجب على كل واحد من المومنين
 ان يكون مع الصادقين وانها يمكنه
 ذلك لو كان عالما بان ذلك الصادق من
 هو لا الجاهل بانه من موفلو كان
 مامورا بالكون معه كان ذلك تكليف
 ما لا يطاق وانه لا يجوز لنا لا نعلم
 انما ناعينا موصوفا بوصف العصمة - لا

اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ ہر زمانہ میں
 مومن کو معصوم کے ساتھ ہونے کا حکم ہو۔ تو ہم کہیں گے
 یہ تو ہم مانتے ہیں کہ ہر زمانہ میں معصوم کا ہونا ضروری
 ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ معصوم مجموع امت ہے۔
 اور تم کہتے ہو کہ معصوم ایک شخص ہے۔ اور یہ غلط ہے
 کیونکہ خدا نے تمام مومنین پر واجب قرار دیا
 ہے کہ صادقین کے ساتھ ہوں۔ اور یہ تب ہو سکتا
 ہے کہ وہ جانتے ہوں کہ وہ صادق کون ہے؟ نہ
 کہ وہ اس سے جاہل ہوں۔ ورنہ اس کے
 ساتھ ہونے کا حکم ناقابل عمل ہو جائے گا۔ اور
 یہ ناجائز ہے۔ اور ہم کسی انسان کو معین طور پر
 وصف عصمت سے متصف نہیں جانتے۔

چونکہ صادقین کے مفہوم سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں معصوم ہونا چاہیے کیونکہ صدق سے مراد عام ہے۔ خواہ قول میں خواہ فعل میں اور خواہ اعتقاد میں ہو تو علی الاطلاق صادق وہی ہوگا جو معصوم ہوگا۔ اور استدلال سے بھی رازی نے صادق کی اطاعت کے حکم سے اس کی عصمت کو ثابت کیا ہے اب اہل بیت عصمت سے منہ پھیرنے اور اکثریت کی ہاں میں ہاں ملاسنے کی خاطر ہی یہ بہانہ تلاش کرنا پڑا کہ ہم ان کو پچانتے نہیں ہیں۔ لہذا ان کی اطاعت کا حکم نہیں ہو سکتا۔ لہذا صادقین سے مراد اجماع ہے۔ رازی کا یہ مزعومہ چند وجوہ سے باطل و عاقل ہے۔ صاحبان عقل عذر فرمائیں۔

(۱) دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ شروع میں کہتا ہے کہ جن کو صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم ہے اور تقویٰ کا امر ہے وہ وہی ہیں جو جائز الحظاہوں تو اس منطقی سے کوئی پوچھے کہ فرداً فرداً امت کے تمام افراد جن کو تقویٰ کا حکم ہے جائز الحظاہ ہیں۔ تو ان تمام خطا کاروں کا مجموعہ معصوم کیسے بن جائے گا۔ اور تمام دنیا کے گنہگاروں کے مجموعہ کا بے گناہ بن جانا ایک ناقابل فہم بات ہے۔ اور دنیا کا کوئی جاہل انسان بھی اس فلسفہ کا قائل نہیں ہو سکتا۔

(۲) اجماع جب انہی لوگوں کا مجموعی فیصلہ ہے۔ تو معلوم ہوا صادقین مجموع الامت ہے اور جن کو پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ بھی تو مجموع الامت ہے۔ گویا تمام امت کو خود اپنے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ قطعاً باطل ہے۔

(۳) اگر رازی کو یہ اعتراض ہے کہ معصوم کو ہم نے نہیں پہچانا اس لئے ان کی اطاعت کا حکم نہیں ہو سکتا تو کیا وہ امت کے اجماعی فیصلہ کو پہچان سکتا ہے؟ مثال کے لئے کوئی ایک زمانہ ایسا ثابت کرے جس میں امت کے تمام افراد نے متفقہ طور پر ایک بات کا فیصلہ کیا ہو۔ چار پانچ یا دس بیس آدمیوں کی بات کو اجماع کہنا آسان ہے لیکن تمام امت کا اتفاق حاصل کرنا ناممکن ہے لہذا اس کا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔

(۴) مجموع الامت بقول رازی کے ہے صادق کا مصداق تو چونکہ ہر دور میں صادق اور معصوم ضروری ہے تو گویا ہر دور میں مجموع الامت کا اتفاق و اجماع ہی صادق کا مظہر ہوگا اور چونکہ آیت مجیدہ میں صرف ایک صادق نہیں بلکہ صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم ہے تو معنی یہ ہوگا کہ ہر دور مجموع الامت کے مجموعوں کے ساتھ اور یہ ترجمہ ہر صاحب عقل سلیم کے نزدیک بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ رازی بیچارہ جہاں بھی اہل عصمت کے حق میں کوئی آیت پاتا ہے تو خود بخود سیخ پا ہو کر ادھر ادھر جان چھڑانے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ آیت اولو الامر میں بھی اس نے یہی کھیل کھیلا تھا۔ اگر تعصب کی ٹپی اٹکھوں پر نہ ہوتی اور اندھی تقلید نے عقل و دماغ پر پڑے نہ ڈالے ہوتے تو خود جستجو کرتا اور جو عینہ یا بندہ کے مقولہ کے مطابق اس کو معصوم بھی مل جاتے اور صادقین کے مصداق کا مسئلہ بھی آسانی سے حل ہو جاتا۔ آیت سابلہ میں خود رازی معترف ہے کہ نصاریٰ کے مقابلہ میں جانے والے محمد علیؑ فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ تھے اور آیت مجیدہ کا ذیل فَجَعَلْنَا لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ بَيِّنًا بَيِّنًا و ہل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ پانچ نصاریٰ کے مقابلہ میں جانے والے کاذب نہیں اور ان کے مقابلہ میں آنے والے کاذب ہیں۔ اور نصاریٰ نے جزیہ قبول کر کے ان کی صداقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھر پس و پیش نہیں

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِ

نہیں جائز مدینہ والوں کے لئے اور نہ اطراف کے بدوں کے لئے کہ پیچھے رہیں

رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنِ نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ

رسول اللہ سے اور نہ یہ کہ پیارا کریں اپنے نفسوں کو ان کے نفس سے یہ اس لئے کہ نہیں پہنچتی ان کو پیاس

ظَمًا وَلَا نَصَبًا وَلَا فِتْنَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطُونُ

نہ تکلیف اور نہ بھوک راہ خدا میں اور نہیں طے کرتے

کیا۔ پس جب خدا کی کتاب ان کو صادق کہہ چکی۔ اور تمام مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تو یہ عذر فضول ہے کہ تعین نہیں ہو سکی کہ صادق کون ہے۔ جس کی پیروی کی جائے۔ نیز آیت تطہیر کے نزول کے متعلق تمام مفسرین کو اعتراف ہے کہ حضور نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو چادر میں داخل کر کے دعا کی اور آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ احادیث میں علی مع القرآن اور علی مع الحق والحق معہ کا مضمون متواتر ہے۔ حدیث ثقلین کتب فریقین میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر رازی کو صادق کی اور معصوم کی تعین نہ ہو سکے تو اس کا علاج ہی کیا ہے؟

ہاں اصل بات یہ ہے کہ جن کو اکثریت کی اندھی تقلید میں پھنس کر وہ صدیق اکبر کہہ بیٹھے ان کی عصمت کو تلاش کرنے سے جب مایوس ہوتے تو صرف صادقین کی عصمت پر کیسے ایمان رکھیں کیونکہ اس معصوم کا اس کے پاس کوئی حل نہیں ہے کہ خدا نے جن کو اہلاعت کا حکم دیا ہے وہ ہیں گنہگار۔ لہذا صادقین وہی ہوں گے جو معصوم ہوں۔ لیکن ادھر کرسی اقتدار کا جائزہ لیا جائے تو صادق بجائے خود جس کو صدیق اور صدیق اکبر مانا گیا ہے۔ عصمت تو بجائے خود عصمت کی بوجھ وہاں نہیں ملتی۔ تو اہل بیت کو معصوم ماننے کے بعد چونکہ صدیق اکبر کی صداقت سے دست برداری کرنا پڑتی ہے لہذا سرے سے معصوم کی نشانیوں کا انکار کر دیا تاکہ دین رہے یا نہ رہے کرسی اقتدار پر ضرب نہ پڑے۔

مَا كَانَ - تبوک کا قصہ ختم ہونے اور پیغمبر کی مراجعت کے بعد جب عذر خواہی بھی ہو چکی اور توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول ہو گئی تو اب بطور سرزنش کے آئندہ کے لئے محتاط رکھنے کے لئے ان کو تنبیہ فرماتا ہے کہ مدینہ والوں یا گرد و نواح کے دیہاتی مرہین کے لئے قطعاً ناجائز ہے کہ رسول کی جان سے اپنی جانوں کو پیارا سمجھیں کہ وہ جنگ کی طرف سفروں کی صعوبتیں برداشت کریں اور یہ آرام سے گھر میں بیٹھے رہیں۔ وہ تو ان کے محسن ہیں جنہوں نے کفر کی تاریکی سے نکال کر انہیں اسلام کی اوج رفعت تک پہنچایا ہے۔ لہذا ان کی احسان شناسی اس طرح ہونی چاہیے کہ اپنا سب کچھ ان کی خاطر قربان کر دیں اور پھر بھی ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی بلکہ ان کی معمولی سے معمولی تکلیف کا بھی جو راہ خدا میں ان کو پہنچے گی۔ ان کو بہت اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

لَا يَطُونُ - یعنی دشمن کی زمین میں جہاں بھی قدم رکھیں گے تو کفار کو تو غصہ آئے گا۔ پس اس صورت میں جو بھی ان کو تکلیف

مَوَاطِئَ يُغَيِّطُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوِّنَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُمْ

ایسے مقام کو جس سے کفار کو غصہ آتا ہو اور نہیں دکھ سہتے دشمن سے مگر لکھی جاتی ہے ان کے لئے اس کے

بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَلَا يَنفِقُونَ

بدلہ میں نیکی تحقیق اللہ نہیں ضائع کرتا بدلہ نیکی کرنے والوں کا اور نہیں خرچ کرتے

نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًّا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمْ

کوئی خرچ چھوٹا اور بڑا اور نہ ملے کرنے میں کسی وادی کو مگر لکھا جاتا ہے تاکہ ان کو بدلہ

اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا

دے خدا بہترین اس کا جو وہ عمل کرتے ہیں اور نہیں مناسب مومنوں کے لئے کہ کوچ کریں سب

كَافَّةً ذُلُّوا لَا نَفَرٍ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

کے سب پس ایسا کیوں نہیں کہ کوچ کرے ہر قوم سے ایک ایک گروہ کہ تعلیم حاصل کریں دین کی

وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۳۳﴾

تاکہ ڈرائیں اپنی اپنی قوم کو جب واپس آئیں ان کی طرف تاکہ وہ لوگ ڈریں

پہنچے گی خدا اسکا انکو بدلہ دے گا۔

لَا يَنَالُونَ - نیل سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے پانا۔ اور مراد یہاں جانی یا مالی یا زبانی یا کسی قسم کی تکلیف کا پہنچنا ہے

آیت نضور - آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ لیکن آیت کے ظاہری معنی کے لحاظ سے سب

سے موزوں ترین یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو سب کے سب گھروں کو تنہا چھوڑ کر مسائل دین سیکھنے کے لئے بارگاہ

نبوی میں حاضر ہوتے تھے اور تکالیف شاقہ اپنے اوپر برداشت کرتے تھے تو ان کی سہولت کی خاطر ارشاد ہوا کہ تم سب کے سب

یہ تکالیف برداشت نہ کرو۔ بلکہ تمہارے ہر قبیلہ میں سے چند آدمی خدمت نبوی میں آجایا کریں اور مسائل دین سیکھ کر واپس

جائیں اور اپنی اپنی قوم و قبیلہ میں اگر بیان کریں اور غلطی کرنے والوں کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں تاکہ وہ خوف کریں

تو آیت مجیدہ ہر قوم کے لئے طلب علم دین کے وجوب کو ثابت کرتی ہے۔

علمائے اصول نے اس آیت کو خبر واحد کی حجیت کی دلیل قرار دیا ہے کیونکہ شروع میں لولاکلہ تھخیص ہے۔ جو علم دین سیکھنے کے وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ روایات اہل بیت میں آئمہ نے وجوب تحصیل علم کے اثبات میں اسی

آیت مجیدہ کو پیش کیا ہے۔ جب تحصیل علم اور تفقہ فی الدین واجب ثابت ہوا تو اس کی غرض و غایت جو آیت میں ہے وہ ہے انداز و تبلیغ قوم جس طرح کہ لینڈن ردا کے صیغہ سے ظاہر ہے۔ پس جب تحصیل علم واجب ہے تو اس کی غرض و غایت انداز و تبلیغ بھی یقیناً واجب ہوگی۔ کیونکہ غرض و غایت واجب نہ ہونے کی صورت میں تحصیل علم کا وجوب بے معنی ہو جائے گا۔ اور انداز و تبلیغ کی غایت و انجام ہے۔ قوم و قبیلہ کا دل میں خوفِ خدا محسوس کرنا اور ان کے وعظ و نصیحت کا قبول کرنا کیونکہ اگر ان پر ان کا وعظ و ذکر واجب القبول نہ ہو تو ان کے انداز و تبلیغ کا واجب ہونا بے معنی ہوگا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جب خبر دینے والا عادل ہو تو اس کی بات کا قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ہر ہر قبیلہ میں وہ انذار کرنے والا تو ایک ایک فروری ہوگا۔ جن کی بات کو قبیلہ والے قبول کریں گے۔ پس خبر واحد کی حجیت ثابت ہوگئی۔

بعضوں نے کہا ہے کہ آیت غزوہ تبوک کے بعد اتری ہے۔ اور مومنین جب تخلف کرنے والوں کا حشر دیکھ چکے تھے اور پیچھے رہنے والوں کے حق میں قرآن کی متعدد آیات سن چکے تھے تو بعد میں جو غزوہ پیش آتا تھا سب کے سب چل پڑتے تھے۔ اور رسول خدا بعد میں تنہا رہ جاتے تھے تو خداوند کریم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ مومنین کے لئے یہ درست نہیں کہ سب کے سب چلے جائیں بلکہ انہیں اس طرح کرنا چاہیے کہ ہر ہر قوم سے ایک ایک گروہ جائے۔ اور وہ دشمنوں پر فتح و نصرت اور تائید خداوندی کے مظاہر اور دین مبین کی سر بلندی کے اسباب میں فقہ و بصیرت حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم و قبیلہ کو چشم دید واقعات سن کر انہیں مخالفتِ اسلام سے روکے اور زیادہ سے زیادہ ان کو دین کا ہمنوا بنائے۔ پس اس صورت میں نہ انذار کا وجوب ہے اور نہ حذر کا وجوب بلکہ صرف بطور ارشاد کے ہے کہ جب وہ چشم دید قصہ بیان کریں گے تو فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ جلد اور زیادہ متاثر ہو کر اسلام کے حلقہ گجوش ہوں گے۔ پس اس صورت میں یہ آیت حجیت خبر واحد کی دلیل نہ بن سکے گی تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ آیت جنگ سے متعلق نہیں ہے کیونکہ جنگ کی آیتوں کے درمیان اس کا آجانا اس کی دلیل نہیں بن سکتا اور ثانیاً اگر جنگ کے متعلق ہو بھی تو ہر ہر قبیلہ سے تھوڑے تھوڑے آدمی جانے کا کیا مقصد ہے بلکہ رسول کی تنہائی تو اس سے بھی دور ہو سکتی ہے کہ صرف ایک قبیلہ کے چند آدمی پیچھے رہ جائیں۔ اور باقی قبیلے سب کے سب چلے جائیں۔ پس اگر جنگ کے لئے ہے تو مقصد یہ ہے کہ سب کے سب ادھر کیوں چلے جاتے ہیں بلکہ کم از کم ہر قبیلے سے ایک ایک گروہ تو دینی مسائل حاصل کرنے کے لئے بھی کوچ کرے تاکہ باقیوں کو واپس آنے پر مسائل دین سے روشناس کرائے۔ پس اس صورت میں خبر واحد کی حجیت سابق تقریب سے ثابت ہو جائے گی۔

اگر اس آیت میں غر کیا جائے تو وجوب اجتہاد و تقلید پر دلالت صاف ظاہر ہے کیونکہ آیت مجیدہ اجتہاد و تقلید کا صاف اور صریح مقصد دین میں فقہ و بصیرت حاصل کرنا ہے اور پھر جا کر لوگوں کو مسائل دین سے آگاہ کرنے کا حکم ہے اور جب مجتہدین پر احکام دین کا بیان کرنا اور مسائل شرعیہ کا بتانا واجب ہوا تو

لوگوں پر ان کا قبول کرنا بھی واجب ہو جائے گا کیونکہ ان پر اگر قبول واجب نہ ہو تو ان پر بیان کرنا کا جو سبب معنی ہوگا لہذا حجیت خبر واحد کی اس آیت کو دلیل قرار دینا خود بخود کمزور ہو جائے گا۔ کیونکہ حجیت خبر واحد کا مقصد یہ ہے کہ مجتہد اور فقیہ کے لئے کسی راوی کی نقل یا نسبت قابل قبول ہے۔ اور آیت اس کے برعکس اس مطلب کو ثابت کرتی ہے کہ عوام کے لئے مجتہد اور فقیہ کی بات قابل قبول ہے۔ یعنی آیت کہتی ہے کہ جب خبر دینے والا فقیہ و مجتہد اور سننے والا ایسا نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کی بات کو قبول کرے۔ اور حجیت خبر واحد کہتی ہے کہ خبر دینے والا غیر مجتہد و غیر فقیہ ہو۔ اور مجتہد اور فقیہ استنباط مسائل شرعیہ میں اس کی خبر کو قبول کریں۔

آیت مجیدہ کا وجوب تحصیل علم شرعیہ پر دلالت کرنا احادیث اہل بیت سے بالاتر ثابت ہے۔ اور ظاہر آیت ممکن ہے کسی ایک حادثہ یا مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن قیامت تک کے لئے اس کا باقی رہنا اور اس کی تاویل و باطن کا جاری رہنا لامحالہ وجوب تحصیل علم پر دلالت کرتا ہے جس کی تائید معصومین کی فرمائشات اور عمل علماء سے صاف ظاہر ہے۔

پس اگر ہر جماعت و قوم میں سے ایک ایک گروہ کے لئے دین میں بصیرت و تفقہ اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد حاصل کرنے کا حکم ہے تو اس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ تقییداً علم کا وجوب ساقط ہے کیونکہ اس صورت میں انذار کا حکم صرف علم کی طرف ہی متوجہ ہوگا۔ اور عوام کے لئے اسی کا ہی قول واجب القبول ہوگا۔ نہ غیر علم فقہاء پر انذار عائد ہوگا اور نہ عوام پر ان کی بات کا قبول کرنا ضروری ہوگا۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ہر قوم سے ایک ایک جماعت کے لئے تفقہ اور اجتہاد کا وجوب بھی ساقط ہو جائے گا بلکہ ہر دور میں صرف ایک ہی فقیہ کا ہونا ضروری ہوگا جس پر انذار واجب ہو۔ اور عوام پر اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو۔ ورنہ یہ بات بعید از فہم بلکہ سراسر ناالفاظی ہے کہ سیکھنا ہر قوم و قبیلہ کی ایک ایک جماعت پر واجب ہو۔ اور تبلیغ بھی ہر فقیہ پر ضروری ہو۔ لیکن عوام کے لئے ان میں سے ایک کا قول ہی قابل قبول ہو۔ آیت مجیدہ میں حکم عمومی اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دعوتِ اجتہاد اس لئے دی گئی ہے کہ عوام الناس کو دین کے سیکھنے اور سمجھنے میں سہولت رہے۔ اور مجتہد کے لئے بھی اپنی آواز کا پہنچانا آسان ہو۔ ورنہ اگر دنیا بھر میں صرف ایک شخص ہی دنیا بھر کے مومنین کے لئے واجب التقلید ٹھہرے تو نت نئے پیش آمدہ مسائل سے اس کا عہدہ براہیناً مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔ اور لوگوں کے لئے عمل میں جو دشواریاں پیش آئیں گی ان کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ پس جو مجتہد جس قوم میں ہو اس قوم پر اس کا فتویٰ حجیت ہوگا۔ ہاں البتہ اگر ایک جگہ متعدد مجتہد اور صاحبانِ فتویٰ موجود ہوں تو ان میں سے اعلم فالاعلم کی رعایت کرنا قابل فہم بھی ہے اور قرین عقل بھی۔ لیکن ایسا نہ ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ ایک کی طرف رجوع کا حکم تقریباً امر بالایطابق کے مترادف ہے۔ اور آئمہ کے زمانہ میں دور دور کے لوگوں کو اپنے اپنے قریب ترین علماء کی طرف رجوع کرنے اور مسائل سیکھنے کا حکم ہمارے قول کی تائید کے لئے کافی ہے اور اس کے شواہد بہت کافی ہیں۔ مقدمہ تفسیر میں مسئلہ تقییداً علم کے بیان میں مفصل بیان کیا گیا ہے جس میں ہم نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا

اے ایمان والو! لڑو ان سے جو تمہارے قریب ہیں کفار میں سے اور چاہیے کہ

فِيكُمْ غَلْظَةٌ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَإِذَا مَا

وہ تم میں شجاعت محسوس کریں اور جانو کہ تحقیق اللہ متقین کے ساتھ ہے اور جب کہ کوئی

أَنْزَلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ آيُكُمْ زَادَتْهُ هِذِهِ آيْمَانًا فَمَا

سورہ اترے تو بعض ان (منافقین) سے کہتے ہیں اس نے کس کا ایمان زیادہ کر دیا؟ بہر حال

الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ آيْمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۳۴﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ

جو مومن ہیں تو ان کے ایمان کو تو زیادہ کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور لیکن جن کے

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ

دلوں میں مرض ہے تو ان کا کفر اور کفر کے ساتھ بڑھاتی ہے اور ایسے لوگ

ثابت کیا ہے کہ ہر جامع الشرائط مجتہد کی تقلید جائز ہے اور تقلید اعلم کا وجوب بالکل بلا دلیل اور ناقابل فہم ہونے کے علاوہ ناقابل عمل بھی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غَلْظَةً وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ - اس آیت مجیدہ میں تمام اہل ایمان کو اپنی اپنی سرحدوں کے قریب ترین کفار سے جہاد کا حکم ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں جرات و شجاعت اور سختی و تلخی کے مظاہرے کا فرمان ہے تاکہ اُن پر رعب طاری ہو جائے۔

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا مِثْرًا مِّنَ السَّمَاءِ نَدْرِ أُولَٰئِكَ مُخْلَدِينَ فِيهَا وَأُولَٰئِكَ يَلْعَنُونَ ﴿۱۳۵﴾ - اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے استنبہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب بھی کوئی آیت اترتی تھی تو ایک دوسرے سے یا مومنین سے مسخری کے طور پر پوچھا کرتے تھے کہ تم میں سے اس آیت کے اترنے سے کس کا ایمان بڑھا ہے۔ پس خدا ان کے قول کی ترویج فرما رہا ہے کہ بے شک مومنوں کے ایمان میں یقین قلب اور سکون نفس کا اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کے دل نفاق کی مرض کا شکار ہیں اُن کے سابق کفر کے ساتھ اور کفر کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ پہلے بھی نجس ہوتے ہیں پھر بار بار کے انکار سے اُن کے دل زیادہ سے زیادہ نجس ہوتے جاتے ہیں اور وہ کافر ہو کر ہی مرتے ہیں۔

أَدْلَىٰ يَوْمَئِذٍ - مقصد یہ ہے کہ وہ ہر سال ایک یا دو دفعہ امتحان لئے جاتے ہیں یعنی کفار کے ساتھ جہاد میں ان کو ظاہراً اپنے مال و جان کی حفاظت کی خاطر شریک ہونا پڑتا ہے۔ پس مومنین کی قوت و شوکت کو دیکھتے ہیں اور کفار کی

كُفْرُونَ ﴿١٢٥﴾ اُولَٰئِكَ يَرْوُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ

سے تو بھی کافر ہو کر کیا تم دیکھتے نہیں کہ تحقیق وہ آزمائے جاتے ہیں ہر سال ایک یا دو دفعہ پھر

ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً تَنْظُرَ

بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں اور جب اترے کوئی سورہ تو بعض ان کے

بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ طَهَلُ يَرْكَبُ مِنْ أَحَدِهِمُ النَّصْرَ فَوَاصِرَاتُ اللَّهِ

دوسرے کی طرف گھورتے ہیں کہ کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چلے جاتے ہیں پھر یا خدا نے ان کے

قُلُوبِهِمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

دلوں کو وہ ایسی قوم ہیں جو نہیں سمجھتے تحقیق تمہارے پاس رسول تم میں سے آیا

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِنْ

ناگوار ہے اس کو تمہاری تکلیف حرص کرتا ہے تمہارے اوپر کہ مسلمان ہو جاؤ اور مؤمنین پر رؤف رحیم ہے پس اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

وہ پھر جائیں تو کہہ دے کہ مجھے کافی ہے اللہ نہیں کوئی لائق عبادت سوائے اس کے اس پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

ذلت کا ملاحظہ بھی کرتے ہیں یا یہ کہ ان کی بدباطنی اور منافقت کا پردہ چاک بھی کیا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں میں بسا اوقات رسوائے عام بھی ہوتے ہیں لیکن بایں ہمہ وہ توبہ نہیں کر لیتے۔ اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا لَكَ - یعنی جب قرآن مجید کی کوئی نازہ سورت اترے تو منافقین جو ایک دوسرے کے قریب یا دور

بیٹھے ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ آنکھوں کے اشاروں اشاروں میں باتیں کر لیتے ہیں کہ آیا کوئی ہمیں دیکھنے والا تو نہیں

ہے۔ پس اگر جانیں کہ کوئی نہیں دیکھتا تو اسی مشغلہ میں لگے رہتے ہیں کہ آنکھوں کے اشاروں سے آیات پر تمسخر کرتے ہیں۔ اور

جب معلوم کر لیں کہ کوئی دیکھ رہا ہے تو پہلو بدلا لیتے ہیں۔ اور چپ ہو جاتے ہیں۔ یا یہ کہ جب جانتے ہیں کہ ہماری طرف کسی کا

خیال نہیں ہے تو درمیان میں سے آہستہ آہستہ کھسک کر چلے جاتے ہیں تاکہ کوئی آیت ایسی نہ ہو جس میں ہماری تذلیل ہو۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ - عربوں کو غیرت دلائی گئی ہے کہ یہ رسول تمہاری قوم میں سے یا تمہاری جنس میں سے یا تمہارے ملک

میں سے تم میں مبعوث ہوا ہے تم نے اس کے بچپنے جوانی بلکہ پوری زندگی کا پورا پورا مطالعہ کیا ہے اگر اس میں کوئی نقص ہوتا

تو تم سے اور جھل نہ ہوتا پس جب کوئی عیب اس میں نہیں ہے تو سمجھو کہ وہ تمہاری خیر خواہی کرتا ہے اور تمہارے فائدہ کے لئے

ہی تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہے اور تمہارے ساتھ انتہائی مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے۔ پس تم پر واجب ہے کہ اس کی بات مانو اور اس کے حکم کی حتی الامکان اطاعت کرو۔

سلامتی کے لئے ورد۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس سورہ کی آخری آیت قرآن کی سب سے آخری آیت ہے جو آسمان سے آخر میں اترتی ہے اور قرآن کی سورت کا مد جو سب سے آخری وہی سورہ برأت ہے۔ تفسیر جامع میں بروایت اصبح بن نباء حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ گھر سے روانگی کے وقت سورہ برأت کی آخری دو آیتیں پڑھ کر انسان روانہ ہو تو حیوانات درندوں کے خطرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

سورہ برآة کی تفسیر ختم ہوئی۔ ولحمد للہ رب العالمین

سورہ یونس

اس سورہ مبارکہ میں ایک سو نو آیتیں ہیں۔ اور بقول صاحب تفسیر جامع کے ۱۸۳۲ کلمات اور ۵۳۲ حرفتیں ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔ اور بسم اللہ کو ملا کر اس کی آیات کی تعداد ۱۱ بنتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کو دو ماہ یا تین ماہ میں پڑھے تو وہ جاہلوں سے نہ ہوگا اور قیامت کے روز مقربین میں سے ہوگا۔

تفسیر جامع میں کتاب خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اس کے نامہ اعمال میں حضرت یونس کی تصدیق و تکذیب کرنے والوں کی تعداد کے برابر نیکیاں درج ہوں گی۔ اگر اس سورہ کو لکھ کر نیچے ان افراد خانہ کے نام لکھے جو اس گھر میں ہوں اور اس نوشتہ کو گھر کے اندر رکھے تو ان ناموں والے اشخاص میں سے جس کے ذمہ کوئی قصور ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر اس سورہ کو طشت میں لکھ کر دھویا جائے اور اس پانی سے آٹا خمیر کر کے روٹی پکائی جائے (بشرطیکہ مشتبہ لوگوں کے نام بھی سورہ کے نیچے لکھے جائیں) پس وہ پکی ہوئی روٹی ان لوگوں کو کھلائی جائے تو جو بھی ان میں سے چور ہوگا وہ لقمہ اس کے حلق میں پھنس جائیگا اور اس کو نہ کھا سکے گا۔ اور اگر کھایا تو چوری کا اقرار ضرور کرے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الرَّتِّكَ اٰیۃُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۝ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحٰنَا

اور یہ حکم کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی کی

اِلٰی رَجُلٍ مِنْهُمْ اَنْ اَنْذِرَ النَّاسَ وَبَشِّرَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَهُمْ قَدَرٌ

ایک بندے کی طرف ان میں سے کہ ڈورا لوگوں کو اور خوشخبری دے ان کو جو ایمان لائے تحقیق ان کے لئے اچھا اجر

صَدِقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

ہے نزدیک ان کے رب کے تو کہنے لگے کافر تحقیق یہ جادو گر ہے صاف

رُكُوْعٌ نَمْبَرٌ ۶

الز - یہ حروف مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔

الْحَکِیْمِ - یعنی حکم۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات سب حکم ہیں۔ اور دوسری جگہ اس کی بعض آیات کو متشابہ بھی فرمایا۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم تفسیر انوار البیضاء کی تیسری جلد ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۴ بیان کر چکے ہیں۔ (دہلا اٹھین)

اَکَانَ لِلنَّاسِ - چونکہ انسان تدبیر نفس اور تدبیر منزل اور سیاست مدینہ میں عقل کی رو سے ایک خاص نظام پر چلنے کا محتاج ہے۔ اور اپنے معبود حقیقی کے سامنے فرضیہ عبدیت کے نبھانے کا طریق کار

ضرورت نبی

بھی اس کو متبا کرنا ہے اور یہ سب کچھ براہ راست نہ تو اپنی عقل سے طے کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ اوہام و شہوات و غرائز و اغراض و حرص و ہوس وغیرہ تواریخی کثیرہ پر ہمہ گیر غلبہ پانے سے قاصر ہے لہذا اس کے طے کردہ اصول و قوانین ان تواریخی مذکورہ کے یا ان میں سے بعض کے اشارے سے وضع شدہ ہونے کی حیثیت سے مبنی برالضاف نہ ہوں گے۔ اور نہ اس میں اس قدر صفائے باطن اور قوت قدسیہ ہے کہ براہ راست اپنے خالق سے رابطہ قائم کر سکے۔ پس خدائے علیم و حکیم نے اس بندہ عاجز پر اپنا لطف و کرم عام کرتے ہوئے اپنی جانب سے نمائندے بھیج کر ان کو انسانوں کے لئے ایک منابطہ حیات عطا فرمایا جس کا نام اسلام رکھا۔ اور انہیں ضروریات زندگی انسانی میں جملہ شعبہ جات پر حاوی مفضل احکام کے رواج دینے کی ہدایت کی اور تمام انسانوں کو اس کی دعوت عام دی اور حضرت رسالت مآب ان تمام خدائی نمائندوں کے سردار و حاکم اور سب سے افضل ہیں اور ان کا لایا ہوا پیغام کامل اور ان کے بیان کردہ اصول احکام اور فروع و مسائل لازوال مصالح پر مبنی ہیں۔ جن پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے اور جو نہی حضور نے بجات انسانی کا

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر

اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكَ

تمکن ہوا عرش پر وہ تدبیر کرتا ہے انتظام کی کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت سے یہ اللہ

اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا

ہی تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو کیا تم نہیں سوچتے اس کی جانب تمہاری سب کی بازگشت ہے

وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اللہ کا وعدہ حق ہے تحقیق اس نے ایجاد کی مخلوق پھر اس کو پلٹائے گا تاکہ جزا دے ان کو جنہوں نے ایمان لایا اور

شروہ سنایا تو کفار قریش نے اپنی اہلیت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ واہ خدا نے ان کو کیسے بھیجا حالانکہ یہ تو

ہم جیسا ہے پس آیت مجیدہ میں ان کے اس قول کی تردید ہے۔

قَدَّمَ صِدْقِي كَهْتَمِيں کہ آقا کا اچھا فعل بد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غلام کا اچھا فعل قدم سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ

غلام و آقا کے مراتب کا فرق ذہن نشین رہے اور اس جگہ قدم صدق سے مراد ان کا وہ اجر ہے جو ان کے ایمان پر ثابت قدم

رہنے کی وجہ سے ان کو ملے گا۔ روایات اہل بیت میں قدم صدق سے محمد و آل محمد کی شفاعت بھی مراد لی گئی ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمْ آیت مجیدہ کی ضروری تفسیر اسی کتاب کی چھٹی جلد ص ۴۲ پر گذر چکی ہے۔ اور اسی جلد میں پارہ ۱۲

کے رکوع نمبر ۱۱ میں بھی بیان ہوگا ص ۱۹ پر ملاحظہ ہو۔

يُبْدِئُ الْخَلْقَ - یعنی تمام نظام عالم کی تدبیر اسی کے علم و حکمت کا ہی نتیجہ ہے۔ اگر چاہتا تو کائنات

کی ہر چیز کو تعبیر کن فیکوں ایک لمحہ میں خلق فرما دیتا لیکن کہنے والے کہہ دیتے کہ یہ تخلیق اتفاقی ہے

پس اُس نے ایک نظام اور تدبیر محکم کے ماتحت ہی آسمانوں زمینوں کی خلقت کو چھ دنوں میں اور مثلاً انسان کی خلقت کو دس ماہ

میں اور کسی کو کم مدت میں اور کسی کو زیادہ مدت میں مکمل کیا تاکہ عقل سلیم کے لئے اُس کے مصالح و مفاسد پر مبنی نظام کا سمجھنا

آسان ہو جائے جس سے وجود و توحید خالق کے اقرا تک راستہ ہموار بن جائے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ - یہاں شفاعت کا تذکرہ درمیان میں جملہ معتزہ کی حیثیت سے ہے کہ کفار کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے

سامنے ہمارے بٹ ہماری شفاعت کریں گے تو اس کی تردید ہے کہ وہاں تو نبی بھی بغیر اذن کے شفاعت کا حق نہیں رکھتے

چہ جائیکہ یہ بٹ شفاعت کریں۔

الصَّلْحَتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ

عمل نیک کئے ساتھ عدل کے اور جو کافر ہیں ان کے لئے کھولتا ہوا پانی اور عذاب

الْيَمِّ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٥﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ

دونوں ہر گاہ بوجہ کفر کے وہ ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو

نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابُ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ

چاندنی دی اور مقرر کیا اس کو منزلوں میں تاکہ تم سالوں کا عدد اور حساب جان لو نہیں پیدا کیا اللہ نے یہ مگر برحق

يَفْصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے اس قوم کے لئے جو سمجھیں تحقیق شب و روز کے اختلاف میں

وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٦﴾

اور وہ جو پیدا کیا اللہ نے آسمان و زمین میں البتہ آیات ہیں تقویٰ رکھنے والے لوگوں کے لئے

۱۴۵
فَاعْبُدُوهُ - اپنی خالقیت، حکمت، تدبیر اور علم و قدرت کو مختصر اور جامع الفاظ میں سمجھانے کے بعد فرماتا ہے کہ تمہارا خدا یہ ہے جس کی شان یہ ہے۔ پس اسی کی ہی عبادت کرو۔ اور پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ فاعل موجب نہیں تاکہ تم سمجھو کہ اُس نے پیدا کر دیا ہے۔ بس اب ہم خود مختار ہیں اور ہماری باز پرس کوئی نہ ہوگی بلکہ وہ فاعل مختار ہے جس طرح اس نے اپنے اختیار سے پیدا کیا ہے وہ تمہیں فنا بھی کر سکتا ہے اور پھر تمہاری اس کی طرف بازگشت ہوگی۔ اور تمہارے اعمال کا جائزہ لے کر نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا بھی دے گا۔ لہذا اس کے سوا کسی اور کی عبادت و اطاعت نہ کرو یعنی کسی کی اطاعت کے لئے جو داعی ہونے چاہئیں وہ اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اگر محسن کی اطاعت ضروری ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی محسن نہیں ہے اور اگر طمع سے اطاعت کی جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر کسی کے پاس انعام و اکرام نہیں سادو اگر ڈر موجب اطاعت ہے تو اس کی سزا اور گرفت کے مقابلہ میں کسی کی سزا نہیں ہو سکتی پس جب اس میں ہر حیثیت سے معبودیت کا داعی موجود ہے تو اسی کی ہی اطاعت کرنی چاہئے۔

هُوَ الَّذِي - تفسیر جامع میں اس کا نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کفار نے حضرت پیغمبر سے یہ درخواست کی تھی کہ اگر آپ خداوند کریم کے وجود اور اس کی توحید پر واضح علامتیں اور نشانیاں ہمیں بتائیں تو ہم آپ پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہ کریں گے پس یہ آیات نازل ہوئیں یعنی خدا وہ ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو تابانی عطا فرمائی اور اس کے لئے مسز لیں

مقدر فرمائیں۔ الخ۔

علامہ مفتی جعفر حسین صاحب رحمہ اللہ کی دلچسپ اور پراز معنی تحقیق

محمدیہ جنوری ۱۹۶۶ء دعائے رویت ہلال کے عنوان سے اپنے بیان میں فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہیئت والوں

نے جو معلومات ہم پہنچاتے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین سے چاند کا فاصلہ مستقل نہیں ہوتا بلکہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے چنانچہ اس کا اوسط فاصلہ ۲ لاکھ ۳۸ ہزار ۸ سو ۶ میل ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ ۲ لاکھ ۵۲ ہزار ۷ سو ۱ میل اور کم سے کم ۲ لاکھ ۲ ہزار ۴ سو ۶ میل ہے اور قطر ۲ ہزار ایک سو ۶۳ میل ہے۔ جو دو ہزار ۲ سو ۸ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے۔ اور ایک ایسے زاویے پر واقع ہے کہ اس کا ۲ حصہ ہمیشہ اہل زمین کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس میں گہرے کھد بھلے ہوئے چٹیل میدان اور سنگلاخ پہاڑ ہیں۔ جن کی چوٹیاں ۵ ہزار فٹ سے ۱۸ ہزار فٹ تک بلند ہیں۔ اور بعض ہیئت دانوں کا اندازہ ۳۰ ہزار فٹ تک کا بھی ہے۔ اس کی کشش زمین کی بہ نسبت ۱/۱۰ حصہ ہے۔ اس طرح کہ اگر زمین پر ایک انسان کا وزن ۵۰ پونڈ ہو گا تو چاند پر اس کا وزن ۵ پونڈ رہ جائے گا۔ اور اس کے جس حصہ پر سورج کی شعائیں پڑتی ہیں۔ وہاں کا درجہ حرارت ۱۳۰ سنٹی گریڈ ہوتا ہے اور جس حصہ پر شعائیں نہیں پڑتیں وہاں صفر سے ۱۲۰ درجہ سنٹی گریڈ کم ہو جاتا ہے۔ اس میں نہ سبزہ و روئیدگی کے نشان ہیں نہ پانی کا وجود اور نہ ہوا کا گزر ہے۔ یہ تیرہ و تار ایک سورج سے روشنی مستعار لیتا ہے۔ اور یہی روشنی منعکس ہو کر ہماری راتوں کو روشن اور کھ زمین کو صحن و رعنائی کے جلووں سے معمور کر دیتی ہے۔ بعض علماء نے ارشاد الہی ہُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَ الْقَمَرَ نُورًا (یعنی اس نے سورج کو ضیا بار اور قمر کو روشن قرار دیا ہے) سے سورج کی روشنی کے اصلی اور چاند کی روشنی کے اکتسابی ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس طرح کہ قدرت نے سورج کے لئے ضیا اور چاند کے لئے نور کی لفظ استعمال کی ہے۔ اور ضیا و نور میں اصلی و اکتسابی ہی کا فرق ہے۔ چنانچہ صاحب ریاض السالکین تحریر فرماتے ہیں

قال المتكلمون القائم بالمعنى لذاته هو الضوء كما في الشمس وبالمعنى لغيره هو النور كما في القمر
وتسکلمین کا قول ہے کہ جو چیز خود سے روشن ہو وہ نور ہے جیسے سورج اور جو دوسرے سے روشن ہو وہ نور ہے جیسے قمر۔

قَدَرًا مَنَازِلَ۔ ممکن ہے ہا، ضمیر کا مرجع کل و واحد ہو۔ یعنی سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک کے لئے منازل مقرر فرمائیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے ضمیر کا مرجع صرف قمر ہو۔ اور منازل قمر ۲۸ ہیں۔ شریطین۔ بطین۔ ثریا۔ وبراں۔ ہقعو۔ ہنغو۔ ذراع۔ شرہ، طرفہ۔ جبہ۔ زبرہ۔ رصفہ۔ عوا۔ سماک۔ غفر۔ زبانا۔ اکلیل۔ تغلب۔ شولہ۔ نغایم۔ بلدہ۔ فابح۔ بلع۔ سحر۔ سعد۔ الانجیہ۔ فرع۔ ولو مقدم۔ فرع۔ ولو موزر۔ لطن الحوت۔ انتہی۔

تفسیر جامع میں ہے کہ چاند کی تین قسم کی گردشیں ہیں۔ تہی۔ انتقالی اور وضعی پہلی گردش یہ ہے کہ زمین جب سورج کے گرد گھومتی ہے اور چاند بھی اس کے تابع ہو کر سورج کے گرد چکر لگاتا ہے۔ پس چاند کی یہ گردش چونکہ زمین کے تابع ہے۔ لہذا اس کو تہی کہتے ہیں۔ دوسری گردش وہ ہے جو زمین کے گرد ۲۸ دن ۷ گھنٹے ۴۳ منٹ میں ایک چکر پورا کرتا ہے اور اس کی یہ

گردش انتقالی ہے اور تیسری وہ جو اپنے محور پر گردش کرتا ہے اور وہ اس کی وضعی گردش ہے اور زمین و چاند کے درمیان اسی طرح گردش موجود ہے جس طرح کہ زمین اور سورج کے درمیان موجود ہے۔ علم ہیئت قدیم والے زمین کے سورج کے گرد گھومنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ زمین کو ساکن مانتے ہیں۔ اور چاند سورج کی اس کے گرد گردش کے قائل ہیں۔ اس لحاظ سے چاند کی سبھی گردش وہ ہوگی جو سورج کے تابع ہو کر وہ زمین کے گرد کرتا ہے۔

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ چاند سورج کی تخلیق و تقدیر میں خدا کی توحید پر بہت زبردست دلائل و براہین موجود ہیں۔ مثلاً دن کی تخلیق دن میں ضیاء و نور کی تفویض، ان کی گردشیں، باہمی کشش، فاصلہ قرب و بعد، ان کی مشارق، مغارب، کسوف، خسوف، ضیاء باری، گرمی و سردی میں الگ الگ تاثیرات، نشوونما، نباتات، پھولوں کا پکنا، پھر قمر میں ہلال۔ بدر حاق وغیرہ ان میں سے ہر ایک غور و فکر کے لئے ایک وسیع و عریض میدان رکھتا ہے اور ان کے حالات میں جس قدر تعمق ہوگا۔ اسی قدر خالق کی معرفت اور اس کی عجیب صنعت اور کمال حکمت کے لازوال ذخائر دستیاب ہوتے جائیں گے۔ لَتَعْلَمُوْا اَعْدَادَ السَّنِيْنَ۔ یعنی سورج اور چاند کی منازل کی تعیین فرمائی تاکہ تم حساب اور سالوں کے عدد کو جان سکو۔ اس سلسلہ میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ کے سابقہ تحقیقی مقالہ کا آخری حصہ ملاحظہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اوقات کی حد بندی کا تصور انسان کے دل میں سورج کے طلوع و غروب سے پیدا ہوا۔ اس طرح کہ اُس نے سورج کو نکلتے اور پھر آتے اُبتے دیکھا اور طلوع سے لے کر غروب تک کا وقت تاریک پایا تو اس نے ایک طلوع سے لے کر دوسرے طلوع تک کا وقت دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ روشن حصہ کا نام دن ہوا اور تاریک حصہ کا نام رات۔ اب اگر وقت کا حساب اسی شب و روز سے چلتا تو ایک پچاس سالہ شخص کو اپنی عمر کا حساب لگانے کے لئے اٹھارہ ہزار دو سو پچاس راتوں اور اٹھارہ ہزار دو سو پچاس دنوں کا حساب رکھنا پڑتا اور اگر شب و روز کے مجموعہ سے حساب کرتا جب بھی اٹھارہ ہزار دو سو پچاس کے شمار کی ضرورت پڑتی۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح حساب و شمار نہایت دشوار ہوتا۔ اس دشواری کو اس نے چاند کے ذریعہ دور کیا۔ اس طرح اس نے دیکھا کہ وہ ایک معین وقت پر نکلتا ہے اور تغیر و تبدل کے مختلف حالات سے گذرتا ہوا کچھ مدت کے لئے آنکھوں سے روپوش ہوتا ہے۔ اور پھر اسی پہلی وضع و صورت کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا سلسلہ ہے۔ جس میں کبھی غلغلہ نہیں ہوتا تو چاند کے دو طلوعوں کے درمیانی عرصہ سے ایک اور وقت کی حد بندی کر لی۔ اور اس کا نام مہینہ تجویز کیا۔ اب پچاس سال کی مدت کے لئے اٹھارہ ہزار دو سو پچاس دنوں کو یاد رکھنے کے بجائے چھ سو مہینے ہی یاد رکھنا پڑے۔ پھر موسموں کے دورہ کرنے سے ایک اور مدت کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور اس نے دیکھا کہ ایک موسم کے شروع ہونے کے بعد دوبارہ اسی موسم کے شروع ہونے تک بارہ مرتبہ چاند طالع ہوتا ہے تو اس نے بارہ مہینوں کی ایک مدت تجویز کر لی اور اس کا نام سال ہوا۔ جب سالوں کے ذریعہ اوقات کی حد بندی ہونے لگی تو اوقات شماری کی تمام دشواریاں دور ہو گئیں۔ جن لوگوں نے سب سے پہلے تشکیل اوقات کی طرف توجہ کی۔ وہ اہل مصر تھے۔ چنانچہ آثار مصر کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں وہ ایک مہینہ ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ وہاں ہلال کی شکل بنا دیتے تھے۔ اور ۶۰۰ ق م انہوں

نے اپنے تواروں کے ناموں پر بارہ مہینوں کے نام رکھ کر سال کی حد بندی کر لی تھی۔ اور یونان۔ روم۔ ہند اور عرب میں بھی قمری مہینوں کا حساب رائج تھا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے بھی قمری مہینوں کو برقرار رکھا اور قمری مہینوں ہی کے لحاظ سے سال کی تحدید کی اور مہینوں کو گھٹانے بڑھانے اور آگے پیچھے کرنے سے روک دیا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی مقصد براری کے لئے امن و آشتی کے مہینہ کو مؤخر کر دیتے یا حج کے مہینہ کو پیچھے ڈال دیتے تھے۔ یہ سال سنہ جمہری کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کے مشورہ سے پنجم اکرم کی ہجرت پر رکھی گئی تھی۔ اگرچہ ہجرت کا واقعہ ۲ صفر کو پیش آیا اور ۱۲ ربیع الاول کو آں حضرت کا مدینہ میں ورود ہوا۔ مگر محرم کی اہمیت و شہرت اور اشہر حرم میں نمایاں ہونے کی وجہ سے اور بایں ہمہ چونکہ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے تھا۔ اسے سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ اگرچہ قمری حساب سیدھا سادہ اور ہر قسم کے پیچ و خم سے پاک ہے مگر اس میں یہ دشواری نظر آئی کہ اس کے ذریعہ فصلوں کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ جو مہینہ آج سردی میں آ رہا ہے پھر گرمی میں آنا شروع ہو جائے گا۔ اور جو خزاں میں آ رہا ہے وہ بہار میں آنے لگے گا۔ لہذا یہ نہ بتایا جاسکے گا کہ گرمی کے مہینے کون سے ہیں اور سردی کے کون سے۔ کس مہینے میں کاشت ہوگی اور کس مہینے میں کاٹی جائے گی۔ اور مصریوں کو بھی یہی وقت پیش آئی۔ کیونکہ ان کی زندگی کا انحصار کھیتی باڑی پر تھا۔ اور ایک برسات سے لے کر دوسری برسات تک انہوں نے بارہ مہینوں کا حساب لگایا تھا مگر برسات تیرہ مہینوں کے بعد آنے لگی۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی صورت ہونا چاہیے کہ گرما و سرما اور بہار خزاں کے موسم کی حد بندی ہو جائے۔ چنانچہ فلکی مطالعہ نے انسان کی رہنمائی کی۔ اور اس نے دیکھا کہ چاند ہر رات کسی نہ کسی ستارے کے پاس نظر آتا ہے۔ اور چونکہ چاند کے نظر آنے کی راتیں اٹھائیس ہوتی ہیں۔ اس لئے اس نے ان ستاروں کو علامت قرار دے کر چاند کی اٹھائیس منزلیں قرار دے لیں۔ ان منزلوں کو ہندی میں پختہ کہا جاتا ہے جو اسونی، بھرنی، کرتیکا، روہنی وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اور عربی میں ان کے نام حدائق پر مذکور ہو چکے ہیں۔

پھر اس نے دیکھا کہ منطقہ البروج پر کئی ستاروں کے جھرمٹ ہیں۔ جنہیں قاعدہ سے ملایا جائے تو بارہ مختلف شکلیں بن جاتی ہیں۔ اور انہیں شکلوں کے لحاظ سے ان کے نام رکھ لئے گئے۔ ہندی میں انہیں راس اور عربی میں برج کہا جاتا ہے۔ ہندی نام یہ ہیں۔ میکھ۔ برکھ۔ متھن۔ کرک۔ سنگھ۔ کینیا۔ تلا۔ برچھک۔ دھن۔ مکر۔ کنبھ۔ مین۔ اور اسی ترتیب سے عربی نام یہ ہیں۔ حمل۔ ثور۔ جوزار۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو اور حوت۔

پھر ان منزلوں کو ۳۶۰ درجوں پر تقسیم کیا۔ اور ہر منزل میں چاند کا قیام ۱۲ درجہ اور تقریباً ۱۵ دقیقہ اور ہر برج میں اس کا ٹھہراؤ دو دن آٹھ گھنٹہ قرار دیا۔ پھر یہ دیکھا کہ جس منزل کو چاند شبانہ روز میں طے کرتا ہے۔ سورج اسے تقریباً ۱۳ دنوں میں تمام کرتا ہے۔ جس سے منزلوں کے دن ۳۶۵ بنتے ہیں لیکن سورج اس مقام پر جہاں سے چلا تھا ۳۶۵ دن میں پہنچتا ہے۔ اس طرح کہ حمل۔ ثور۔ سرطان۔ اسد اور سنبلہ میں ۳۱۔ ۳۱ دن جواز ہیں ۳۲ دن میزان۔ عقرب۔ دلو اور حوت میں ۳۰، ۳۰ دن۔ اور قوس و جدی میں ۲۹۔ ۲۹ دن صرف کرتا ہے تو انہوں نے ایام منازل کو دورہ شمسی کے دنوں سے مطابق کرنے کے لئے منزل عقرب

میں ایک دن کا اضافہ کر کے ۳۶۵ دن کا سال مقرر کر لیا۔ اور موسموں کو ان منزلوں پر تقسیم کر کے فصول اربعہ کی حد بندی کر لی۔ اور اُسے شمسی سال سے تعبیر کیا جانے لگا۔ اور بعض ملکوں میں شمسی سال کے باوجود مہینوں، سب قمری ہی رہا۔ حالانکہ قمری حساب سے سال کی مدت ۳۵۵ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ ۳۲ سیکنڈ ہوتی ہے کیونکہ قمری مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ اگرچہ چاند ۲۹ دن ۸ گھنٹے ۳۳ منٹ کی مدت میں سمت متقابل کی طرف حرکت کرتا ہوا زمین کے گرد اپنا دورہ مکمل کر لیتا ہے لیکن حرکت ارضی کی وجہ سے چاند کے سفر میں ۲ دن ۱۲ اعشاریہ کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اسے اپنا سفر تمام کرنے کے لئے ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۳ منٹ ۱۶ سیکنڈ کی مدت درکار ہوتی ہے۔ اس بنا پر وہ کبھی ۲۹ دن کے بعد نظر آتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کے بعد۔ اس رویت پر مہینوں کی مدت کا انحصار ہے اور شمسی سال کی مدت ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس لئے قمری سال ۱۰ دن ۱۱ گھنٹے ۱۴ سیکنڈ شمسی سال سے پھوٹا ہو گا اور ہر سو سال کے بعد شمسی سال سے تین سال آگے بڑھ جائے گا۔

چنانچہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے کہا کہ قرآن مجید میں اصحاب کہف کے متعلق ہے کہ ولبتوا فی کھف ثلاث مائتہ سنین وازدادوا تسعا (دو غار میں تین سو برس ٹھہرے اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دئے) اور ہمارے ہاں کی کتاب میں صرف تین سو برس کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یونانیوں کے تین سو برس عربوں کے تین سو نو سالوں کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جب ہر سو سال میں تین سال کا اضافہ ہو گا۔ تو تین سو سالوں کے بعد نو سو سالوں کا اضافہ ہونا ہی چاہیے۔

روم میں مہینوں کا حساب چاند سے اور سال کا حساب سورج سے لگایا جاتا تھا۔ جب روم میں جولیس سیرز حکمران ہوا تو اُس نے ۴۵ ق م دو ہفتہ والوں کی مدد سے سال کی مدت ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے مقرر کی اس طرح کہ فوری کے ۲۹ دن اور باقی مہینوں میں ایک مہینہ ۳۰ دن کا اور دوسرا ۳۱ دن کا قرار دیا۔ اور ۶ گھنٹوں کی کھپت کے لئے ہر چوتھے سال فوری میں ایک دن کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور اپنے نام پر جون کے بعد آنے والے مہینے کا نام جولائی رکھا۔ اس کے بعد اگست نے جولائی کے بعد والے مہینے کا نام اپنے نام سے اگست رکھا۔ اور فوری سے ایک دن نکال کر اس میں بڑھا دیا۔ یہ حساب صدیوں سے چلتا رہا۔ لیکن سال کی مدت چونکہ ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے تھی اس لئے ۴۰۰ سو سال کے عرصہ میں تحویل آفتاب میں ۳ دن کا فرق پڑ گیا چنانچہ ۴۵ ق م جب یہ سال رائج ہوا تھا تو تحویل آفتاب ۲۵ مارچ کو تھی۔ انہوں نے بتایا کہ شمسی سال کی صحیح مدت چونکہ ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہے اور ملکی سال کا شمار ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے کے حساب سے ہوتا رہا ہے۔ اور ملکی سال شمسی سال سے ۱۱ منٹ ۱۴ سیکنڈ آگے بڑھتا رہا ہے اس لئے یہ فرق پڑ گیا ہے مگر اس کی تصحیح کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ آخر ۸۲ ۱۵۰ میں پاپا نے اعظم گریگری نے اس کی طرف توجہ کی۔ اور گذشتہ سالوں میں جو ۱۰ دن زیادہ شمار ہوئے تھے کم کر دئے۔ اور آئندہ کے لئے ہر تین سال کے دن ۳۶۵ اور چوتھے سال کے دن ۳۶۶ قرار دیئے تاکہ ان چار سالوں میں ہر سال جو ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ زائد ہوتے ہیں۔ ان کی کھپت ہو جائے۔ مگر جب یہ دیکھا گیا کہ اس سے بھی کچھ فرق پڑتا ہے اس طرح کہ کمی تو چار سالوں میں

۲۳ گھنٹے ۱۵ منٹ ۴ سیکنڈ کی ہوئی ہے اور اضانہ ایک دن کی صورت میں ۲۴ گھنٹے کا کیا گیا ہے جس سے ۴۰۰ سال میں ۳ دن دن کا فرق چڑھتا ہے۔ اس لئے پوری صدی والے سالوں میں صرف اس سال میں اضانہ باقی رکھا گیا جو ۴۰۰ تقسیم ہو جائے تاکہ یہ بڑھنے والے تین دن کم ہو جائیں لیکن اس صورت میں بھی ۲۶ سیکنڈ ہر سال میں بڑھ جاتے ہیں جو ۲۲۳ سال میں ایک دن کے مساوی ہو جائیں گے۔ اس کے تدارک کی یہ صورت نکالی گئی کہ جو سال ۴۰۰ پر پورا تقسیم ہو جائے۔ اس میں ایک دن کا اضانہ نہیں کیا جائے گا لیکن یہ ایک دن تو ۳۲۳ سالوں میں بڑھتا تھا اور کئی چار ہزار سال میں ایک دن کی تجویز ہوئی تو اس کے نتیجے میں ۲۰ ہزار سالوں میں ایک دن پھر بڑھ جائے گا مگر اس کے حل کی ابھی تک کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔

جس سال میں ایک دن کا اضانہ کیا جاتا ہے اس کے پچانے کا حسابی طریقہ یہ ہے کہ سنہ عیسوی کو چار تقسیم کر دیا جائے اگر ایک باقی رہے تو ۳۶۵ دن والا پہلا سال، دو باقی رہیں تو دوسرا، تین باقی رہیں تو تیسرا اور پورا تقسیم ہو جائے تو وہ ۳۶۶ دنوں کا سال ہوگا۔ ایسے سال کو لیب کا سال کہا جاتا ہے۔

بہر حال اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر سال کبھی شمسی سال سے گھٹ جاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اور جو چوتھے سال ایک دن کے اضانہ کی ضرورت چڑھتی ہے۔ اور پھر بھی تفاوت رہ جاتا ہے اور پھر اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو علم فلکیات میں مہارت رکھتا ہو۔ بخلاف قمری حساب کے کہ وہ گھٹائے بڑھائے بغیر بالکل قدرتی حالت میں ہے۔ اور ہر شخص باسانی معلوم کر لیتا ہے کیونکہ اس کا تعلق عام مشاہدہ سے ہے۔ اس لئے اسلام نے اعمال و عبادات کی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر رکھی ہے تاکہ تعین اوقات میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اور جو سورج سے متعلق ہیں جیسے افطار صوم یا اوقات نماز یا نماز آیات تو ان کا تعلق صرف سورج کے مشاہدہ یعنی طلوع و غروب و زوال اور کسوف سے ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ البتہ کچھ امور ایسے ہیں جو شمسی حساب سے متعلق ہیں مگر وہ اعمال واجبہ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ جیسے روزہ، کیونکہ جس دن غدیر خم میں اعلانِ خلافت علوی ہوا۔ اور جس دن امیر المؤمنین علیہ السلام زینت افزائے سریر خلافت ہوئے۔ آفتاب برج حمل میں تھا اسی لئے اس دن کی مسرت کو دوچند کرنے کے لئے قمری و شمسی دونوں تاریخوں کو یوم مسرت قرار دیا گیا۔ اسی طرح نوروز کے ۲۳ دن بعد نسیان کا مہینہ شروع ہوتا ہے جس میں بسنے والے پانی پر مختلف سورتیں اور دعائیں پڑھ کر پینے سے مختلف فوائد و خواص کا تذکرہ روایات میں ہوا ہے۔ یونہی امام جعفر صادق علیہ السلام نے ماہ حرزیاں کی ساتویں تاریخ کو پچھنے لگوانے سے منع کیا ہے۔ اور امام رضا علیہ السلام سے شمسی مہینوں کے لحاظ سے ہر مہینہ کے کچھ اصولِ صحت وارد ہوئے ہیں۔

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ - یعنی دن اور رات کے اختلاف میں بھی وجود و حکمت اور قدرت و صنعت پر دو کار کی ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اس کی توحید کی بولتی زبان ہیں۔ مثلاً ان میں روشنی و تاریکی کا فرق، محنت و آرام کا فرق اور گرمی و ٹھنڈک کا فرق اور ممکن ہے کہ اس اختلاف سے مراد ان کی کمی و بیشی ہو کہ کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا الٹ اور سال میں صرف دو دفعہ برابر ہی اور اس کی تفصیل تفسیر منہا کی تیسری جلد ص ۲۱۳ پر ملاحظہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا

تحقیق جو لوگ نہیں امید کرتے ہماری ملاقات کی اور راضی ہیں زندگی دنیائی پر اور مطمئن ہیں اس سے

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُونَ ﴿۷﴾ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوا

اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ بوجہ اس کے جو کسب

يَكْسِبُونَ ﴿۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِآيَاتِهِمْ

کرتے ہیں تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرائے بھیجے گا ان کو رب اپنا بوجہ ایمان کے (ایسی جگہ)

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۹﴾ دَعَوْهُمْ فِيهَا

کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں نعمتوں کے باغات میں ان کا تکیہ کلام ہوگا

إِنَّ الَّذِينَ - یعنی دلائل وجود خدا و علامت و آیات توحید باری بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کو از سر نو تنبیہ فرماتا ہے جو اس قسم کی واضح و غیر مبہم آیات میں غور نہیں کرتے۔ اور یہ مالک حقیقی کا انتہائی لطف و کرم ہے کہ بار بار دعوت و فکر دے کر غافل مخلوق کو اپنی جانب توجہ کی دعوت دیتا ہے۔ اب اس اتمام حجت کے بعد اگر کوئی عارضی دنیاوی منافع کو ترجیح دے کر خدائی فرمائشات کو نظر انداز کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

يَهْدِيهِمْ - اور تفسیر منج الصادقین میں اس کا مقصد یہ مذکور ہے کہ خدا نور ایمان کی بدولت ان کو صراط سے گذارے گا۔ چنانچہ جبریل نے حضور کو یہ مشورہ سنایا کہ خدا بعد سلام کے فرماتا ہے تو میرے نور سے اور علی تیرے نور سے اور امت علی کے نور سے گذرے گی۔ کیونکہ امت کا نور علی سے ہے۔ اور علی کا نور تجھ سے ہے۔ اور تیرا نور میرے نور سے ہے۔ یہاں امت سے مراد شیعیان علی ہیں۔

دَعَوْهُمْ - یعنی جنت میں ان کا تکیہ کلام یہی ہوگا کہ ہر وقت زبان سے تسبیح پروردگار جاری رکھیں گے۔ اور اس سے وہ لذت اندوز ہوں گے۔ چنانچہ مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب کوئی پرندہ ان کے سروں سے گذر کرے گا تو اس کو دیکھ کر وہ یہی تسبیح کا کلمہ پڑھیں گے۔ پس وہ جھونے ہوئے گوشت کی صورت میں ان کے سامنے فوراً آمو جو ہوگا۔ اور جب یہ لوگ جی بھر کر کھا چکیں گے تو وہ دوبارہ باذن پروردگار زندہ ہو کر پرداز کر جائے گا۔ یعنی ان کی ابتداء کلام تسبیح خدا اور انتہائے کلام حمد

خدا ہوگی۔
وَتَجِيئُهُمْ - یعنی خدا کی جانب سے جو ان کو تھیہ پہنچے گا وہ سلام ہوگا یا یہ کہ فرشتوں کا تسبیح ان کے لئے سلام ہوگا یا یہ کہ ان کا آپس میں یہ تھیہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو سلام کہیں گے اور ان کا اختتام کلام حمد خدا ہوگی۔ واخرو دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۖ وَاخِرُ دَعْوَانَا أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ

تبیح خدا اور ان کا تحیہ ہوگا سلام اور آخری تکیہ کلام ان کا حمد پروردگار ہوگی جو عالمین

الْعَالَمِينَ ۝ ۱۰ ۖ وَلَوْ يَعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَلَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ

کارب ہے اور اگر جلدی کرتا اللہ لوگوں کے لئے شر کی مثل عجلت خیر کے تو پوری کر دی جاتی ان

أَجَلِهِمْ فَذُرُّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ ۱۱ ۖ وَإِذَا

کی اجل پس ہم چھوڑتے ہیں انکو جو نہیں اُمید کرتے ہماری ملاقات کی کہ وہ اپنی سرکشی میں جبران ہوتے ہیں اور جب

مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ

چھوڑے انسان کو تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پہلو کے بل یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پس جب دور کرتے ہیں ہم اسکی تکلیف

مَرَّكَانَ لَمْ يَذْعَبْنَا إِلَىٰ صُرُسَتِهِ ۚ كَذَلِكَ زِينٌ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۱۲

کو تو ایسا لگتا ہے کہ گویا کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا کسی تکلیف کے لئے جو ایسے سہمی اسی طرح فریب کا باعث بنے غلط کاروں کے لئے اپنے اعمال

رُكُوعِ نَمْرًا - وَكَوْ يَعْجَلُ - یعنی لوگ جب تنگ دلی سے یا غصہ اور جذبات کے ابھار میں اپنے یا اپنے اقرباء کے

لئے بددعا کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے لئے کہتے ہیں، میں مر جاؤں یا کسی دوسرے کے لئے کہتے ہیں کہ تم مر جاؤ۔ پس اگر خدا ان کی ایسی

دعائیں قبول کرنے میں جلدی کرتا۔ جس طرح کہ خیر کی دعاؤں میں کرتا ہے تو وہ ختم ہو چکے ہوتے۔ اسْتَعْجَلَهُمْ فِي ضَمِيرِ جَمْعِ

غائب ہم مصدر کا مفعول ہے اور مصدر کا فاعل اللہ ہے یعنی اسْتَعْجَلَهُمْ اِيْتَاَهُمْ یعنی خدا جلد بازی نہیں کرتا اور وہ

جانتا ہے کہ جذبات اور غصہ کی رو میں بہہ کر اپنی خاطر بددعا کر رہے ہیں۔ جب یہ حالت دور ہوگی تو وہ پشیمان ہوں گے۔ اور

یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ اگر لوگوں کے لئے خداوند کریم گرفت کی تعجیل کرتا جیسا کہ ان کے گناہوں کا تقاضا ہوتا ہے جس طرح

کہ وہ دنیا میں اچھالی اور اپنے نفسوں کی بہتری کے لئے تعجیل کرتے ہیں تو معاملہ کبھی کا صاف ہو جاتا اور یہ لوگ ختم کر دئے

جاتے لیکن وہ تو ڈھیل دے دیتا ہے تاکہ ان کو توبہ کا کھلا وقت مل سکے۔

مَرَّكَانَ لَمْ - یہاں مَرَّ اسمر کے معنی میں ہے یعنی تکلیف کے وقت تو اس کو خدا یاد آتا ہے لیکن جب وہ اس کی

سختی کو ختم کر دے تو وہ شکر یہ ادا کرنے کی بجائے حسب سابق اگر طاعتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کبھی ہمیں پکارا

ہی نہیں تھا۔ اور ایسا ہی کفار اپنے کرتوتوں میں مست نظر آتے ہیں اور ان کی نظروں میں ان کی بد اعمالیاں بھلی لگتی ہیں خداوند کریم

نے آیت مجیدہ میں سختی اور نرمی کی حالتوں کی تبدیلی کو اپنی معرفت و عبادت کا داعی ظاہر کیا ہے کاش کہ انسان درس عبرت

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

اور ہم نے ہلاک کیا قوموں کو تم سے پہلے جب انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلوں کے ساتھ

وَمَا كُنَّا يَوْمَهُمُ الْمُؤْمِنِينَ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ

اور نہیں اُمید تھی کہ وہ ایمان لائیں ایسی ہی جزا دیتے ہیں ہم مجرم لوگوں کو پھر تم نے تم کو کیا

خَلَقْنَا فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾ وَإِذْ أَنْتَ

قائم مقام زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں کہ کس طرح عمل کرتے ہو اور ان پر پڑھی

عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا انْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ ذَٰلِكَ

گئیں ہماری آیات واضح تو کہنے لگے وہ جو نہیں اُمید کرتے ہماری ملاقات کی لادُ قرآن اس کے علاوہ یا ات

أَوْ بَدِّلَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِيُتَبِعُوا مَا كُنْهُمْ يُكْفَرُونَ لِيُتَبِعُوا مَا كُنْهُمْ يُكْفَرُونَ لِيُتَبِعُوا مَا كُنْهُمْ يُكْفَرُونَ

تبدیل کرو کہہ دو نہیں جائز مجھے کہ اس کو تبدیل کروں اپنی جانب سے میں تو نہیں پیروی کرتا مگر انکی

يُوحَىٰ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِلَّهِ إِحْسَانًا رَبِّ اتَّبِعْنِي أَتَّبِعْكَ وَأَبِئْتُكَ بِمَا مَنَعْتَنِ الْعَذَابَ بِمَا كُنْتَ فِيهِ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿۱۵﴾

جو وحی ہو میری طرف تحقیق میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب سے بڑے دن کے عذاب سے

حاصل کرے۔

لِيُتَبِعُوا - یعنی ان کو مہلت دی گئی اور جب ان کے ایمان لانے کی اُمید منقطع ہو گئی تو ان کو عذاب دیا گیا۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ - یعنی تمہارے لئے ان سابقہ اقوام کے اعمال کے نتائج باعث نصیحت ہیں اور تم انہیں کے جانشین ہو

اور خدا اپنے عدل و انصاف کے ماتحت اتمامِ حجت کے بغیر کسی کو سزا و عقاب نہیں کرتا۔ پس تم بھی اگر اسی سابقہ لوگوں کے

طریق کار پر گامزن ہوئے تو مستحق عذاب بنو گے۔ ورنہ اگر سنبھل جاؤ اور راہِ راست کو اپنالو۔ تو خدا کی رحمت اس کے غضب

سے وسیع تر ہے وہ تمہیں اپنے اکرام و انعام سے نوازے گا۔

وَإِذْ أَنْتَ - تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق ہے کہ عبد اللہ بن اُمیہ مخزومی دیگر چار مشرکین قریش

کے ہمراہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ آپ کوئی ایسا قرآن لے آئیں جس میں ہمارے خداؤں کے خلاف کوئی بات

نہ پائی جائے یا یہ کہ اس قرآن سے قابلِ اعتراض مواد نکال کر ایسی صورت میں اسے پیش کریں جو ہمارے مزاجوں کے موافق

ہو۔ پس یہ آیت اُتری۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے میرے پیش ہرنا ہی نہیں ہے۔ پس ان کو

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا

کہہ دو اگر چاہتا اللہ تو میں اس کی تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ بتاتا وہ تمہیں پس تحقیق میں ٹھہرا رہا ہوں تم میں عمر کافی

مَنْ قَبْلَهُ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اس سے پہلے بھی کیا تم سمجھتے نہیں ہو پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا کرے اور اللہ کے یا جھٹلائے اس

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا

کی آیات کو تحقیق نہیں چٹکارا پائیں گے مجرم لوگ اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی جو نہ

صاف جواب دیجئے کہ میں تمہارے پاس قرآن کے احکام پہنچانے کے لئے آیا ہوں۔ مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کروں اور میں تو صرف وحی پروردگار کے ہی تابع ہوں۔ گویا مطلب یہ ہے کہ کتاب میں ترمیم کرنے کا کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا۔ حتیٰ کہ کتاب اللہ کے لانے والا بھی اس میں ترمیم نہیں کر سکتا۔ پس یہ اعلان قرآن مجید کے کامل و مکمل ہونے کا صراحتی بیان ہے۔

قُلْ - گویا کفار قریش یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضورؐ اس میں ایر پھیر کرنے کا خود اختیار رکھتے ہیں تو اس خدشہ کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ اگر اللہ نہ چاہتا ہوتا تو مجھے از خود تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ نہ میرے اوپر نازل کرتا۔ اور نہ میں تم تک پہنچاتا وَلَا أَذْرَاكُمْ بِهِ۔ وہ تمہیں نہ جھٹلاتا یعنی میرے اوپر نازل کر کے تم تک پہنچانے کا حکم نہ دیتا۔ ورنہ تم دیکھتے نہیں ہو۔ اس سے قبل بھی تو میں تم میں رہا ہوں اور کبھی تمہیں یہ باتیں نہیں کہی تھیں۔ اب حکم ملا ہے تو کہتا ہوں۔

فَمَنْ أَظْلَمُ - مزید وضاحت کے لئے ارشاد ہے کہ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اللہ کے حکم کے بغیر اس کی طرف کوئی چیز منسوب کرنا اور اس پر افترا باندھنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور میری سیرت کا تم مطالعہ کر چکے ہو۔ اور میں تم میں سے ایک ہی فرد ہوں۔ سچائی۔ امانت۔ ریاست میں تمہیں میری پوزیشن کا صاف پتہ ہے جب میں عام جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہوں تو اپنے خالق کی طرف جھوٹی نسبت کیسے دے سکتا ہوں؟ اسی طرح جب تم مجھے ایسے جانتے ہو۔ اور میں کسی آپ جیسے انسان کی امانت میں خیانت نہیں کرتا تو خدا کے دین اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں۔ پس اس کے بعد یقین جان کر میں جو کچھ کہتا ہوں وہ خدا کی جانب سے ہے۔ تو جس طرح میرا اس کے متعلق جھوٹ کہنا ناجائز ہے تمہارا یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد اس کی واضح نشانیوں کو جھٹلانا اور اس کی اور اس کے رسول کی تکذیب کرنا بھی ظلم عظیم ہے۔ پس اس سے باز آ جاؤ۔

يَعْبُدُونَ - اپنی جانب سے ان کو مطیع کرنے کے بعد ان کو اپنے بنائے ہوئے معبودوں کی عبادت کی خامیوں سے آگاہ فرماتا ہے کہ تم ایسوں کی عبادت کرنے پر جو نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ نہ ان کے پاس قدرت ہے نہ اختیار۔

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شَفَعَاءُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَسْمَعُونَ

ان کو نقصان دے اور نہ نفع دے اور کہتے ہیں یہ لوگ ہمارے شفیع ہوں گے اللہ کے پاس کہہ دو کیا بتاتے ہو

اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا

اللہ کو ایسی باتیں جنہیں وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمین میں وہ پاک ہے اور بلند تر ہے اس سے جس

لِشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا

کا وہ شرک کرتے ہیں اور نہیں تھے لوگ مگر ایک امت پس انہوں نے اختلاف کیا اور اگر

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾

نہ ہوتا کلمہ سابق تیرے رب سے تو فیصلہ کیا جاتا ان میں اس کا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں

پس اس کی عبادت کرو۔ جو سب کا خالق اور رازق اور قادر و مختار ہے۔ اور نفع و نقصان کا مالک بھی ہے۔

هُؤُلَاءِ۔ آپ کی پراز حکمت مدلل و مبرہن تقریر سننے کے بعد انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن اپنے باپ دادا کے مذہب کی لاج رکھنے کے لئے یہ بہانا پیش کرتے تھے کہ ہم ان کی عبادت مقصود بنا کر نہیں کرتے بلکہ عبادت تو اللہ کی کرتے ہیں اور ان کو اس کی بارگاہ میں اپنا شفیع سمجھتے ہیں تو خداوند کریم ان کے اس جواب میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ اس قدر فریب خوردہ ہیں کہ اللہ کے سامنے بھی چالاکي کرتے ہیں۔ کیا وہ اللہ کو ایسی بات بتا رہے ہیں جس کو وہ نہیں جانتا؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی اس قسم کی دروغ گوئی اور حیلہ سازی تو اُس کے سامنے کرتے جو حقیقت کو نہ جانتا ہو۔ لیکن وہ خدا جو سب کو جانتا ہے اُس کے سامنے اس قسم کی مکاریوں کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟

أُمَّةً وَاحِدَةً۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح تک ایک دین حق (اسلام) پر تھے پھر اختلاف پڑ گیا۔ ۲۔ حضرت ابراہیم کے بعد ایک ملت پر تھے۔ بعد میں بت پرستی کی وجہ سے اختلاف پڑ گیا۔ (۳) ایک ہی فطرت پر خلق کئے گئے لیکن جذبات و خواہشات میں اگر الگ الگ ادیان و مذاہب بنا لئے۔ ان کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں۔ اور ہم نے اس کے متعلق پوری وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں صفحہ ۲۵ سے صحتاً تک کر دی ہے۔

يَقُولُونَ۔ کفار کا یہ اعتراض بھی تھا کہ اگر یہ خدا کے سچے رسول ہوتے تو خدا کی جانب سے ایک خاص علامت ان کے ساتھ ہوتی کہ جو انکار کرتا اُس کو فوراً سزا ملتی تاکہ ڈر کے مارے سب کے سب اُس کے سامنے جھک جاتے تو اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ دین اسلام جبری دین نہیں ہے بلکہ اختیاری دین ہے اور اس کی مصالح کو وہ خود ہی بہتر جانتا ہے کہ اُس

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانظُرُوا

اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اپنے رب سے پس کہہ دو کہ بس غیب اللہ کے لئے ہے پھر تم انتظار کرو

إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ

اور تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں اور جب ہم چکھائیں لوگوں کو رحمت کا مزہ بعد دکھ کے جو

مَسَتْهُمْ إِذَا الْهَمُّ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ

انہیں پہنچے تو وہ مکر کرنے لگیں ہماری آیات میں کہہ دو کہ اللہ جلد ہی گرفت کر لے گا اس مکر کی تحقیق ہمارے فرشتے لڑتے

مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِي يُسِيرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي

کر لیتے ہیں جو وہ مکر کرتے ہیں وہ جس نے تمہیں چلایا خشک و تری میں حتیٰ کہ جب تم ہر کشتی

الْفُلْكِ وَجَرَيْنَا بِهِمُ دُرِيًّا طَيْبَةً وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهُمْ رِيحٌ عَاصِفٌ

میں اور چلائیں ہم پاکیزہ ہوا اور وہ خوش ہو جائیں تو اچانک آجائے آندھی

وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أَحِيطَ بِهِمْ دَعَوْا

اور آئے موج ہر طرف سے اور ان کو گمان ہو جائے کہ ابھی ہلک ہوئے تو پکارا اللہ

اللَّهُ مَخْلَصِينَ لَهُ الدِّينَ لِنِ اجْتِنَانَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾

کہ غلص اعتقاد سے کہ اگر تو ہمیں نجات دے دے اس سے تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے

فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغِيكُمُ

تو جب اس نے نجات دیدی پھر وہ سرکشی کرنے لگے زمین میں ناجائز اے لوگو تمہاری سرکشی کا وبال تمہارے

نے ایسا کیوں کیا ہے۔

رکوع نمبر ۸۔ وَإِذَا - خداوند کریم آیت کریمہ میں بے شکری اور بالخصوص کفار کی بدباطنی کی خبر دے رہا ہے کہ جب

تکلیف کے بعد ہم ان سے درگزر کرتے ہوئے انہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں۔ اور مصیبت سے ان کو نجات دیدیں

تو بجائے شکر کے ہماری آیات کی تردید میں لگ جاتے ہیں۔ گویا وہ حوادثِ زمانہ کو خدا کے اختیار کے تابع نہیں مانتے

بلکہ کہتے ہیں تو ایک فطرتِ مادہ کا دائمی دستور ہے۔ کبھی دکھ اور کبھی سکھ۔ چنانچہ مثال کے طور پر انسان اگر کشتی میں بیٹھا

عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ

نفسوں پر ہوگا (خچر روزہ) زندگانی دنیا کا (لطف اٹھالو) پھر تمہاری بازگشت ہماری طرف ہوگی تو ہم بتائیں گے کہ تم کیا عمل

تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أُنزِلْنَا هُمِنَ السَّمَاءِ فَأَخْلَطَ

کرتے تھے بحر اس کے نہیں کہ زندگانی دنیا کی مثال اس پانی جیسی ہے جو اتارا ہم نے آسمان سے پس مل گئی

بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ

اس کے ساتھ انگری زمین کی اُس سے جو آدمی کھاتے ہیں اور حیوان یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی نمائش بنا

زُخْرُفَهَا وَازْبَيَّتْ وَظَنَّ أَهْلِهَا أَنَّهُم قَادِمُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرًا لَّيْلًا

لی اور بارونتی ہو گئی اور سمجھے مالک اس کے کہ ہم اس سے پورا نفع اٹھائیں گے تو پہنچا ہمارا حکم رات کو

أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ

یا دن کو پس کر دیا ہم نے اس کو خاکستر گویا یہاں کل کچھ بچا ہی نہیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ہم اپنی

لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ

نشانیوں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے اور اللہ بلا تا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے سیدھے

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ

راستہ کی ان کے لئے جو نیکی کریں بدلہ اور زیادتی بھی ہے اور نہ پہنچے گی

ہو۔ اور دھیمی دھیمی ہوا چل رہی ہو۔ اور خوشی خوشی میں اچانک تیز

ہوا کا جھونکا آجائے موج پر موج اور لہر پہ لہر اٹھنے لگے جس سے کشتی کے اٹھنے کا خطرہ اور پانی میں ڈوب جانے کا ڈر اسے

تمام ظاہری اسباب و ذرائع سے مایوس کر دے تو فوراً اس کے دماغ میں جو خفات سماقی ہے وہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے

پس فوراً اس کی طرف نہایت خلوص سے گڑگڑا کر اپنی نجات کی درخواست کرتے ہوئے نکر کا عہد کرتا ہے لیکن نجات پانے

کے بعد ویسے کا دلیبا ہوتا ہے اور ازراہ سرکشی احسانِ خداوندی کو جھٹلاتا ہے۔ اور اپنی نجات کو کسی اور سبب کا مہربان منت

قرار دے دیتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

مِنَ السَّمَاءِ۔ اس آیت میں نصیحت کے لئے خداوند کریم نے اپنی قدرت اور دنیا کے فنا و تغیر کی ایک مثال دی ہے

جس طرح بارش کے بعد زمین کی سرسبزی سے مالکانِ زمین توقعات

وَجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَقَدْ لَدُنَّا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۶﴾

ان کے چہروں کو سیاہی اور خواری وہی جنت والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سِوَاةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَمَا لَهُم

اور جن لوگوں نے کماٹی برائیاں تو بدلہ برائی کا اس جیسا ہوگا اور پیچھے گی ان کو خواری نہیں ہوگا

مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَانَمَا أَغْشَيْتُمْ وَجُوهَهُمْ تَطْعَانُ اللَّيْلِ مُظْلِمًا

ان کا اللہ سے کوئی بچانے والا ایسا معلوم ہوگا کہ ڈھانپنے گئے ہیں ان کے چہرے رات کے سیاہ ٹکڑوں سے

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا

وہی دوزخ والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ فَزَلِّنَا بَيْنَهُمُ

پھر کہیں گے ان کو جو مشرک ہیں رہو اپنی جگہ پر ساتھ اپنے شریکوں کے پھر ان کو آپس میں جدا کر کے پھینکے تو

وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنَّا يُعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾ فَكُفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا

ان سے شریک بت کہیں گے کہ تم تو ہماری عبادت نہیں کرتے تھے پس کافی ہے اللہ گواہ ہم

والبتہ کرتے ہیں کہ اب اس سے خوب نفع اندوز ہوں گے لیکن خداوند کریم کسی آفت سماویہ یا ارضیہ کے ذریعے سے اس کی تمام آبادی

دوسری کو خشک اور برباد کر دیتا ہے۔ پس پوری زندگانی دنیا کا یہی انجام ہے۔ پس اس دنیا میں رہ کر دارِ آخرت کے لئے

ہی ذخیرہ بنانا چاہیے۔ جہاں فنا نہ ہو۔ اور یہ تغیرات قریب نہ آئیں اور اسی کو دارالسلام سے تعبیر فرمایا۔ اور اسی کی طرف

تمام انسانوں کو دعوتِ عامہ دی۔ اور یہ پیش کش بھی ساتھ ساتھ کر دی کہ نبی کا بدلہ جزا سے زیادتی ملے گی خواہ وہ گنا خواہ ہزار و

لاکھ گنا اور خواہ بے حساب اور جنتیوں کے چہرے نورانی ہوں گے نہ ان پر کوئی میل ہوگی نہ غم نہ خوش خوش شکستے پھرتے ہوں

گے۔ اور جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جس کی آنکھ سے ایک قطرہ آنسو خوب ندا کی وجہ سے گرتا۔ وہ شخص

بروزِ محشر ذلت اور چہرہ کی سیاہی سے بچ جائے گا۔ اور اس کے برعکس بدکار کو اگرچہ سزا برائی کے برابر ملے گی۔ لیکن

اس چہرہ سیاہ اور بدنام ہوگا۔ جیسے کرات کا ٹکڑا۔ اور اسی ظاہری جیلے سے تمام اہل محشر جان لیں گے کہ کون بقی ہے۔ اور

کون جہنمی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ﴿۲۷﴾ جب تمام اہل محشر اکٹھے ہوں گے تو مشرکین کو اپنے شرکاء کے ہمراہ ایک جگہ کھڑا کیا جائے گا۔ اور

وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ

اور تم میں کہ تحقیق ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے وہاں جانے گا ہر

نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمْ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

نفس جو اس نے بھیجا اور پٹپٹائے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا مولائے تھے اور باطل ہوگا ان سے جو وہ

يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ

افترا کرتے تھے کہہ دو کون تم کو رزق دیتا ہے آسمان و زمین سے یا کون مالک ہے کان

وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے

پھر ان کو الگ الگ کر کے سوال کیا جائے گا تو وہ وہی وقت ہوگا جب پیر و مرید ایک دوسرے سے تبرا کریں گے عبادت کرنے والے اور ان کے وہ میت جن کی وہ عبادت کرتے تھے ایک دوسرے سے بیزار نظر آئیں گے اور جب ران بتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہاری پرستش کی گئی تھی تو وہ ان کو شرمسار اور لاجواب کرنے کے لئے کہیں گے کہ ہم نے تم کو اپنی عبادت کے لئے کب کہا تھا۔ تم نے تو اپنی اعراض کی خاطر اور اپنی خواہش نفس کی اطاعت کے لئے ہماری پرستش کی تھی پس وہ ہماری نہیں بلکہ درحقیقت تم نے ازراہ سرکشی اپنے نفسوں کی اطاعت کی تھی اور بت وغیرہ اس وقت بقدرت خدا بول کر جواب دیں گے اور ان کو شرمسار کریں گے اور پھر آخر میں فیصلہ کے طور پر کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا شاہد ہے کہ ہمیں تمہاری عبادت کا کبھی نہیں تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ جواب زبان حال سے ہو کہ جب ان کے پاس نہ قوت سامعہ تھی نہ باصرہ بلکہ وہ بے حس و حرکت پتھر یا درخت یا کچھ اور تھے تو بھرے میدان میں ان کی حالت کدائیہ خود بخود زبان حال ہوگی۔ اور جب دیکھیں گے کہ خدا کی عبادت کرنے والے اور توحید سے تمک رکھنے والے نعیم جنت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو ان کی حسرت میں ادا اضافہ ہوگا کہ کاش ان بے حس و حرکت پتھروں یا قبروں کی بجائے خدائے واحد کی عبادت کی ہوتی۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اس وقت ہر شخص کو پتہ چلے گا کہ میں آخرت کے لئے کیا کچھ بھیج چکا تھا اور کیا کچھ بھیجنا چاہتے تھا وہاں دنیا کی افترا پر دازیاں اور حید سازیاں کام نہ آئیں گی۔

اس سے قبل وجود خدا پر دلائل قائم ہوئے اور پھر دعوت عبادت دی گئی۔ اس رکوٰۃ میں شرک سے روکنے کے لئے توحید کو ثابت کیا گیا ہے اور سب سوالیہ فقرے

رکوٰۃ نمبر ۹ توحید کا بیان

اس واسطے استعمال کئے ہیں تاکہ مطلب عام فہم ہو۔ اور اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے۔

وَمَنْ يَدْبِرِ الْأُمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ فَذَلِكُمُ اللَّهُ

اور کون تدبیر کرتا ہے امر کی تو کہتے ہیں کہ اللہ پس کہ دوپہر کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو؟ پس یہی اللہ تمہارا

رَبُّكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالَةُ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ﴿۳۲﴾ كَذَلِكَ

سچا پروردگار پس نہیں بعد حق کے گم گراہی پھر کہاں جاتے ہو؟ اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾

سچی ہے بات تیرے رب کی ان لوگوں کے متعلق جو فاسق ہیں تحقیق وہ ایمان نہیں لاتے

۱۱) تمہیں آسمان سے مینہ برسا کر اور زمین سے پیداوار اگا کر رزق کون دیتا ہے؟

۱۲) کان اور آنکھیں تمہیں کس نے دی ہیں اور ان کا مالک کون ہے؟ یہ سوال اگرچہ معمولی سا ہوتا ہے لیکن درحقیقت

بہت بڑا سوال ہے۔ اور اس میں غور و فکر کے لئے بڑی راہیں کھلتی ہیں۔ اول تو تمام اعضائے بدن میں سے صرف کان اور

آنکھوں کو مخصوص فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی اور کمال بشری کا دار و مدار انہی دونوں پر ہے کہ آنکھوں سے دیکھ کر

اور کانوں سے سُن کر ہی انسان کسی میدان میں قدم رکھ سکتا ہے۔ گویا کسبِ علوم بلکہ تحصیلِ جلد مطالب کا ذریعہ یہی دونوں ہیں۔

جب کوئی بات کرنے والا بات کرتا ہے تو حکمتِ خداوندی اور تدبیرِ ایزدی یہ ہے کہ آواز کی رسائی کی حدود تک کی جملہ ہوا ان

الفاظ کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ پس وہاں جس قدر بھی کان ہوں وہ الفاظ اپنے صحیح اندازے سے ان میں سپرد کردہ قوتِ سمع

میں نقش ہو جائیں گے۔ پھر قوتِ سامعہ اس کو جس مشترک تک پہنچا کر اپنا فریضہ ادا کرے گی۔ پس ہوا اس پر سخر ہے کہ ہر زبان میں

ہونے والی بات کے سانچے میں فوراً ڈھلتی جائے تاکہ قوتِ سامعہ اسے بعینہ جذب کرتی چلی جائے۔ اسی کے متعلق پوچھنا

ہے کہ وہ کون ہے جس نے ہوا میں یہ تدبیر اور نظامِ محکم پیدا کیا۔ اور قوتِ سامعہ کو آوازوں کی شناخت اور ان کو اپنے اصلی رنگ و

وضع میں حاصل کرنے اور جس مشترک تک بھیجنے کی صلاحیت بخشی؟ اور اسی طرح آنکھوں کو تمام دیکھنے کے قابل اشیاء کا عکس

لینے کے قابل کس نے بنایا کہ اس کے رنگ و حجم و مقدار اور باقی ظاہری صفات کو جذب کر کے جس مشترک تک پہنچائے؟ سمع کو واحد

اور البصار کو جمع کے صیغوں میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ سماعت کا ادراک صرف ایک چیز سے تعلق رکھتا ہے یعنی آوازیں۔

لیکن بصر کا ادراک مختلف رنگوں، شکلوں، جسموں، جموں اور مقداروں سے ہوا کرتا ہے۔ نیز سمع مصدر ہے اور اس قوت کو

باسم مصدر ہی موسوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں کسی خاص جانب کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ جہات ستہ میں جہاں سے آواز

آئے کان اُسے بلا کلفت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن بصر کا اس کے آنکھ صرف ایک سمت یعنی سامنے کی چیز کا ہی ادراک کر

سکتی ہے۔ اور بس۔ پس انہی مناسبات سے کان کے لئے سمع کا واحد صیغہ کافی ہے۔ اگرچہ مراد کثرت ہو۔ کیونکہ مصدر کا

الطلاق واحد کثیر پر کیا ہوا کرتا ہے۔ اور بصر میں چونکہ یہ بات نہیں ہے لہذا اس کی تعمیم و استغراق کے لئے جمع کا صیغہ

لانا پڑتا ہے۔

(۳) مردہ سے زندہ جیسے لطفہ سے حیوان، زمین میں بیج ڈالنے سے سبز پائ اور زندہ سے مردہ جیسے ذی روح حیوان کہ روح کے جانے کے بعد وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دانا اور لائق سے نالائق اور نالائق سے لائق یا نیک سے بد اور بد سے نیک و علیٰ ہذا القیاس یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟

(۴) تدبیر امر کون کرتا ہے؟ یعنی ارضی دستور، دریا، پہاڑ، زمینوں، وادیوں اور اجار و اشجار اور حیوان و نبات میں باہمی انس یا نفرت یا میل ملاپ اور انسانوں میں کلی نظام تمدن اور کٹھ جوڑ اور آسمانی نظام میں افلاک کی حرکت۔ سورج کی ضیا پاشی پانڈ کی تابانی اور سیارگان کی دستوری گردش۔ حلق۔ تریح رسوف اور خسوف کے حالات اور ہر ایک کی محوری حرکات اور پھر آسمان و زمین کے درمیان فضائی حالات ہوا کی تیزی تندگی گرمی و سردی موسموں کی تبدیلی خزاں و بہار کے جداگانہ اثرات، بادلوں کی صفت آرائی، بارشوں کا سماں اور لاتعداد جزوی کرشمہ ہائے قدرت جو منظر عام پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اور پھر کبھی کسی کا اپنی سپرد کردہ ڈیوٹی میں سرمو فرق نہ کرنا۔ اور ہر ایک کا ایک خاص نظام کے ماتحت مطیع و منخر ہونا اور ایسی پُر از حکمت صورت میں ہونا کہ کسی ذمی ہوش کے لئے جائے دم و دن باقی نہ رہے۔ یہ سب کچھ کس کی حن تدبیر کا نتیجہ ہے؟ تو بلا تامل کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے۔ پس فوراً ارشاد فرماتا ہے کہ جب تمہیں یہ اعتراف ہے اور تمہاری ضمیر یہ بات تسلیم کرتی ہے تو پھر نافرمانی کرنے میں اُس سے ڈرتے کیوں نہیں؟ پس جو ذات یہ سب کچھ کرتی ہے وہی تمہارا سچا پروردگار ہے اور اس اعتقاد کے علاوہ دوسرا اعتقاد رکھنا صاف گمراہی ہے۔ اور جس طرح یہ اعتقاد حق اور صحیح ہے۔ اسی طرح ان دلائل کو ٹھکرا کر اس کی حدود اطاعت سے خارج ہونے والوں کے لئے خدا کا کلمہ عذاب بھی حق اور صحیح ہے۔

توضیح جس شخص کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہے وہ اپنے خالقِ علیم و حکیم کا انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ بعض سر بھڑے لوگ صرف اپنی خواہشاتِ نفسیہ سے مغلوب ہو کر اس عقل کے بدیہی فیصلہ سے باطنی ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ عالم خود بخود پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ صرف دین سے بغاوت کی خاطر ہی انہوں نے اقدام کیا ہے۔ کیونکہ دین کسی کو شرافت و تہذیب کے دائرہ سے نکل کر آوارہ زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو دنیا کے بندوں نے جب اپنے جذبات کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب دین کو دیکھا اور سمجھا کہ عیش کوشی، شہوت رانی اور نفس پرستی کے آزادانہ مشغلہ کے رستہ میں صرف دین کا تصور ہی سنگ گراں ہے تو وہ اس تصور کے دشمن بن گئے اور چونکہ اس کی بنیاد وجود خدا کے ثبوت پر تھی تو انہوں نے اس کے انکار کے لئے بہانے تلاش کرنے شروع کئے۔ کسی وقت مادہ کو قدیم کہا اور کسی وقت طبیعت کو خالق قرار دیا اور کبھی اتفاق کی پیداوار تمام کائنات کو ظاہر کیا۔ بہر کیفیت دشمنانِ خدا عقل سلیم کو قید نہیں کر سکتے اور نظامِ عالم کا اس پُر از حکمت صورت میں ظہور پذیر ہونا اور باقی و برقرار دنیا اپنے صالح حکیم کے وجود بلکہ اس کی توحید کی بولتی ہوتی زبان ہے جس سے ہر سلیم العقل اور صحیح الفطرت انسان بہرہ ور ہو کر اس کی کیتائی و بے ہمتائی کا قائل ہوتا ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ

کہہ دو کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو ایجاد کرے مخلوق کی پھر پلٹا بھی سکے کہہ دو کہ وہ اللہ ہی ہے جو ایجاد

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنْتَى تُؤَفِّكُونَ ﴿۲۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ

کرتا ہے مخلوق کی پھر پلٹاتا بھی ہے پس تم کہہ جاتے ہو کہہ دو کیا ہے تمہارے شرکاء میں سے جو ہدایت کرے حق

إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَبْدَأُ إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ

کی طرف تو کہہ دو کہ اللہ ہی ہدایت کرتا ہے حق کی توجہ ہدایت حق کی کرے زیادہ سزاوار ہے کہ اس کی پیروی کی

يَتَّبِعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدِيَ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۲۵﴾

جائے یا وہ جو نہیں ہدایت کرتا بلکہ ہدایت کیا جاتا ہے تم کو کیا ہو گیا ہے کیسی باتیں کرتے ہو؟

وجود باری تسلیم کرنے کے بعد مشرکین میں متعدد خیالات پائے جاتے تھے اور اب بھی ہیں۔ کسی نے خیر و شر کے لئے نور و ظلمت کو الگ الگ خالق مانا۔ کسی نے عبادت میں اس کا شریک قرار دے دیا۔ پھر کسی نے فرشتوں کو کسی نے انہوں کو کسی نے پیر و مرشد کو کسی نے چاند سورج اور ستاروں کو معبود بنا دیا۔ کسی نے درخت پانی یا پتھر کے بت تراش کر ان کے سامنے سجد کیا۔ کسی نے کچھ کیا اور کسی نے کچھ نہ کیا۔ بہر کیف ہر ایک نے من مانے جتن کئے۔ خداوند کریم آیت متذکرہ بالا میں ان مختلف اشیاء کی عبادت کرنے والوں سے بلا اشتہار سوال فرماتا ہے کہ رزق کون دیتا ہے؟ آنکھ اور کان یعنی جملہ اعضائے بدن کا خالق کون ہے؟ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو کون پیدا کرتا ہے؟ اور تمام کائنات میں تدبیر کون کرتا ہے؟ اور یہی چار سوالات ایسے ہیں جن کے اندر باقی اس قسم کے فروعی عقائد سب آجاتے ہیں۔ پس اگر ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ ہے تو بس وہی لائق عبادت ہے۔

مشرکین سے جب سوال کیا جاتا تھا کہ اللہ کو تسلیم کر کے پھر ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو تو وہ کہتے تھے کہ یہ قرب خدا کا وسیلہ ہیں تو آیت نمبر ۱۸ میں اس عقیدہ کی تردید گندجی ہے لہذا شیعوں پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ محمد و آل محمد کو خالق و رازق یا مدبر الامور مانتے ہیں۔ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ شیعہ اور شیعہ کے آئمہ ایسے عقیدہ والوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں جیسا کہ شیعہ کی کتب عقائد میں یہ مسئلہ مبرہن موجود ہے۔

قُلْ هَلْ - اسی سابق دلیل توجید کا تمہارے فرماتا ہے جن کو تم لوگ میرا شریک بناتے ہو۔ ان میں سے کوئی ہے جو مخلوق کو پیدا کرے اور پھر ان کی موت کے بعد دوبارہ ان کو جلا سکے۔ اس کے بعد جواب میں خود فرماتا ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں ہے سوائے اللہ کے وہ ہی مازنا ہے اور مارنے کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے۔ لہذا بعض مقامات پر انبیاء کا بطور اعجاز کے

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ

اور نہیں پیروی کرتے ان کے اکثر گمراہوں کی حالانکہ تحقیق گمان میں کفایت کرتا حق سے کچھ تحقیق اللہ

عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ

جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ افترا باندھا گیا ہو اللہ پر غیر کی

دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ

جانب سے بلکہ اس میں تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے تھیں اور تفصیلی بیان ہے اس میں شک نہیں کہ

یا آئمہ طاہرین کا معجزہ کے طور پر مردہ کو زندہ کرنا اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ درحقیقت معجزہ خدا کا فعل ہوا کرتا ہے۔ آئمہ

طاہرین یا انبیاء معصومین صرف دعا کرتے ہیں۔ اور خدا قبول فرما کر مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ لہذا اس صودت میں شرک

نہیں لازم آتا۔ پھر سب پرست طبقہ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارے شرک کا یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو کیا وہ تمہیں

حق کی طرف بلاتے ہیں تو ان کا جواب نہیں ہو گا کہ وہ سب بے حس و حرکت کسی کو کیسے ہدایت کر سکتے ہیں۔ پس فرماتا ہے

پھر ان کے سامنے بھگنے میں کوئی عقلمندی ہے بلکہ اطاعت اور پیروی کا سزاوار وہ ہے جو حق کا راستہ بتائے نہ وہ جس کو راستہ

بتایا جائے۔

وَمَا يَتَّبِعُ۔ جب دلیل و برہان سے ثابت ہو گیا کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اور مشرکین کے پاس اپنے باطل مذہب کی

کوئی علمی وجہ تو تھی نہیں کہ وہ بیان کرتے تو خدا اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ اس کا علمی جواب نہیں دے سکتے۔ بس ظن و گمان ہی

کی باتیں کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد ایسا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس قسم کی باتوں میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کا

کوئی فائدہ ہے۔ اور یہ کہ ان کے اکثرین ظن و گمان کے پیچھے جاتے ہیں۔ گویا ان میں بعض سبک کو سمجھنے والے بھی تھے لیکن وہ صرف

عناد اور تکبر کی وجہ سے راہ حق پر آنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

وَمَا كَانَ۔ مشرکوں نے اعتراض کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ ان کا اپنا بنایا جو ہے اور انہوں نے اس کے مضامین کے نسخ

کی یا تبدیلی کی خواہش ظاہر کی تھی تو خدا ان کے مزعوم کی تردید فرماتا ہے کہ یہ ایسا کلام ہے کہ افترا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ یہ تو کتب

سابقہ کی تصدیق ہے یا یہ کہ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد آئندہ واقعات ہوں کہ قیامت کے حالات کی تصدیق ہے۔

تَفْصِيلَ الْكِتَابِ۔ یعنی مسائل ضروریہ حلال و حرام کی تفصیل ہے۔ یا یہ کہ عقائد حقہ کی مفصل دلیلیں اس میں موجود ہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ۔ فرماتا ہے اگر خواہ مخواہ اصرار کریں کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو ان کو کہو پھر تم کم از کم اس جیسا ایک سورہ تو بتا کر

پیش کر دو پس تمہارا اس کے مقابلہ سے عاجز ہونا اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے اور تمہا نہیں بلکہ تمام دنیا کے فصحاء و

بلغاء کی مدد حاصل کرنے کی بھی تمہیں اجازت ہے۔

مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۷﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بَسُودَةً مِّثْلَهُ

جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے افترا کیا ہے تو کہہ دو لاؤ تو اس جیسا ایک سورہ

وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾ بَلْ

اور بلاؤ جنہیں بلا سکتے ہو سوائے اللہ کے اگر سچے ہو بلکہ

كَذَّبُوا بِمَا لَهُمْ كَيْطُوا بِعِلْمِهِ وَلَكِنَّا يَا تِهِمْ تَأْوِيلَهُ كَذَلِكَ كَذَبَ

انہوں نے جھٹلایا اس کو جس کے علم کا احاطہ نہ کر سکے اور نہ آئی ان کے پاس اس کی تاویل ایسا ہی جھٹلایا انہوں نے

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ

جو پہلے تھے پس دیکھو کیا انجام ہے ظالموں کا بعض ان میں

مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۴۰﴾

سے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض ایمان نہیں رکھتے اس پر اور تیرا رب جانتا ہے فسادوں کو

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلِكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا

اور اگر تجھے جھٹلائیں تو کہہ دو کہ میرے لئے اپنا عمل اور تمہارے لئے اپنا عمل ہے تم اس سے بیزار ہو جو میں

أَعْمَلُ وَأَنْتُمْ بَرِيءُونَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّيْسَتْ لَهُمْ أَلْفَانَتْ

کرتا ہوں اور میں اس سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو اور بعض ان میں سے کان دھرتے ہیں تیری طرف کیا تو

بَلْ كَذَّبُوا - فرماتا ہے ان کی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطالب کا وہ صحیح احاطہ علمی نہیں رکھتے اور بفرمان علی

انسان جس کا جاہل ہو اس کا دشمن ہوتا ہے الناس اعداء ما جہلو۔ اس لئے معصوم سے وارد ہے کہ جس کا تمہیں علم

نہ ہو اس کی تمہید نہ کرو اور جو بات تم نہ جانتے ہو وہ بیان نہ کرو جیسا کہ مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے

وَإِنْ كَذَّبُوكَ - جب دلائل توجید اور دعوت عبادت اور بت پرستی سے ممانعت کا بیان

سَرَّوَعُ نَمْبِرَا پورا ہوا تو چونکہ جھٹلانے والوں کی زبان تو بند نہیں ہوتی تھی۔ پس خدا ارشاد فرماتا ہے کہ ایسے

بیوقوفہ لوگوں سے دماغ سوزی کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس ان کو کہہ دیجئے کہ تم اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہو۔ اور میں

اس سے بری ہوں جو کچھ تم کرتے ہو۔

وَمِنْهُمْ - یعنی ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بنظر فائر آپ کی طرف توجہ سے دیکھتے ہیں لیکن طلب ہدایت کے لئے

تَسْمِعُ الصَّمَّ وَلَوْ كَانُوا أَلْأَعْقِلُونَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ

سنائے گا برے کو؟ اگر وہ عقل نہ رکھتے ہوں؟ اور بعض ان میں سے دیکھتے ہیں تیری طرف تو تو کیسا

تَهْدِي الْعَمَىٰ وَلَوْ كَانُوا أَلْأَبْصِرُونَ ﴿۴۳﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا

ہدایت کرے گا اندھوں کو اگر وہ نہ دیکھ سکتے ہوں؟ تحقیق اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ

وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَانُوا لَمْ يَلْبَثُوا

لیکن لوگ خود اپنے اور پر ظلم کرتے ہیں اور جس دن ہم ان کو اکٹھا کریں گے ایسا لگے گا کہ نہیں رہے

الْأَسَاعَةَ مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ

دنیا میں، مگر ایک گھڑی دن کی پہچانیں گے آپس کو تحقیق نقصان پایا جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۴۵﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتُوفِينَاكَ

اور نہیں تھے ہدایت پانے والے یا تو ہم تم کو دکھائیں گے بعض وہ جو ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دیدیں گے

نہیں بلکہ ازراہ سرکشی تو چونکہ وہ عبرت و نصیحت کے لئے نہیں دیکھتے تھے لہذا باوجود دیکھنے کے ان کو اندھا کہا ہے اور فرمایا ان عقل کے اندھوں کو تم کیا نصیحت کرو گے؟

إِنَّ اللَّهَ - یعنی جب تک لوگوں پر تمام حجت نہ ہو جائے خدا عذاب نہیں کرتا تو حجت پوری ہو جانے کے بعد اگر کوئی ازراہ عناد و تکبر راہ حق کو قبول نہ کرے تو گویا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور خودی جنم کی جھٹی میں کود گیا۔ لہذا خدا نے اس پر ظلم نہیں کیا۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ - یہ طرف یا تو يتعارفون سے متعلق ہے اور یا کان لَمْ يَلْبَثُوا کے معنی سے متعلق ہے۔ یعنی ان لوگوں کے احوال متشابہ ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے احوال سے جو دنیا میں صرف ایک گھنٹہ رہے ہوں۔ آئی تشابہ احوالہم

يَوْمَ يُحْشَرُهُمْ - گویا بروز حشر ایسا لگے گا کہ ہمیں دنیا میں صرف ایک گھنٹہ ہی رہنا نصیب ہوا تھا اور يتعارفون کا معنی یہ ہے کہ بروز حشر لوگ ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہوں گے۔

وَإِمَّا - یعنی کفار و منافقین کے متعلق جو عذاب کا وعدہ ہم کر چکے ہیں یا تو تمہاری حین حیات میں ہوگا اور یا یہ کہ آپ وفات پا جائیں گے اور وہ بعد میں ہوگا۔ بہر کیف وہ عذاب سے نجات نہیں پاسکتے۔ آخر ان کی ہماری جانب ہی تو بازگشت ہے

اور ہمیں یہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ - یعنی ہر امت کے لئے اقامت حجت اور دعوت حق کے لئے رسول آیا کرتا ہے پس خدا کسی امت کو

فَالْيَوْمَ نَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدًا عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ

تو ہماری طرف ان کا رجوع ہو گا پھر اللہ گواہ ہے وہ جو عمل کرتے ہیں اور ہر گروہ کے لئے رسول

فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قَضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣٧﴾ وَ

آتا ہے پس جب آئے رسول ان کے پاس (اور اتمامِ حجت ہو جائے) تو فیصلہ ہوتا ہے ان کے درمیان عدل کا اور وہ نہیں ظلم کئے جاتے

يَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ

اور کہتے ہیں کب ہو گا وعدہ اگر تم سچے ہو کہہ دو میں نہیں مالک اپنے نفس کا

لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ وَإِذَا جَاءَ

ضرر اور نفع میں مگر وہ جو چاہے خدا ہر امت کے لئے ایک مدت ہے جب ان کی مدت

أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٩﴾ قُلْ أَمْرٌ عِندَ

آجائے تو نہ مؤخر ہو سکتے ہیں ایک گھنٹہ اور نہ مقدم ہو سکتے ہیں کہہ دو کہ کیا تمہیں خبر ہے

بغیر دعوتِ حق کے نہیں چھوڑتا۔ اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں حجتِ خدا کا وجود ضروری ہے اور مذہبِ شیعہ کا یہی عقیدہ ہے۔ اور اتمامِ حجت کے بغیر کسی سے باز پرس یا عذابِ خلافِ عدل ہے۔

فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قَضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

دعوت کو ٹھکرا دیں تو وہ مستحقِ عذاب ہوں گے۔ ورنہ اتمامِ حجت کے بغیر ان کو گرفت کرنا ظلم ہے اور خدا ظلم نہیں کرتا۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾

یعنی وہ لوگ (کفار) عذاب کے وقت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب ہو گا تو ان کے جواب میں کہہ دو کہ میں تو اپنے نفس کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر اتنا کہ خدا چاہے اور یہ کہ ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو ایک لمحہ نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ لہذا میرے پاس تمہارے عذاب یا موت کی تاریخ معین موجود نہیں ہے۔ اور جناب رسالتِ مآب سے خدا کا کہنا کہ میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں جب تک کہ تمہیں تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ وہ بھی خدا کو ہی اپنے نفع و نقصان کا مالک جانیں۔ اور نفع حاصل کرنے یا تکلیف کے دور کرنے کی دعا محمد و آل محمد کے وسیلہ سے خدا سے ہی مانگیں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ کسی کو تکلیف اللہ کی جانب سے پہنچتی ہے اور تکلیف کو دور کرنے اور نفع پہنچانے پر بھی وہی قادر ہے۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ وَإِذَا جَاءَ

ضرر اور نفع میں مگر وہ جو چاہے خدا ہر امت کے لئے ایک مدت ہے جب ان کی مدت آجاتی ہے تو نہ مؤخر ہو سکتے ہیں ایک گھنٹہ اور نہ مقدم ہو سکتے ہیں کہہ دو کہ کیا تمہیں خبر ہے

قُلْ أَمْرٌ عِندَ اللَّهِ يَوْمَ تُحْشَرُونَ ﴿٤٠﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

قُلْ۔ یعنی ان سے کہہ دو کہ عذاب تو اپنے وقت پر ہی آئے گا۔ خواہ دن ہو گا یا رات۔ لیکن تم کیسے عذاب کی جلدی

إِنْ آتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّا ذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾

اگر آئے تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو تو کونسے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں مجرم لوگ ؟

أَتُمْ إِذَا مَا وَقَعَ امْتَمَّ بِهِ طَالْتُنَّ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾

کیا جب واقعہ ہوگا تو ایمان لائیں گے اس پر اب ؟ (ایمان لاتے ہو) حالانکہ تم اس کی جلدی چاہتے تھے

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا

پھر کہا جائے گا ظالموں کو کہ چکھو دائمی عذاب تمہیں نہیں جوا دی جاتی مگر وہ جو

كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَبْشِرُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قُلُوبًا أَمْ رَبِّي إِنَّهُ

کھاتے تھے اور تجھ سے خبر چاہتے ہیں کہ کیا سچ ہے وہ ؟ کہہ دو ہاں خدا کی قسم تحقیق وہ

لَحَقُّ ط وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي

سچ ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے اور اگر ہر وہ نفس جو ظالم ہے زمین کی تمام چیزوں کا مالک

الْأَرْضِ لَأَفْتَدَتْ بِهِ ط وَأَسْرًا وَالنَّدَامَةَ لَمَّارًا أَوَّلِ الْعَذَابِ هَلْ وَ

ہو تو اس (عذاب) کے فدیہ میں دیدے اور پھپھائیں گے ندامت کو جب دیکھیں گے عذاب اور

قَضَىٰ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي

فیصلہ ہوگا ان میں عدل کا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا تحقیق اللہ کے لئے ہے جو کچھ

چاہتے ہو کیونکہ عذاب تو ایسی سزا نہیں کہ اس کی خواہش کی جائے رہاں جب وہ واقعہ ہوگا تو تمہیں مجبوراً ماننا پڑے گا۔ اور

خدا کی طرف جھکنا پڑے گا۔ لیکن اس وقت کا ایمان اور جھکنا کس کام کا ؟

أَحَقُّ هِيَ - تفسیر جامع میں بروایت صادقین علیہما السلام منقول ہے کہ اہل مکہ نے پوچھا تھا کہ علی کی امامت حق ہے تو

اس کا جواب ہے اور حدیث مشہور و معروف بلکہ متواتر علی مع الحق والحق مع علی بھی اسی سے مرافقت رکھتی ہے۔

وَلَوْ أَنَّ - یعنی قیامت کی ہولناکی اور عذاب خدا

رکوع نمبر ۱۱ - قرآن روحانی و جسمانی امراض کا علاج ہے

کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ ظالم لوگ اگر پوری زمین اور

اس کے اندر کی تمام موجودات کی ملکیت رکھتے تو اپنے پیش آنے والے عذاب کا فدیہ دینے میں تامل نہ کرتے۔

أَسْرًا وَالنَّدَامَةَ وہ پیر لوگ اور لیڈر وقتاً طبعاً جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا تھا بروز محشر جب عذاب خداوندی کا معائنہ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط الْإِنِّ وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

آسمانوں اور زمین میں ہے تحقیق اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں

يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ هُوَ حَيٌّ وَيَمُوتُ وَالْيَهُ تَرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

جانتے وہی جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پلٹو گے اے لوگو

قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۗ وَ

تحقیق آئی تمہارے پاس نصیحت اپنے رب سے اور شفا اس کی جو سینوں میں ہے اور

هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ

ہدایت اور رحمت مومنوں کے لئے کہہ دو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پس اس کے ساتھ

کریں گے تو شرمسار ہوں گے۔ اور اپنے مریوں اور مقتدیوں سے اس شرمساری کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن وہاں کیسے چھپ سکیں گے بلکہ وہاں تو صرف رسوائی ہی رسوائی ہوگی۔

یَا أَيُّهَا النَّاسُ - آیت مجیدہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید روحانی اور جسمانی دونوں بیماریوں کا علاج ہے لہذا تمام نوع انسان کو اس آیت میں دعوت عام دی گئی ہے کہ اگر تم روحانی امراض کی شفا چاہتے ہو تو قرآن مجید تمہارے پروردگار کی طرف سے موعظہ حسنہ اور نصیحت کی کتاب ہے اس پر عمل پیرا ہو کہ ہر قسم کی شفا یابی حاصل کر سکتے ہو۔ اور اگر تم جسمانی طور پر درد و الم کی شکایت رکھتے ہو تو قرآن سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ اس کی آیات یا اس کے اجزا کی تلاوت بدنی تکالیف کو بھی رفع کر سکتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر جامع میں بروایت عبید بن عمیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت پیغمبر اکرم سے اپنے درد سینہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا اس کا علاج قرآن سے کر لو اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔ گویا سینہ کے درد کے دفع کرنے کے لئے یہ آیت پڑھی جائے تو درد رفع ہو جائے گا۔ تو چونکہ قرآن کو روحانی اور جسمانی امراض کا علاج قرار دیا ہے اس لئے اس کو حدی و رحمت سے تعبیر فرمایا کہ روحانی امراض کے علاج کے لحاظ سے یہ حدی (ہدایت ہے) اور جسمانی امراض کے علاج کے لئے رحمت ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ - اس کی تاویل میں متعدد اقوال ہیں مثلاً فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد جناب رسالت یا فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد اسلام یا اس کا اُلٹ اور ایک روایت میں حضور نے فرمایا کہ جس کو خدا اسلام عنایت کرے اور قرآن کا علم بھی دے پھر وہ فقر و فاقہ کی شکایت کرے تو روز محشر تک اس کی پیشانی پر خدا فقر و فاقہ لکھ دے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی حضرت امام محمد باقر سے اس آیت کی تاویل یہ منقول ہے کہ فضل سے مراد جناب

فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

خوش رہو یہ اچھا ہے اس سے جو جمع کرتے ہو کہہ دو کیا تم نے دیکھا ہے کہ جو اتارا اللہ نے

لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ أَدْنَىٰ لَكُمْ

تمہارے لئے رزق میں بنا لیا تم نے اس سے کچھ حرام اور کچھ حلال کہہ دو کیا اللہ نے اجازت دی تمہیں

أَمْ عَلَىٰ اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَىٰ اللَّهِ الْكُذِبَ

یا خود اللہ پر بہتان باندھتے ہو اور کیا خیال ہے ان کا جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

قیامت کے دن ؟ تحقیق اللہ تو صاحب فضل ہے لوگوں پر لیکن ان کے اکثر

يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا

نہیں کرتے تم کہیں کسی حالت میں ہو اور کچھ بھی قرآن پڑھو

رسول خدا ہیں اور رحمت سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب ہیں (مجمع البیان)

فِي ذَٰلِكَ نَسُخِ قُرْآنَكَ كَمَا نَسَخْنَا مِمَّا نَزَّلْنَا مِنْ قَبْلِكَ لَكُنَّا عَالِمِينَ ﴿٦١﴾

نہ کہ مال و دولت کو اور یہ چیزیں تمہارے جمع کردہ مال سے بہتر ہیں اور بروایت تفسیر جامع کافی میں ہے حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے آل محمد کی ولادت تباہی جمع کردہ مال سے خوب تر ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر نے فرمایا کہ رسالت کی نبوت کا اقرار اور علی و اولاد علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار دنیاوی مال خزانوں سے بہتر ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ أَدْنَىٰ لَكُمْ

یہ اہل کتاب یہود کے لئے سہ زلزلہ ہے جنہوں نے حیوانوں میں اپنی خواہشات کی بنا پر کچھ حلال اور کچھ حرام بنا رکھے تھے کہ کوئی مردوں پر حلال اور عورتوں پر حرام اور کسی کا بعض حصہ حلال اور بعض حصہ حرام وغیرہ۔ اور یہ سب کچھ اپنی خواہش نفس سے تھا۔ انہی کے متعلق فرماتا ہے کہ حلال و حرام کی اس تقسیم کی تمہیں کس نے اجازت دی۔ کیا خدا کا کوئی حکم اس نوعیت کا تمہارے پاس پہنچا ہے؟ اور اگر نہیں تو پھر اس قسم کے بہتان کیوں باندھتے ہو۔ اور اس کی تفصیل تفسیر کی پانچویں جلد سورہ مائدہ کی تفسیر میں مذکور ہو چکی ہے۔

قُلْ مَا تَكُونُونَ ﴿٦٢﴾ - آیت مجیدہ میں خداوند کریم اپنے علم کلی کی وضاحت فرماتا ہے تاکہ مومنین جس مقام پر ہوں اور جس حالت میں ہوں وہ یہ سمجھیں کہ خدا ہمارے ساتھ ہے بس کسی وقت خدا کے بھر و سہ سے باہر نہ جائیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب رسالت

تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ط وَمَا يَعْزِبُ

اور جو بھی عمل کرو ہمیں اس کی پوری خبر ہے جب تم اس میں گتے ہو اور نہیں غائب

عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ

تیرے رب سے کوئی چھوٹی کی مقدار نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں اس سے کوئی چھوٹی چیز

ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾ إِلَّا أَنْ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ

اور نہ بڑی مگر یہ کہ وہ لوح محفوظ میں موجود ہے تحقیق اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمْ

اور نہ وہ محزون ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے

الْبَشَرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْأُخْرَىٰ ط لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ط

خوشخبری ہے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں بھی نہیں تبدیلی اللہ کے وعدہ میں

اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرماتے تھے تو بہت گریہ کرتے تھے۔

أَوْلِيَاءَ اللَّهِ - مجمع البیان علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ وہ ہیں جو فرائض خداوندی کو ادا کریں۔ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہوں۔ خدا کی حرام کردہ اشیاء سے بچیں۔ دنیا میں زہد کریں اور آخرت میں رغبت کریں۔ اپنے گزارا کے لئے حلال رزق کمائیں نہ کہ فخر و تکبر کی خاطر اور پھر اس سے حقوق واجبہ ادا کریں۔ پس ان لوگوں کے کسب میں خدا برکت دے گا اور آخرت میں اس کی ان کو جزائے خیر دے گا۔

خداوند کریم نے اولیاء اللہ کی جامع تعریف یہ کی ہے کہ جو ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں۔

لَهُمُ الْبَشَرَىٰ - تفسیر مجمع البیان اور جامع میں عقبہ بن خالد سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے عقبہ بروز قیامت خداوند کریم بندوں سے کوئی دین قبول نہیں کرے گا سوائے اس دین کے جو تمہارا شیعوں کا ہے اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک میں صرف یہی دیر ہے کہ جب روح کے نکلنے کا وقت ہوگا تو سر ہانے حضرت پیغمبر اور حضرت علیؑ ہنچیں گے۔ حضرت رسول اکرمؐ فرمائیں گے کہ میں تیرا رسول ہوں اور دنیا میں تیرے پیچھے چھوڑے ہوئے ترکہ سے میں بہتر ہوں پھر حضرت علیؑ فرمائیں گے۔ میں علی بن ابی طالب ہوں جس کی تو دلا و محبت رکھتا تھا۔ آج تجھے میری دوستی فائدہ دیگی پس اپنے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ عقبہ کے پوچھنے پر آپ نے یہی آیت تلاوت کرنا فرمایا کہ اولیاء اللہ کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی جائے گی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مومن جب قبر میں جائے گا تو اس کی قبر

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ وَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمَا إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ

یہ ہی بڑی کامیابی ہے اور تجھے نہ غمزدہ کریں ان کی باتیں کیونکہ عزت اللہ کے پاس ہے

جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٤﴾ اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ

سب وہ سنے جاننے والا ہے تحقیق اللہ کے لئے ہے جو بھی آسماں اور زمین

فِي الْاَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاءُ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ

میں ہے اور وہ جو اتباع کرتے ہیں ان کی جنہیں پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ نہیں اتباع کرتے

اَلَا الظَّنُّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَحْزُؤْنَ ﴿٦٥﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ

لگ گمان کی اور وہ صرف ٹھینا ہی ایسا کرتے ہیں وہ وہ ہے جس نے بنایا رات کو کہ تم اس میں

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُوْنَ ﴿٦٦﴾

آرام کرو اور دن کو دیکھنے کے لئے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں

سے ایک دروازہ جنت کی طرف کھل جائے گا۔ (مجمع البیان)

وَفِي الْاٰخِرَةِ - تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ قبروں سے نکلتے ہی فرشتے ان کو جنت کی بشارت
دیں گے اور قیامت کے میدان میں بھی ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ یعنی وقتاً فوقتاً جنت میں داخل ہونے تک ان کو بشارتیں
اور مبارکبادیوں کے پیغامات ملتے رہیں گے۔

وَلَا يَحْزُنُكَ - کفار و مشرک خواہ منواہ اپنی بد باطنی اور حسد و بغض کے اظہار کے لئے حضور کے متعلق زبان طعن کھولتے
تھے کہ یہ شاعر ہے کبھی دیوانہ کہتے تھے کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ بہر کیف حضور کو تکلیف پہنچانے میں وہ کمی نہ کرتے تھے تو خداوند کرم
اپنے حبیب کی ان لفظوں میں تسلی فرما رہا ہے کہ آپ مطمئن رہنا آپ کا وہ بگاڑ کچھ بھی نہیں سکتے کیونکہ عزت اور غلبہ میرے ہاتھ میں ہے
میں ان کی مکاریوں کا خود ہی علاج کروں گا۔

مَا يَتَّبِعُ - اگر اس ما کو نافیہ بنایا جائے تو بعد میں ان یَتَّبِعُونَ اس سے بدل ہوگا۔ یعنی یہ لوگ ماسوا اللہ کی اطاعت صرف
ظن اور تخمین کی بنا پر کرتے ہیں کہ چونکہ ہمارے آبا و اجداد ایسا کرتے تھے ورنہ ان کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اس کو موصولہ
بنایا جائے تو معنی وہی ہوگا جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور محل اعراب نصب ہوگا کیونکہ ان کا اسم ہوگا اور اس کا عطف من
پر ہوگا یعنی یہ لوگ بھی اللہ کی ملکیت کے اندر ہی ہیں جو غیر پستی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ما کو استفہامیہ ای شی کے
معنی میں قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کیا کر رہے ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسرے شرکا کو پکارتے ہیں تو یہ استفہام انکاری ہوگا۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

کہنے لگے بنایا اللہ نے بیٹا پاک ہے وہ تو بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

اِنَّ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

نہیں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل کیا تم کہتے ہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكٰذِبَ لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا

کہو تحقیق وہ لوگ جو افترا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا اور نہ چھٹکارا پائیں گے

ثُمَّ اَلْبٰسًا مَّرْجِعُهُمْ ثُمَّ نَزَّلْنٰ عَلَيْهِمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھر تہ جہاڑی جانب پلٹنا ہوگا پھر ان کو چکھائیں گے عذاب سخت بوجہ اس کے جو کفر کرتے تھے

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ - اب رُخ کلام ان لوگوں کی طرف ہے جو خدا کے لئے اولاد ثابت کرتے تھے ان کی دو قسمیں تھیں -

(۱) کفار قریش جو یہ خیال کرتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں (۲) نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے - ان

دونوں گروہوں کی تردید ہے کہ وہ غلط کہتا کرتے ہیں - اور اس کا جواب تین طرح سے دیا ہے (۱) سبجائے کہ اپنی تنزیہ بیان

فرمائی - اولاد اپنے والد کے مشابہ ہوا کرتی ہے اور خدا مشابہت سے پاک و منزہ ہے - نیز اولاد کا ہونا حادث کو چاہتا ہے

اور خدا حادث سے منزہ ہے - نیز اولاد کا ہونا تغیر کو چاہتا ہے اور خدا اس سے بلند و بالا ہے -

(۲) هُوَ الْغَنِيُّ - یعنی اولاد کا وجود احتیاج کو ثابت کرتا ہے اور وہ خدا جو تمام کائنات کا واحد مالک ہے اس کو کسی

کی احتیاج کیا ہے تاکہ اولاد کی اس کو ضرورت ہو ؟

(۳) لٰہ جن اشیاء کو خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء وہ خدا کی اولاد سے تعبیر کرتے تھے - وہ سب ملکیت خدا میں داخل ہیں

اور مملوک اور اولاد الگ الگ ہوا کرتے ہیں جو چیز مملوک ہو وہ اولاد نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد باپ کی جنس سے ہوتی ہے نہ کہ

غیر تاکہ مملوک بنے اور تمام کائنات اس کی مملوک ہے خواہ آسمان میں ہو - جیسے فرشتے - یا زمین میں ہو جیسے انبیاء و اولیاء پس

ان کو خدا کا ولد کہنا غلط اور بے دلیل ہے - اور پیار و محبت میں سبب کے لئے بمنزلہ اولاد کہنا بھی ناجائز ہے - اپنی وجہ کی

بنا پر جن کی بنا پر اس کے لئے اولاد کا تجویز کرنا باطل ہے - پس ایسی باتیں صرف افترا پر دوازی اور بہتان طرازی ہیں - جن کا

انجام عذاب شدید ہوگا -

وانت علیہم - پیغام توحید اور تبلیغ رسالت پر جب مشرکین

مکہ نے جناب رسالت مآب پر طعن و تشنیع شروع کی تو خداوند کریم

رُكُوْعُ نَمْرِ ۱۳ حَضْرَتِ نُوْحٍ كَاذِرِ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

اور پڑھان پر بجز زح کی جب اُس نے کہا اپنی قوم سے اے قوم اگر شاق ہے تم پر میرا ہونا

مَقَامِي وَتَذَكِّرِي بآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَ

اور نصیحت کرنا ساتھ آیات خدا کے تو اللہ پر میں نے بھروسہ کیا ہے پس اکٹھا کرو اپنی قوت کو اور

شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ عَمَلَةً ثُمَّ اقضُوا إِلَيَّ وَلَا

ساتھیوں کو اور نہ ہوتما را معاملہ تم پر پور شیدہ پھر بڑھو میرے (قتل کی) طرف اور نہ مہلت

تَنْظِرُونَ ﴿٤١﴾ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِن أَجْرِي رِأْسًا

پس اگر تم نہ مانو تو میں نے تم سے کوئی مزدوری تو نہیں لی میری مزدوری تو میرے اللہ

عَلَى اللَّهِ وَأَمْرُتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾ فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

کے ذمے اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ ہوں تسلیم کرنے والوں میں سے پس انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے

وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلْفًا وَآخَرْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اس کو نجات دی اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں اور کیا ہم نے ان کو قائم مقام (غرق ہونے والوں کا) اور غرق کر دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیات کو

نے جناب رسالت مآب کے لئے تسلی کے طور پر اور لوگوں کے لئے عبرت و نصیحت کے طور پر سابق انبیاء کی مثالیں پیش فرمانا شروع

کر دیں اور تمام انبیاء میں حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس کی ہی مثالوں کا انتخاب فرمایا کیونکہ ان کے واقعات نہایت

نتیجہ خیز اور بالکل صاف اور واضح طور پر منصف طبائع کے لئے مؤثر ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا

ذکر فرمایا کہ وہ اس قوم کے جرات مند دلیر اور نڈر مبلغ تھے کہ قوم کے انکار کے بعد ان کو صاف اور واضح الفاظ میں بائبگ

دہل کہہ دیا کہ تم میرے وعظ سے کبیرہ خاطر ہوتے ہو۔ اور میرا وجود تم نہیں برداشت کر سکتے تو میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے

تم سے مرعوب ہو کر اپنا کلمہ حق چھوڑنے پر ہرگز تیار نہیں ہوں۔ تم بے شک سوچ سمجھ کر مشورہ کر کے میرے اوپر جو بہاؤ گرا نا

چاہتے ہو گرا دو۔ اور ذرہ بھر بھی دیر نہ کرو۔ اور فرمایا تمہارا میں نے نقصان ہی کیا کیا ہے، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ اگر

نہ مانو تو نہ سہی۔ کوئی تم سے فیس تو وصول نہیں کرتا تاکہ تمہیں اس کا رنج ہو۔ تم اپنا باطل نہیں چھوڑتے تو ہم اپنا حق کیوں چھوڑیں

ہمیں اس کا اجر اللہ ہی دے گا۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے تکذیب کی اور غرق ہوئے اور ہم نے بذریعہ کشتی نوح کو اور اس

پر ایمان لانے والی جماعت کو نجات دے کر ان کا قائم مقام بنایا۔ پس یہی انجام ہوتا ہے نہ ماننے والوں کا۔ اور

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذِرِينَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا إِلَىٰ

پس دیکھ لیا انجام گذرا ان کا جنہیں ڈرایا گیا (لیکن نہ مانے) پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد رسولوں کو اپنی قوموں کی

قَوْمِهِمْ فَمَجَاءٌ وَهُمْ بِالْبَيْتِ فَمَا كَانُوا الْيَوْمِ نُوَابِئًا كَذَّبُوهُ مِنْ

وطن پس وہ آئے (دیس لے کر) پس نہ ایمان لانے والے بنے ساتھ اس کے جسے جھٹلا چکے تھے پہلے اسی

قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

طرح ہم مہر لگاتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد

مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا

موسى و ہارون کو فرعون اور اس کے سرداران قوم کی طرف اپنی آیات دیکر ترانوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم

مُجْرِمِينَ ﴿٤٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا سِحْرٌ

لوگ تھے پس جب آیا ان کے پاس حق ہماری جانب سے تو کہنے لگے تحقیق یہ ظاہر

مَبِينٌ ﴿٤٦﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَذَا

جادو ہے فرمایا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو حق کو جب تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو ہے حالانکہ

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿٤٧﴾ قَالُوا اجْعَلْنَا لِنْفِتْنًا عَمَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

نہیں چھٹکارا پاتے جادوگر کہنے لگے کیا تو آیا ہے تاکہ پھر دے ہمیں اس دین سے جس پر

حضرت نوح کا ذکر تفسیر کی چھٹی جلد ص ۴۴ تا ص ۴۵ میں بھی مذکور ہو چکا ہے اور مفصل ذکر اسی جلد میں سورہ ہود کی تفسیر میں آئے گا۔ ص ۲۰۳ تا ص ۲۱۹ ملاحظہ ہو۔

حضرت موسیٰ کا ذکر رسلاً یعنی حضرت نوح کے بعد دیکھے بعد دیگرے متعدد پیغمبر آتے رہے اور جھٹلانے والے جھٹلاتے رہے۔ اور بار بار کی نافرمانیوں سے دل اس قدر تاریک ہو جاتا ہے کہ پھر نصیحت کو قبول ہی نہیں کرتا گویا کہ اس پر گراہی کی مہر لگ جاتی ہے اور اس کو طبع یا ختم کے لفظ سے قرآن میں تعبیر کیا گیا ہے۔ اور خدا نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ وہ مجبور نہیں کرتا اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی دوسری جلد میں ص ۶۵ سے ص ۶۶ تک مسئلہ قضا و قدر اور جبر و تفویض میں پوری تفصیل سے موجود ہے

۷۹ اَبَاءَنَا وَتَكُونَنَّ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا خُنُّ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ

ہم نے اپنے آبا کو پایا تھا اور ہوتا رہے لئے بڑائی زمین میں اور ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ۷۹ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ

اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو پس جب آئے جادوگر

قَالَ لَهُمْ مُوسَى الْقَوْمَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۸۰ فَلَمَّا أَتَوْا قَال

تو کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو پس جب وہ ڈال چکے تو فرمایا

مُوسَى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصِيبُ

موسے نے وہ جو لائے ہو تم جادو تحقیق خدا سے باطل کرے گا تحقیق اللہ نہیں کامیاب کرتا

جَاءَهُمُ الْحَقُّ - حضرت موسے علیہ السلام کے معجزات کو حق کا نام دے کر خدا نے اپنی جانب منسوب فرمایا اور اس سے یہ تشبیہ کر دی کہ معجزات کا فاعل نبی نہیں ہوتا کرتا بلکہ میں ہوا کرتا ہوں۔

لَا يُفْلِحُ - یعنی جادو گروں کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ تو حرف نہ جاننے والے لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا کرتے ہیں اور میرے معجزات دلائل کے ساتھ ہیں۔ لہذا ان کو جادو کہنا صرف حسد اور کور باطنی ہے۔

قَالُوا ۗ - جب موسیٰ کے جواب سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے تو ہمیں اپنے باپ دادا کے مذہب سے ہٹانا چاہتا ہے اور زمین میں حکومت کرنا چاہتا ہے لہذا ہم تیری بات ہرگز نہ مانیں گے۔

فِرْعَوْنُ - ہر دور میں باطل حق سے نبرد آزار رہا ہے لیکن حق والوں نے حوصلہ شکن حالات میں بھی حق کا ساتھ دیا اور آخر کار حق کی فتح ہوئی اور باطل کے بلند و مضبوط پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر حق کے قدموں میں گر گئے یا حق کے ہمہ گیر سیلاب میں

خس و خاشاک کی طرح بہ گئے۔ موسیٰ نے جب اژدہا کا معجزہ دکھایا تو فرعون اپنے دور کے عام چرچے کے ماتحت یا اپنے اقتدار کو چاہنے والا جادو کہنے پر مصر ہوا۔ اور موسیٰ کے مقابلہ کیلئے اس نے جادو گروں کو جمع کرا لیا۔ چنانچہ جب جادو گروں نے اپنی رسیوں پر

منتر پڑھایا جادو کیا تو ہر کیف لوگوں کی نظروں میں وہ چلتے پھرتے سانپ بن گئے۔ اور حضرت موسے نے بہ حکم خداوندی عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور ان سب جادو کے سانپوں کو کھا گیا اور حضرت موسیٰ کے پکڑنے سے حسب سابق

عصا بن گیا۔ یہ وہ حقیقت تھی جس کو اقتدار کی ہوس کے اندھے نے آخر تک نہ مانا اور منصف طبع جادو گروں نے تسلیم کر لیا کہ موسیٰ کی طاقت مافوق البشر ہے۔ اور وہ خدائی نمائندہ ہے لہذا انہوں نے صرف ہار ہی نہیں مانی بلکہ کفر کا جو اگردلوں

سے اتار پھینکا اور حضرت موسے کے ہاتھ پر سبیت کر کے مسلمان ہو گئے اور اس قدر نچتے یقین سے اسلام لائے کہ ان کے حق

عَمَلِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۸۲﴾

مفسدین کے عمل کو اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو ساتھ اپنے حکم کے اگرچہ ناپسند کریں مجرم

فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ

پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر مگر بچے اس کی قوم کے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے سرداروں سے

أَنْ يُفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۸۳﴾

کہ کہیں فتنہ میں نہ ڈالیں اور تحقیق فرعون ایک شکرت تھا زمین میں اور تحقیق بے راہ رو تھا

وَقَالَ مُوسَىٰ يَقَوْمِ إِن كُنتُمْ آمِنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا وَإِن كُنتُمْ

اور فرمایا موسیٰ نے اے قوم اگر تم ہو ایمان لائے اللہ پر تو اس پر بھروسہ کرو اگر

میں پھانسی کی سزا تجویز ہوئی تو موت کو گلے سے لگا لیا لیکن حق کو گلے سے الگ نہ کیا۔ مفصل بیان تفسیر کی چھٹی جلد ص ۶۸ تا ص ۷۰ میں دیکھیے۔

مَا جِئْتُمْ - ما موصول مبتدا ہے اور فعل اس کا صلہ ہے اور السحر خبر ہے اس کی۔ حضرت موسیٰ کا تذکرہ ابھی اسی جلد میں سوڈہ ہود میں بھی ہوگا ص ۲۳

بِكِمَاتِهِ - یا تو اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو خدا نے موسیٰ سے کیا تھا یا اس سے مراد نوشتہ لوح محفوظ ہے کہ حق کو کامیاب کروں گا اور یا اس سے مراد اس کے کلام کی آیات ہیں جو بیان حق کے لئے اترتی ہیں۔

رُكُوعٌ نَمْبِرٌ ۱۲ - ہاؤ ضمیر غائب کا مرجع فرعون بھی بن سکتا ہے اگر فرعون ضمیر کا مرجع بنے تو معنی یہ ہوگا کہ فرعون کی قوم کے چند بچے مومن ہو گئے ان کو ذریت یعنی بچے اس لئے کہا گیا کہ ایک سرکش اور ظالم مطلق العنان حکمران کے مقابلہ میں انتہائی کمزور تھے جس طرح بچہ کمزور ہوتا ہے۔ پس اس بارے میں چند اقوال ہیں۔ ۱۔ یہ کہ ان کی مائیں بنی اسرائیل سے تھیں اور باپ قبلی تھے۔ ۲۔ یہ کہ ان سے مراد آسیہ زین فرعون، مومن آل فرعون اور فرعون کی زوجہ کی مشاطہ ہو۔ ۳۔ یہ کہ بعض قبلی تھے جن کو والدین مسلمان نہ ہوئے اور اگر ضمیر غائب کا مرجع موسیٰ کو قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ موسیٰ کی قوم کی اولاد ایمان لائی لہذا اس میں بھی چند اقوال ہیں (۱) بنی اسرائیل کی ایک جماعت تھی جن کو فرعون نے جادو کی تعلیم دلو کر اپنے خواص میں شامل کیا ہوا تھا (۲) یہ بنی اسرائیل تھے اور حضرت یعقوب جب مصر میں داخل ہوئے تھے تو ان کی اولاد ۳ نفوس پر مشتمل تھی لیکن اب وہ چھ لاکھ تک پہنچ چکے تھے (۳) موسیٰ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ سب کے سب مرچھے تھے کیونکہ زمانہ زیادہ گزر چکا تھا اور یہ لوگ ان کی اولاد تھے۔

سَبِيلَكَ رَبَّنَا طِبْسٌ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَشَدُّ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا

راہ سے اے رب خراب کر دے ان کے مالوں کو اور بند کر دے ان کے دلوں کی حرکت کو پس وہ ایمان نہیں لاتے

حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٨٨﴾ قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا

یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دردناک فرمایا تحقیق قبول کی گئی تمہاری دعا پس تم ڈٹے رہو

وَلَا تَتَّبِعَنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ

اور نہ اتباع کرو ان لوگوں کے راستہ کی جو بے علم ہیں اور گزارا ہم نے بنی اسرائیل کو دیا

الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّى إِذَا دُمِرَكَهُ

سے تو پیچھے لگا ان کے فرعون اور اس کا لشکر ازراہِ ظلم و سرکشی یہاں تک کہ جب غرق

معنی کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں کی حرکت بند کر دے یعنی ہلاک کر دے کیونکہ یہ ایمان لانے والے نہیں جب تک کہ عذاب نہ دیکھیں پس وحی ہوئی کہ تمہاری دعا مقبول ہے۔ پس تم اپنا کام کئے جاؤ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ موسیٰ و ہارون کی دعا اور فرعون کے غرق ہونے میں چالیس سال کا فاصلہ تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے مستجاب کے لئے ضروری نہیں کہ فوراً ہی اس کا نتیجہ نکل آئے بلکہ یہ خدا کی مصلحت کے تابع ہے۔ مروی ہے کہ دعا مانگنے والا حضرت موسیٰ تھا اور ہارون آئین کہنے والے تھے۔ پس آخر کار فرعون غرق ہوا اور ان کے مال و خزانہ خراب ہوئے۔ کہتے ہیں ان کا سونا ٹھیکریاں اور کنکر بن گئے تھے۔

تفسیر جامع میں ہے کہ جناب رسالت مآب کے زمانہ میں بھی طمس اموال کا واقعہ ہوا کہ ایک شخص نے حضرت رسالت مآب کی خدمت میں درخواست دی کہ میں نے کمال محنت سے اپنے لڑکے کی پرورش کی ہے۔ اب وہ جوان ہے اور میں بوڑھا ہوں اور مجھے خرچہ نہیں دیتا تو آپ نے لڑکے کو سمجھایا لیکن اُس نے کہا کہ میں غریب ہوں حضور نے ایک ماہ کا خرچہ اپنی طرف سے دیا اور دوسرے ماہ میں بوڑھے کی شکایت پر لڑکے کو بلا کر تنبیہ فرمائی تو اُس نے وہی پہلا جواب دیا تو آپ نے فرمایا جاؤ۔ خدا تیرے مال کو ضائع کرے گا۔ چنانچہ اس کے تمام ذخائر گندم وغیرہ میں کیڑا پڑ گیا اور بدبو دار ہو گئے اور مزدوروں کو بلا کر باہر پھینک دئے۔ جب مزدوری ادا کرنے کے لئے خزانہ کو دیکھا تو سب ٹھیکریاں اور سنگریزے تھے۔ خداوند کریم مومنین کی اولاد کو حقوق والدین ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

وَجُوزْنَا - یعنی ہم نے گزارا بنی اسرائیل کو دیا کہ وہ ایمان لائے اور ان کے دلوں کی حرکت کو بحال کر دیا۔

تفسیر جامع و مجمع البیان میں ہے کہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ سے درخواست کی کہ دعا مانگو کہ خدا فرعون کو تباہ

الْعُرْقُطُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْ اٰمَنْتَ بِهِ بَنُوۡا۟ۤ اِسْرٰٓءِيۡلَ

ہونے لگا تو کہا کہ میں مانتا ہوں کہ کوئی لائق عبادت نہیں مگر وہ جس کو مان چکے بنی اسرائیل

وَ اَنَّا مِنَ الْمُسِيۡبِيۡنِ ﴿۹۰﴾ اَللُّنَّ وَقَدْ عَصٰیۡتَ قَبْلَ وَاَنْتَ مِنَ الْمَفْسِدِيۡنِ ﴿۹۱﴾

اور میں ہوں مسلمانوں میں سے (تو کہا گیا) اب جب کہ نافرمانی کر چکا پہلے اور تھا تو خدا کے نیرالوں میں سے؟

کر دے کیونکہ وہ اس کے مظالم سے تنگ آ جا چکے تھے پس موسیٰ نے دعا کی تو حکم ہوا کہ ان کو ساتھ لے کر نکل جاؤ۔ چنانچہ رات کو روانہ ہوئے۔ جب دن ہوا تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا۔ دریا ٹے نیل کے کنارہ پر پہنچے تو باذن خدا موسیٰ نے عصا مارا۔ پانی شگافتہ ہوا۔ اور بارہ راستے پیدا ہو گئے۔ نیز ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے پانی کی دیواروں میں روشندانگ شگافتہ بھی بن گئے۔ پس ایمان والے گذر گئے اور جب لشکر فرعون پہنچا تو پانی میں عبور کرنے سے ڈر گئے تو جبریل بشکل انسانی ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور فرعون مشکی رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ گھوڑی کے پیچھے پانی میں اور پھر لشکر بھی داخل ہوا۔ یہ واقعہ مفصلاً تفسیر کی دوسری جلد پر مذکور ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُ۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کسی داعظ سے سنا تھا اور نہ خود کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور وہ یہ کہ جب مرے کی دعا مستجاب ہوئی اور فرعون پر غرقابی کا عذاب حتمی قرار دیا گیا تو فرید اتمام حجت کے لئے ایک دن جبریل بصورت بشر ایک مقدمہ لے کر فرعون کے دربار میں داخل ہوا اور کہا کہ اگر کوئی غلام ایسا ہو جس پر اپنے آقا کا بڑا اظہار و کرم ہو پس وہ غلام مرقع پا کر اپنے آقا کے سب احسانات بھلا کر اس کے تخت و تاج پر قبضہ کرے۔ پھر ایسا غلام کسی وقت مغلوب ہو جائے اور وہی آقا جو پہلے بادشاہ تھا دوبارہ اپنا تخت سنبھالے اور سابق احسان فراموش غلام گرفتار ہو کر اس کے پیش کیا جائے تو بتائیے کہ وہ غلام کس پاداش کا مستحق ہے۔ فرعون نے فرمایا کہ ایسا نامک حرام غلام کسی رحم و معافی کے قابل نہیں۔ پس اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دریا میں غرق کر دیا جائے۔ چنانچہ جبریل نے کاغذ پیش کر کے یہی فیصلہ لکھوا لیا۔ اور اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ پس جب فرعون غرق کا وقت آیا تو موسیٰ نے اپنی قوم سمیت دریا سے پار ہو گئے اور فرعون کا پورا لشکر دریا میں اتر آیا پس دریا کی موجیں مل گئیں اور وہ غرق ہوا۔ اثنائے غرق میں فرعون نے خدا سے معافی کی درخواست دی کہ میں اب مسلمان ہوتا ہوں۔ اور اس خدا کو مانتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے تو اس وقت جبریل نے وہی اس کے ہاتھوں کا لکھا ہوا فیصلہ اس کے سامنے کیا کہ ایسے غلام کی توبہ قبول نہیں۔ بلکہ وہ غرق ہونے کا مستحق ہے۔

اَللُّنَّ وَقَدْ عَصٰیۡتَ۔ جب فرعون نے ایمان کا اظہار کرنا چاہا تو جبریل نے یہ لفظ کہہ کر اس کی بات کو ٹھکرا دیا کہ اب معافی مانگتا ہے جب گناہوں میں وقت گزار کر عذابِ خدا میں گرفتار ہو چکا ہے۔ مروی ہے کہ اس کے بعد جبریل

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِدَنِكَ لَتَكُونُ لِمَنْ خَلَقَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا

پس آج ہم بجات دیں گے بدن تیرے کو تاکہ ہو بعد والوں کے لئے نشانی اور تحقیق بہت

مِّنَ النَّاسِ عَنِ آيَةِ الْغٰفِلُونَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

لوگ ہماری نشانیں سے غافل ہیں اور تحقیق ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل

مُبَوَّأٰ صَدِقٍ وَرَزَقْنَهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ

کو اچھا ٹھکانا اور ان کو رزق دیا پاکیزہ پس نہ اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آیا

الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۹۳﴾

ان کے پاس علم تحقیق تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان بروز قیامت جن میں وہ اختلاف کرتے تھے

کبھی خوش نہیں نظر آیا تھا کیونکہ اسے خیال تھا کہ ممکن ہے خدا نے اس کی توبہ قبول کر لی ہو۔ اور میرا فرعون کو جواب دینا منظور پروردگار نہ ہو۔ جب جبریل یہ آیت لایا تو اس دن اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار تھے۔ حضور نے پوچھا کہ اب خوش کیوں ہے حالانکہ اس سے قبل تھے ہمیشہ میں نے غمناک دیکھا ہے تو اس نے عرض کی کہ فرعون نے جب کلمہ توبہ کا اظہار کرنا چاہا تھا تو میں نے ایک کوئلہ اس کے منہ میں ڈال کر خاموش کر دیا تھا لیکن اُس وقت سے اب تک ڈرتا ہوں کہ یہ فقرہ میں نے بغیر اذن پروردگار کے کیوں کہا تھا۔ لیکن اب اسی قول کو بصورتِ قرآن پہنچانے آیا ہوں تو مجھے تسلی ہوئی ہے کہ خدا میرے اس قول پر راضی تھا۔

نُنَجِّيكَ - یہ بخوہ سے ہے جس کا معنی ہے زمین میں بلند جگہ، پس اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تجھے بلند جگہ رکھیں گے تاکہ درمی اقام کو تیرے انجام کا بخوبی پتہ چل سکے پس باقی لشکر پانی میں بہ گیا اور فرعون کا بدن پانی کے اوپر نکل آیا اور بعض نے کہا ہے کہ بدن کا معنی زرہ ہوتا ہے اور فرعون کی زرہ سونے کی تھی۔ اور معنی یہ ہے کہ ہم تجھے تیری زرہ سمیت بچائیں گے۔ پس وہ زرہ سمیت پانی کے اوپر نکل آیا تو لوگوں نے سچاں لیا کہ فرعون مر چکا ہے اور اس وقت تک بنی اسرائیل فرعون کی موت کو نہیں مانتے تھے۔ اب دیکھا تو مان گئے۔ اور مصر جانے والوں سے سنا ہے کہ اب تک فرعون کی لاش اصرام مصر میں محفوظ ہے جو دیکھنے والوں کے لئے باعثِ عبرت ہے۔

پس خدا کا وعدہ سچا ہوا کہ تیرے بدن کو یعنی صوف ڈھانچہ کو روح کے بغیر بچالیں گے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت و نصیحت اور خدا کی نشانیں میں سے ایک نشانی باقی رہے۔

رکوع نمبر ۱۵ - وَلَقَدْ بَوَّأْنَا - یعنی فرعون کے عرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانہ دیا۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْكِتَابَ

پس اگر ہے تو شک میں اس سے جو ہم نے اتارا تجھ پر تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب

مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۹۴﴾

تجھ سے پہلے تحقیق آیا تیرے پاس حق تیرے رب سے پس نہ ہو شک کرنے والوں میں

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۹۵﴾

اور نہ ہو ان میں سے جنہوں نے جھٹلایا خدا کی آیات کو ورنہ ہوگا نقصان پانے والوں میں

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ

تحقیق جن پر ثابت ہوا تیرے رب کا کلمہ (عذاب) نہ ایمان لائیں گے اگرچہ

جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ

آئیں ان کے پاس تمام نشانیاں یہاں تک کہ دیکھیں دردناک عذاب پس کیوں نہیں

فَمَا اخْتَلَفُوا۔ یعنی حضرت رسالت مآب کی آمد تک انہیں کوئی اختلاف نہ تھا لیکن جب حضور تشریف لائے تو انہوں نے اختلاف کر دیا یہ یہودی مذمت ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَأُونَ الْكِتَابَ۔ یہ خطاب حضور کی جانب ہے۔ اور مراد امت ہے یا خطاب حضور سے ہے لیکن نہ اس لئے کہ آپ کو شک تھا بلکہ صرف تقریر کے لئے مثلاً کوئی اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو فلاں کام کر ورنہ حالانکہ اس کے بیٹے ہونے میں شک نہیں ہوتا بلکہ کلام کی نچنگی میں اضافہ کے لئے ایسا کیا جاتا ہے یا سر مخاطب سے خطاب ہے۔ گویا زبان پیغمبر پر جاری کر کے فرمایا اسے مخاطب اگر تجھے ان باتوں میں شک ہے تو سابق اہل کتاب سے دریافت کر۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم کیوں دیا۔ حالانکہ وہ تو اللہ دشمن تھے تو جواب یہ ہے کہ اولاً تو حکم ان اہل کتاب سے پوچھنے کا ہے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اور ثانیاً یہ سورہ مکیہ ہے اور مکہ والوں کو خطاب ہے کہ پیغمبر کے متعلق اگر اس کی باتوں یا قرآن کی آیتوں میں شک ہے تو اہل کتاب سے اس کی تصدیق کرو یا یہ کہ آیت مذکورہ شب سراج آسمانوں پر اتری تھی اور وہاں سابق اہل کتاب مومنین کے ارواح سے پوچھنا ممکن تھا۔ اور یہ روایت تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

فَلَوْلَا۔ چونکہ اس سے قبل فرعون کے عرق ہونے کا تذکرہ تھا کہ اس نے اس وقت حضرت یونس کا ذکر ایمان لانے کی خواہش ظاہر کی جب کہ عذاب میں گرفتار ہو چکا تھا تو اسی مناسبت سے

قَرِيۡةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُوۡسُفَ لَمَّا اٰمَنُوۡا كَشَفْنَا

کئی بستی ایمان لاتی ایسے وقت میں کہ نفع دے اس کو ایمان اس کا مگر قوم یونس کے جب ایمان لائے تو دور کر دیا ہم نے

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمُ اِلَىٰ حِيۡنٍ ﴿٩٨﴾

ان سے عذاب رسوائی کا زندگانی دنیا میں اور ان کو نفع دیا ایک وقت تک

فرماتا ہے کہ عذاب آجانے کے بعد کسی قوم کا ایمان قابل قبول نہیں ہوا۔ سوائے قوم یونس کے۔ پس آیت مجیدہ کا ترجمہ یوں ہو گا کہ کیوں نہیں ایمان لائیں تو میں درحالیکہ ان کو ایمان نفع دے۔ یعنی عذاب نازل ہونے سے پہلے۔ پس یہاں عبارت محذوف ہوگی۔ کہ عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں ہوتا۔ اور نہ عذاب خدا مل سکتا ہے مگر حضرت یونس کی قوم کہ انہوں نے ایمان قبول کیا تو ان سے عذاب مل گیا۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یونس کی قوم میں ایک شخص عابد تھا جس کا نام بلی تھا اور ایک مرد عالم تھا جس کا نام روبیل تھا جو عابد تھا وہ قوم کی سرکشی سے تنگ آکر حضرت یونس کو بددعا کا مشورہ دیتا تھا اور روبیل روکتا تھا۔ آخر کار۔ عابد کے مشورہ سے حضرت یونس نے بددعا کی جو قبول ہوئی۔ اور خدا نے عذاب کی تاریخ مقرر فرمادی۔ جب وقت قریب آیا تو حضرت یونس اس عابد کو ہمراہ لے کر ہجرت کر کے چلے گئے۔ لیکن وہ عالم ٹھہرا رہا۔ جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو عالم نے ان کو توبہ کا مشورہ دیا کہ جنگل میں چلے جاؤ۔ اور بچوں کو ماؤں سے مردوں کو عورتوں سے اور تمام حیوانات کو اپنی اولاد سے جدا کر کے نہایت گڑگڑا کر نہایت عاجزی و زاری سے توبہ کرو اور گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ شاید خداوند کریم معاف فرمادے۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور عذاب خدا دفع ہو گیا۔

موصول کے قریب ایک جگہ تھی جس کا نام بنیہ می تھا۔ یہ وہاں کے باشندے تھے اور عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق ان کی توبہ کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے اپنے مظالم اور حقوق ایک دوسرے کو سب واپس کر دیے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے مکان میں دوسرے کا ایک پتھر لگا ہوا تھا تو اس نے اپنے مکان کو گرا کر اصل مالک کو اپنا پتھر واپس کر دیا۔ پس جب اس طرح خلوص نیت سے توبہ کی تو معافی مل گئی۔ روایت سابقہ کے مطابق حضرت یونس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اور یا کے کنارہ پر پہنچے تو کشتی تیار تھی سوار ہوئے تو وسط دریا میں ایک بڑی مچھلی نے سر نکالا اور کشتی کو روک دیا۔ ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے لہذا قرعہ اندازی کی گئی تو سات دفعہ قرعہ حضرت یونس کے نام نکلا۔ پلٹ پلٹے ہوئے اور اپنے آپ کو دگئے۔ چنانچہ مچھلی نے اسے پیٹ میں رکھ لیا۔ ادھر مچھلی کو خدا کا حکم ہوا کہ یہ تیرمی خوراک نہیں لہذا اس کو ہضم نہیں کرنا بلکہ یہ امانت ہے اور تیرے شکم کو اس کا قید خانہ بنایا گیا ہے۔ بہر کیفیت تین دن یا سات دن

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلِّهِمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ

اور اگر چاہتا تیرا رب تو ایمان لاتے جو زمین میں ہیں سب کے سب کیا تو مجبور کرتا ہے لوگوں کو

حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

کہ مومن ہو جائیں اور نہیں ممکن کسی نفس کو کہ ایمان لائے مگر خدا ہی توفیق سے

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾ قُلِ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ

اور وہ کرتا ہے عذاب ان لوگوں پر جو نہیں سوچتے کہہ دو کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵﴾

زمین میں؟ اور نہیں فائدہ دیتی نشانیاں اور ڈرانا اس قوم کو جو ایمان نہ رکھتی ہیں

یا چالیس دن باخلاق اذوال مچھلی کے شکم میں رہے۔ ابی مخلوق کی تسبیحات سنتے رہے۔ اور خود بھی زبان پر کلام اللہ الا انت سبحانک اذنی کنت من الظالمین کی تسبیح مسلسل جاری رکھی۔ حتیٰ کہ مچھلی نے دریا کے کنارہ پر اگل دیا۔ اسی کے متعلق ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت امیر علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ وہ کونسا قید خانہ ہے جس نے اپنے قیدی کو سیر کرائی تھی تو آپ نے جواب دیا کہ وہ مچھلی ہے جس نے حضرت یونس کو دریاؤں کی سیر کرائی۔ جب مچھلی نے اگلا تو ان کا بدن بالکل ملائم ہو گیا تھا۔ پس خدا نے ایک کدو اگایا جس کے سایہ میں وہ رہے اور ایک بہرنی کو حکم دیا جو ان کو روزانہ دودھ پلا جائے اور کدو ایک دن دیکھا کہ درخت کدو خشک ہو چکا تھا تو رونے لگے۔ پس وحی خداوندی ہوئی کہ ایک کدو کی شاخ کے لئے رو رہا ہے اور ایک لاکھ یا اس سے زیادہ انسانی نفوس کے ہلاک ہونے اور معذب ہونے کے لئے دعا مانگتا تھا۔ پس حضرت یونس روانہ ہوئے۔ ایک نوجوان سے ملے جو بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں حضرت یونس کی قوم کا ایک فرد ہوں تو آپ نے اس کو پیغام دیا کہ گھر جا کر اپنی قوم کو میری اطلاع دے دینا۔ چنانچہ اس طرح سے وہ واپس دوبارہ اپنی قوم میں پلٹے اور قوم والے خوش ہوئے اور ایمان لائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بعد میں وہ کسی دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے۔

وَلَوْ شَاءَ - خدا ان واقعات کے بعد حضور کو تسلی دے رہا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو جبر کے ذریعے سے سب کو مومن بنا دیتا لیکن ایسا کہ نامیری مصلحت کے خلاف ہے لہذا آپ بھی کسی کو مجبور نہ کریں۔ اور فرماتا ہے کہ جو بھی ایمان کو قبول کرتا ہے وہ میری عطا کردہ توفیق سے کرتا ہے یہاں اذن سے مراد توفیق ہے۔

قُلِ انظُرُوا - اقوام گذشتہ مثلاً نوح و موسیٰ و یونس کی قوموں کے ذکر کے بعد دوبارہ آثار قدرت اور مظاہر حکمت میں غور کرنے کی دعوت ہے کہ آسمانوں اور زمین میں غور سے دیکھو تو سہمی یہ نظام پر از حکمت اور اس کی رنگینیاں خود بخود ایک صانع حکیم کی

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَاَنْتَظِرُوا

پس وہ نہیں انتظار کرتے مگر مثل ان لوگوں کے دنوں کے جو ان سے پہلے گزر چکے کہہ دو پس انتظار کرو

رَأَيْتُمْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ نُنزِلُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ

میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں پھر ہم بجالیں گے اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائیں اسی طرح

حَقًّا عَلَيْنَا نَبِئُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي

حق ہے ہم پر کہ بجات دین مومنوں کو کہہ دو کہ اے لوگو اگر تمہیں شک ہے میرے دین

شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ

کے متعلق تو میں تو نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم کرتے ہو اللہ کے علاوہ لیکن میں تو

ازلیت وابدیت کی طرف متوجہ کر کے اس کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے لئے کافی ہیں۔

وَمَا تُغْنِي عَنْكُمْ خُذُكُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنْتُمْ مُنْظَرُونَ ﴿۱۴﴾

اور وہ تمہاری ہاتھوں سے تمہاری مدد نہیں کرتا۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَاَنْتَظِرُوا

پس وہ نہیں انتظار کرتے مگر مثل ان لوگوں کے دنوں کے جو ان سے پہلے گزر چکے کہہ دو پس انتظار کرو

رَأَيْتُمْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ نُنزِلُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ

میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں پھر ہم بجالیں گے اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائیں اسی طرح

حَقًّا عَلَيْنَا نَبِئُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي

حق ہے ہم پر کہ بجات دین مومنوں کو کہہ دو کہ اے لوگو اگر تمہیں شک ہے میرے دین

شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ

کے متعلق تو میں تو نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم کرتے ہو اللہ کے علاوہ لیکن میں تو

ازلیت وابدیت کی طرف متوجہ کر کے اس کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے لئے کافی ہیں۔

وَمَا تُغْنِي عَنْكُمْ خُذُكُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنْتُمْ مُنْظَرُونَ ﴿۱۴﴾

اور وہ تمہاری ہاتھوں سے تمہاری مدد نہیں کرتا۔

اعْبُدِ اللَّهَ الَّذِي تَتَوَفَّأُكُمْ وَآمُرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَ

عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو تمہیں مارتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں مومنوں سے (اور مجھے کہا گیا ہے)

أَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۵﴾ وَلَا

کہ قائم کر اپنے منہ کو دین کے لئے جو سیدھا ہے اور نہ ہو مشرکوں میں سے اور نہ

تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنَّ فِعْلَكَ

پکار اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اگر ایسا کرو گے تو ہو جاؤ گے

إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۶﴾ وَإِنْ يَمَسُّكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ

ظالموں سے اور اگر تم کو پہنچائے اللہ کوئی تکلیف تو نہیں دور کرتا اس کو مگر وہ

وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

اور اگر چاہے تیرے ساتھ اچھائی تو کوئی اس کے فضل کو نہیں روک سکتا دے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے

اللہ کے سوا تم نے بنا رکھے ہیں بلکہ صرف اسی کی عبادت کروں گا جو موت پر قادر ہے۔ یہاں حیات کا ذکر نہ کیا اور موت کا

ذکر کیا اس لئے کہ نفع کے مقابلہ میں انسان فطری طور پر نقصان کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے اور یہاں ان کو توجہ ہی دلانی تھی۔

وَإِنْ أَقَمَّ - یہ امرت کے ماتحت ہے یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مومن ہو جاؤں اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین پر ثابت قدم

رہوں اور مشرک نہ ہوں۔ اور ایسوں کو نہ پکاروں جو اطاعت گزاروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور نافرمانوں کو سزا نہیں دے

سکتے۔ اگر ایسا کرے گا تو ظالم ہو جائے گا۔

اس سے بہتر تبلیغ اور اتمامِ حجت کا اور کون سا طریقہ ہو سکتا ہے کہ صرف اپنا مذہب ہی بیان کیا اور مشرکین کے

مذہب کے نقائص خود بخود سامنے آگئے اور تبلیغ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مذہب کی صفائی بیان کرے اور اپنے

عمل سے اس کی تصدیق کرے۔ غلط اور باطل مذہب والا خود بخود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر پشیمان ہو گا۔ اور آخر کار اپنے

مذہب چھوڑ کر حق والوں کا ساتھ دینا ہو گا اور یہی احسن طریقہ ہے کسی کو راہِ راست پر لانے کا۔

سورہ کا ملخص | قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ - یہ سورہ یونس کی آخری آیتیں ہیں اور پوری دعوت کا آخری فیصلہ ہے۔ یعنی

سورہ مجیدہ کا خلاصہ ہے کہ شروع میں اثباتِ خالق اور اس کے احسانات کا تذکرہ کر کے دعوتِ

عبادتِ وحی - اور پھر بت پرستی اور غیرتوں کی طرف جھکاؤ کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے توحید کے دلائل بیان کئے یعنی

حق سے مجتہد اور باطل سے نفرت یا یوں کہا جائے کہ تو لا اور تبرا کے دونوں پہلوؤں کو نہایت حسن اسلوبی سے بیان فرمایا

وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ

اور وہ غفور رحیم ہے کہہ دے اے لوگو تحقیق آیا تمہارے پاس حق تمہارے

رَبِّكُمْ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا

رب سے تو جو ہدایت پائے گا وہ ہدایت پائے گا اپنے فائدہ کے لئے اور جو گمراہ ہوگا تو وہ گمراہ ہوگا اپنے نقصان کے لئے

وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ

اور میں نہیں تم پر چرکیدار اور تو اتباع کر اس کی جو وحی ہو تجھ پر اور صبر کر یہاں تک کہ

يُحْكَمَ اللَّهُ بِهِ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ ۸۱۶

فیصلہ کرے اللہ اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

اس کے بعد جو لوگ جناب رسالت مآب کو ایذا دیتے اور ان کے مشن کو خراب کرنے کی کوشش کرتے تھے تو آپ کو حکم کی تلقین کے لئے سابق امتوں کے حالات و ہر اسے کہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ بس گذشتہ نبیوں کے قصے بلکہ ان میں سے خصوصاً حضرت نوحؑ سے اور حضرت یونسؑ کا ذکر کر کے حضورؐ کو تسلی دی اور کافروں کو سابق غرق و تباہ ہونے والوں کے انجام بد سے متنبہ کیا۔ اور توبہ کی طرف راغب فرمایا۔ اور آخر میں پھر اسی دعوت کو ایک وسیع و ہر اکرا تمام محبت فرمائی اور اب ان دو آیتوں میں یہ دو لوگ فیصلہ سنا دیا ہے کہ پروردگار کی طرف سے حق تم تک اچھا لہذا تم بروز محشر عذر نہیں کر سکو گے اور جو ہدایت قبول کرے گا وہ خود ہی اس سے نفع اٹھائے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کا وبال وہ خود ہی برداشت کریگا۔ میں ان باتوں میں تمہارا پاسبان نہیں ہوں۔ اور آخر میں خدا کی طرف سے یہ تفہیم ہے کہ اے میرے حبیب تو وحی کے مطابق عمل کرتا جا۔ اور صبر و سکون سے کام چلائے جا۔ بعد کا فیصلہ اور انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ ہی اس کا اچھا فیصلہ کریگا۔ سورہ یونس کی تفسیر ختم ہوئی۔

والحمد لله رب العالمين

سُورَةُ هُود

یہ سورہ مکئیہ ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ایک سو تیس ہے۔ اس میں ۱۷۱۵ لفظ اور ۷۶۷ حروف ہیں (تفسیر جامع) اور بسم اللہ کو ملا کر آیات کی تعداد ۱۲۴ ہو جائے گی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو سورہ ہود پڑھیگا قیامت کے دن اس کا ستر پیغمبروں کے ساتھ ہوگا اور کوئی گناہ اس کے ذمہ باقی نہ رہے گا۔

حضرت اکرم سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ ہود کو پڑھے گا تو اس کے ساتھ جملہ تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کے برابر نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں ثبت ہوں گی۔ اور اس کا مرتبہ و مقام شہداء کے برابر ہوگا اور اس کا حساب آسان ہوگا۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہرن کی کھال پر لکھ کر اپنے پاس رکھے خدا اس کو ایسی ہیبت عطا کرے گا جو اس سے لڑے گا مغلوب ہوگا۔ اور جو اس کو دیکھے گا۔ خوف کھائے گا (جامع)

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جو اسے پڑھے گا حضرت نوح رضو۔ صلح۔ شعیب۔ لوط اور ابراہیم علیہم السلام کے تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور مروی ہے کہ حضور سے بڑھاپے کے جلدی آنے کے متعلق پوچھا گیا تو اپنے فرمایا

شَيْبَتِي هُوْدٌ وَآخَوَاتُهَا الْحَاقَّةُ وَالْوَاقِعَةُ ، ۱۱

یعنی مجھے سورہ ہود اور واقعہ وغیرہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے

الرَّكِیْبُ أَحْكَمَتْ آیٰتُهُ ثُمَّ فَصَّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝۱

الرا یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں اور مفصل ہیں اس ذات کی طرف سے جو حکیم و خبیر ہے

اَلَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۚ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ۝۲ وَاِنْ اَسْتَغْفِرُوْا

نہ عبادت کرو مگر اللہ کی تحقیق میں تمہارے لئے اس سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں بخشش طلب

رَبِّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ یَمِیْعُكُمْ مَّا عَآحَسْنَا اِلَیْ اَجَلٍ مُّسَمًّی وَاِیَّوْیَاتٍ

کر اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کی طرف تم کو نفع دے گا نفع خراب ایک مقررہ وقت تک اور دے گا

كُلِّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهُ ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ

ہر صاحبِ فضل کو زیادتی اور اگر اعراض کرو تو میں ڈرتا ہوں تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب

كَبِیْرٍ ۝۳ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴

اللہ کی طرف تمہاری بازگشت ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے

رکوع نمبر ۱۱، محکم و مفصل | أَحْكَمَتْ - یعنی آیات قرآنیہ کا نظم محکم ہے کہ اس کی تمام آیتیں فصاحت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور ان کی حق بیانی میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی مزید فصاحت تفسیر کی تیسری جلد ص ۱۹ پر گذر چکی ہے۔ اور فَصَّلَتْ سے مراد یہ ہے کہ اس میں فرائض شرعی حلال و حرام کی تفصیل ہے۔ یا یہ کہ امر و نہی کے لحاظ سے محکم اور حدود و عید اور ثواب و عقاب کے لحاظ سے مفصل ہیں یا یہ کہ اجمال کے لحاظ سے مجموعی طور پر محکم ہیں اور موقع و محل کے اعتبار سے ایک ایک یا دو دو آیتیں تفصیل وار بھی گئیں۔ یا یہ کہ فصاحت و بلاغت و صدق بیانی میں محکم اور مقام نزول میں تفصیل دار ہیں۔ اور یہی آخری معنی سب معانی سے انساب ہے۔

یَمِیْعُكُمْ - یعنی اگر توبہ کرو اور اچھے طریقے سے رہو تو وہ تم پر عذاب نہ بھیجے گا اور دنیا میں ایک وقت مقرر تک تمہیں اپنی نعمات عطا کرے گا اور صاحبِ فضل کو زیادتی بھی دے گا۔ یعنی عمومی متاع دنیاوی میں سب برابر کے شریک ہوں گے اور اپنی محنت و کاوش کے لحاظ سے بعض کو بعض سے فضیلت بھی ہوگی۔ اور ممکن ہے اعمال خیر کے لحاظ سے جنت میں زیادتی و نعمات کی بشارت ہو۔ اور علامہ نے اس جگہ ذہن و فضل حضرت علی کو ثابت کیا ہے اور اس فقرہ کو حضرت علی کی خلافت کا مفصل

أَلَا إِنَّهُمْ يَتَّبِعُونَ صُدُورَهُمْ لِيَتَّخِذُوا مَنَّهُ طَائِرًا حِينَ يَسْتَعْشِرُونَ ثِيَابَهُمْ وَلَا

آگاہ ہو تحقیق وہ سمیٹتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپے رہیں اس سے خبردار جب ڈھانپ لیتے ہیں اپنے اوپر کپڑے تو اس وقت

يَعْلَمُ مَا يَسْرُونَ وَمَا يَعْلَنُونَ إِنَّهُ عَلَيْهِمْ ذَاتُ الصُّدُورِ ⑤

بھی جانتا ہے وہ جو پوشیدہ کرتے ہیں اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ دلوں کی باتوں کے جاننے والا ہے

کی دلیل قرار دیا ہے۔
تَوَلَّوْا - فائب کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور ممکن ہے مخاطب کا صیغہ ہو۔ اور ایک تاء کو حذف کیا گیا ہو۔ جیسے تَنَزَّلُ

میں ہے تو پھر فعل مضارع بنے گا۔
أَلَا إِنَّهُمْ - یعنی اپنے سینوں کو لپیٹتے ہیں یعنی اپنی سازشوں کو سینہ میں بند رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ خدا سے چھپے رہیں یا مومنوں کو پتہ نہ چل جائے تو اس کے متعلق فرماتا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے اوپر چادریں اور لحاف وغیرہ تان کر چھپ کر باتیں کریں تو خدا تو ان کو بھی جانتا ہے وہ تو سب ظاہر و پوشیدہ امور سے مطلع ہے کیونکہ وہ تو سینہ کی باتوں کو بھی جانتا ہے خواہ زبان پر بھی آئیں لہذا ان کی سازشیں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

۱۲
پاسرہ

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ

اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر یہ کہ اللہ پر ہے اس کا رزق اور وہ جانتا ہے اس کی رہائش اور

مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ

قراگاہ سب کچھ لوح محفوظ میں موجود ہے اور وہی جس نے پیدا کیا آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوكُمْ مَا يُكْمَدُ

زمین کو چھ دن میں اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزمائے کون تم میں

أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ

سے اچھے عمل کرتا ہے اور اگر تو (ان کو) کہے کہ تم اٹھائے جاؤ گے موت کے بعد تو کہیں گے وہ

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٧﴾ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ

جو کافر ہیں نہیں ہے یہ مگر صاف جادو اور اگر ہم موخر کر دیں ان سے

رُكُوعٍ نَمْرًا - اللہ رازق ہے

مقام پر تمام زمین کی ذمی روح مخلوق مراد ہے خواہ جن ہوں یا انسان پرنسے

ہوں یا چوپائے، درندے ہوں یا حشرات الارض اور خشکی میں رہنے والے ہوں یا دریاؤں کی موجوں اور سمندروں کی

تہوں میں رہنے والے پس یہ سب مخلوق اپنے خالق کے دسترخوان پر ہر وقت مہمان ہے۔ اور وہ اس تمام کائنات کے

رزق کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ وہ خود رزق دیتا ہے اور خود ہی تقسیم فرماتا ہے۔ رامیر وغریب شاہ دگدا، عالم و جاہل، مومن

کافر، خورد و کلاں، عابد و عاصی، اولیاء و اہلبیاء سب کے سب بلا استثناء اسی کا ہی رزق کھاتے ہیں۔ لہذا جو شخص

کسی غیر کی طرف رزق کو منسوب کرے تو اگر مجاز یا تاویل مقصود نہ ہو تو اس آیت مجیدہ کی رو سے وہ شرک کا مرتکب ہوگا

لہذا تشیع کی طرف منسوب ہوتے ہوئے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی یا آئمہ یا محمد و آل محمد رزق دیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ

رازق خدا ہے اور یہ وسیلہ ہیں جیسے کہ بہت سی احادیث میں اس قسم کا مضمون موجود ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا پس اگر

آل محمد کی خلقت نہ ہوتی تو نہ کوئی مخلوق ہوتا اور نہ کوئی مرزوق ہوتا۔ یعنی لَوْلَا لَك لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ کا مفہوم مراد لیا

جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ خدا بالکل الگ تھلگ ہے اور خلق یا رزق یا دیگر صفات مخصوصہ

النبیہ بلکہ نظام کائنات کے تمام تر محرک و ذمہ دار بھی ہیں۔ حتیٰ کہ بقول بعض جہال خدا ان کا محتاج ہے تو یہ کلمہ شرک و کفر و الحاد

ہے۔ بنا بریں حاجت مند انسان کو اپنی حاجت صرف اللہ کے سامنے ہی پیش کرنی چاہیے اور اسی سے ہی اپنی حاجت روانی

کی دعا کرے۔ زندگی وہی بڑھاتا ہے۔ موت اسی کے یہ قدرت میں ہے۔ رزق کی کمی و بیشی اسی کے اختیار میں ہے۔ اولاد وہی دے سکتا ہے۔ بیماری یا تندرستی اسی کی جانب سے ہیں۔ کسی معاملہ میں فتح و نصرت کے اسباب اسی کی مہربانی سے مہیا ہو سکتے ہیں۔ بہر کیف سب نفع و نقصان کا مالک وہی ہے۔ اور چونکہ محمدؐ آل محمدؐ اس کی تمام مخلوق میں سے بہتر و برتر اور سید و سردار ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں ان کی اس قدر قدر و منزلت ہے کہ انسان اس کا ادنیٰ سا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لہذا انہی کے واسطہ اور وسیلہ سے دعا جلد مستجاب ہوا کرتی ہے اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی بھی مجھے ضرورت ہو تو میں خدا سے مانگتا ہوں یہ اور اس قسم کی فرمائشات تا قیامت تمام انسانوں کے لئے ایک مینار ہدایت اور چراغ راہ ہیں کہ ان کو یہ نظر رکھنے کے بعد کوئی انسان راہ توحید سے بھٹک نہیں سکتا۔ آیت مجیدہ میں مستقر سے مراد باپ کی صلب اور مستودع سے مراد ماں کا رحم ہے یا مستقر سے مراد جلئے رہائش و سکونت اور مستودع سے مراد قبر اور جلئے دفن ہے۔

وَهُوَ الَّذِي - رزق کے بعد فرماؤں کا مسئلہ بھی واضح فرمادیا کہ جو اللہ تمام کائنات کو رزق دے رہا ہے اس ساری کائنات کا خالق بھی وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا یعنی اس کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ چیزوں کی پیدائش اسباب و ذرائع سے ہوتا کہ لوگ اس کو امر اتفاقی نہ قرار دیں ورنہ وہ چشم ندون میں بھی پیدا کرنے پر قادر تھا۔ اس مسئلہ کے متعلق تفسیر مذکور کی چھٹی جلد ص ۱۲۱ میں اور اسی جلد کے سورہ یونس کے پہلے رکوع میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ اور تفسیر جامع میں اس کی تاویل یہ بھی مذکور ہے کہ خداوند کریم نے جنات کو بروز ہفتہ (سیخرا) زمین کو بروز یکشنبہ (الوار) زمین پر بسنے والی ذی روح مخلوق کو بروز دوشنبہ (سومار) نباتات کو بروز شنبہ (منگلوار) پرندوں کو بروز چہار شنبہ (بصوار) اور آسمانوں اور دیگر علوی مخلوق کو بروز پنجشنبہ (خمیس یا جمعرات) خلق فرمایا اور اس طرح چھ دنوں میں ان کی خلقت تمام ہوئی۔ اور پھر جمعہ کے روز حضرت آدم کو خلق فرمایا۔ گویا شمسی دور کی ابتدا بھی جمعہ کو ہوئی۔ کیونکہ عالم عدوی کی خلقت جمعرات کو مکمل ہوئی۔ پس دور فلک کی ابتداء اور سورج کی گردش جمعہ سے شروع ہوئی۔ اور اسی سے قبل ایام کی تعیین صحت سمجھانے کے لئے ہی ہے کہ اگر شمسی نظام ہوتا تو یوں کہا جاسکتا تھا۔ اب یہ کہنا کہ اس طرح سے ایجاد و خلق کیوں ہوئی۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بہر کیف اس پر ایمان لانا ہمارا فرض ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا۔ اب کیوں یا کس طرح یا کیسے؟ تو اس کا علم وہ خود جانتا ہے جس نے ایسا کیا۔ اور یا وہ جانیں جن کو اس نے اس کا علم دیا۔

وَكَانَ عَرَشُهُ - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پانی اور عرش پہلے تھے اور نبی البلاغہ کے ایک خطبہ میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے جہاں ابتداء خلق عالم کا واقعہ بیان فرمایا ہے اس میں بھی یہی ہے کہ خدا نے ہوا کو پیدا کیا جس نے پانی میں تلاطم پیدا کر کے ہوا بنائی اور وہ منجھ ہر کر زمین بنی۔ اور

عرش خدا

اس کے بخارات اُڑ کر آسمان بنے۔ آج کل کے محققین آسمان کو ایک ٹھوس جسم نہیں مانتے بلکہ جہتِ علو کا نام آسمان رکھتے ہیں۔ اور اس کی تائید قرآن مجید کی متعدد آیات میں بھی ہے۔ جیسے فرماتا ہے کہ ہم نے آسمان سے بارش برساتی۔ اور سورج اور چاند یا سیاروں کا آسمان میں چکر لگانا جہاں مذکور ہے۔ اس سے مراد ان کے جہتِ علو میں وہ مدارات ہیں جن پر اپنے خالق کی تدبیرِ حکم کے ماتحت ہمیشہ گردش کرتے نظر آتے ہیں کہ اس اپنے مدار سے ذرہ بھر ادھر ادھر نہیں ہو سکتے بلکہ آج کل کے انکشافات و تجربات بلکہ مشاہدات نے اس نظریہ کو ایک حقیقت ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ ترقی یافتہ ممالک سے چاند تک راکٹ بھیجے جا رہے ہیں اور پچھلے دنوں کے اخبارات میں یہ خبر عام شائع ہوئی کہ امریکی راکٹ بھیجے جا رہے ہیں۔ بلکہ ایسی سائنس دان چاند پر اتارنے کے لئے کچھ مٹی اٹھا بھی لائے اور ٹیلی ویژن میں بیٹن آئی انکو چاند پر چلنے پھرنے بھی دکھایا پھر زہرہ پر راکٹ کا اترنا بھی اخبارات نے بتایا۔ اور ساتھ ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہوئی کہ مستقبل قریب میں انسان بردار جہاز بھی وہاں پہنچے گا۔ لہذا ان تحقیقات کی بنا پر افلاک کے خسر و والقیام کے محال ہونے کا مسئلہ ایک فرسودہ خیال سے زیادہ کوئی وقعت و اہمیت نہیں رکھتا۔ اور جناب رسالت مآب کے معراج کے متعلق شکوک و شبہات کی سب سے بڑی حصار بھی (مسئلہ خرق والقیام) خود بخود منہدم ہو گئی۔ اور انسان نے اپنی حدود و امکان تک بلندیوں کو سر کر کے جناب رسالت مآب کے معراج پر ایمان لانے کی راہیں ہموار کر دیں کہ اگر ایک عام انسان کوشش و محنت سے آسمانوں کی بلندیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اور چاند و زہرہ پر ڈیرہ ڈال سکتا ہے تو چرخ چہارم تک عیسے کا جانا یا قاب قوسین ادا دلی کے مقام تک حبیبِ خدا کا جانا جب کہ لے جانے والا خود وہی تھا، کیسے بعید از عقل قرار دیا جاسکتا ہے۔

چونکہ باقی سب کائنات کی خلقت کی ابتدا پانی سے ہوئی تو عرش کا پانی کے اوپر ہونے کا مقصد شاید یہ ہو کہ خدا کی سلطنت و حکومت اس پر محیط و غالب ہے اور انسان جتنا ترقی کر کے عروج کرے وہ اس پانی سے اٹھنے والے بخارات تک ہی پہنچے گا۔ اور ان تمام حدود کو طے کر کے عرشِ خداوندی تک پہنچنا اس کے بس سے باہر ہے۔ ہاں وہاں تک وہی جاسکتا ہے جسے وہ خود لے جائے۔

لَيْسَ لَكُم مِّنْهُ مَوْلًىٰ - یعنی اس تمام مخلوق کو پیدا کر کے تمہیں پیدا کیا اور عقل و شعور عطا کیا تاکہ تم میں سے احسان شناسوں اور احسان فراموشوں کا فرق ہو اور تمہاری آزمائش کی خاطر تمہیں نیک و بد کے اختیار میں مجبور نہیں کیا۔

لَمَّا قُلْنَا - یعنی یہ لوگ اس قدر غافل اور سرکش ہیں کہ ان سے اگر کہا جائے کہ تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو باور ہی نہیں کہتے حالانکہ اگر ذرہ بھر تامل کرتے تو انہیں آسانی سے پتہ چل سکتا تھا کہ جو خدا اس قدر بڑے نظام کے پیدا کرنے پر قادر ہے تمہارے لئے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا تو اس قدر مشکل نہیں ہے۔ اور اس ساری تفہیم کے بعد بھی وہ عقل کے اندھے کہہ دیتے ہیں کہ حضور جادو کی سی بات کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس میں حقیقت نہیں ہوتی بلکہ صرف آنکھوں کا دھوکا ہوتا ہے حشر و نشر کی باتوں کو وہ اسی طرح ایک بے حقیقت اور ٹھہراتے ہوئے اپنے نفسوں کو دھوکا دیتے ہیں

الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لِّيَقُولَنَّ مَا يَجِبُ سُدًّا ۖ أَلَا يَوْمًا يَأْتِيهِمُ

عذاب کو ایک وقت میں تک ترکیبیں گے کس نے اس کو روکا ہے ؟ جنہاں جس دن آئے گا تو

لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨﴾

نہ روکے گا ان سے اور آتے گا ان پر وہ جس کے ساتھ مسخری کرتے ہیں

وَلَئِن أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيُؤْسِكُفُورًا ﴿٩﴾

اور اگر ہم چکھائیں انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) پھر چھین لیں اس سے تو وہ یائوس و منکر ہوتا ہے

أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ ۖ قرآن مجید میں اُمت کا اطلاق، معانی میں وارد ہوا ہے (۱) مذہب جیسے فرماتا ہے كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً یعنی لوگ ایک مذہب پر تھے (۲) جماعت جیسے فرماتا ہے وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ لَيْسَتُونَ۔ یعنی وہاں دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت پانی لے رہی تھی (۳) ایک فرد جیسے إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً۔ تحقیق ابراہیم ایک اُمت تھا۔ (۴) قوم جیسے إِنَّ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ (۵) اُمتِ مَحْصِيٍّ جیسے أَرْسَلْنَاكَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مِّنْهُمْ لِيحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَدِينَا بِنُورِنَا أَوْ يَكْفُرُوا بِالنُّورِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنَّا لَئِن لَّمْ يَأْتُواكَ بِبُرْهَانٍ كَثِيرٍ أَنتَ بِنُورِنَا لَمَكْفُورٌ ۚ جیسے وَإِذْ كَرَّمْنَا نُوْحًا إِذْ أَخْبَرَهُ بِآيَاتِنَا ۚ وَكَرَّمْنَا لِيُؤْتِيَ الْأُمَّةَ الْكَافِرَةَ ۚ وَجَعَلْنَا لِيُؤْتِيَ الْأُمَّةَ الْكَافِرَةَ ۚ جیسے وَإِذْ كَرَّمْنَا نُوْحًا إِذْ أَخْبَرَهُ بِآيَاتِنَا ۚ وَكَرَّمْنَا لِيُؤْتِيَ الْأُمَّةَ الْكَافِرَةَ ۚ وَجَعَلْنَا لِيُؤْتِيَ الْأُمَّةَ الْكَافِرَةَ ۚ عرصہ اور وقت کے بعد یاد کیا رہا، خلق جیسے تَدْرِي كُلَّ أُمَّةٍ جَانِيَةً ۚ تمام خلق کو وہاں پڑا دیکھو گے۔

اس مقام پر اُمت کا معنی وقت بھی لیا گیا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ اگر ہم نے ان لوگوں کو ایک وقت میں تک مہلت دے دی تو کہنے لگتے ہیں کہ تمہارا عذاب کہاں گیا۔ اس کو کس نے روک رکھا ہے ؟ یعنی عجلت عذاب کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اور استہزاء کرتے ہیں۔ اور اُمت کا معنی یہاں جماعت بھی کیا گیا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کے وہ اصحاب ہیں جن کی تعداد اصحاب بدر کے برابر یعنی ۳۱۳ ہوگی۔ اور موسم خریف کے بادلوں کی طرح فوراً ایک جا ہو جائیں گے۔ اور تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کا معنی یہ منقول ہے کہ اگر ان منافقوں اور کافروں کے عذاب کو ہم تا ظہور قائم آل محمد موعود کرتے ہیں تو یہ لوگ ازراہ مسخر و استہزاء کہتے ہیں کس چیز نے اس کو روک رکھا ہے اور وہ کیوں ظہور نہیں کرتا۔ بے شک آئے اور ہمیں سزا دے اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ کسی قائم کا وجود نہیں ہے۔ لہذا انتظار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پس خدا ایسے لوگوں کو متنبہ فرماتا ہے کہ جب وہ آئے گا تو پھر عذابِ خدا سے بچنے کا کوئی سہارا نہ ہوگا۔ اور جس چیز کا مسخر و استہزاء کرتے ہیں اس کا وبال ان کو اپنے احاطہ میں لے لے گا۔

وَلَئِن ۙ - انسان کا عام دستور ہے کہ جب خوش حالی کے بعد خدا اس سے کوئی نعمت لے لے

تو وہ یائوس ہو جاتا ہے۔ یعنی صبر نہیں کرتا اور جب دکھ کے بعد خدا اس کو آرام عطا

رکوع نمبر ۲ - صبر و شکر

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرِّ أَعْمَسَتْهُ لَيَقُولُنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي

اور اگر چکھائیں اس کو سکھ (کامرا) بعد دکھ پہنچنے کے تو کہتا ہے گئی سختیاں مجھ سے تحقیق

إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿۱۰﴾ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

وہ خوش خوش اگر مٹتا ہے سوائے ان کے جنہوں نے صبر کیا اور عمل نیک کئے ایوں کے لئے

مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ

مغفرت اور بڑا اجر ہے پس شاید تو چھوڑنے والا ہے بعض اس کو جو وحی کی گئی تیرے پر اور

بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا أَلَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهِ كِتَابًا مَّا يَتْلُونَ

تیرا دل تنگ ہوا ہے اس سے کہتے ہیں کیوں نہیں اتارا گیا اس پر عزا نیا یہ کہ (کیوں نہیں) آیا ساتھ اس کے فرشتہ؟

زمانے تو شکر نہیں کرتا بلکہ زیادہ اگر مٹتا اور لوگوں کے سامنے فخر کرتا پھرتا ہے۔ ہاں ایسے خدا کے بندے بھی موجود ہیں جو مصیبت کے وقت بجائے مایوسی کے صبر کرتے ہیں۔ اور راحت کے وقت بجائے اگڑنے کے شکر کرتے ہیں۔ پس انہی کے لئے اجر کبیر ہے۔ میں نے مواظظ کی ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عابد کی تلاش میں نکلے۔ ایک عابد کے ہاں پہنچے پھر دوسرے عابد کے پاس گئے اور اُس نے بڑے عابد کا پتہ دیا۔ جب اس کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ ایک لوہار ہے جو اپنی حلال کمائی میں مشغول ہے اور زبان پر شکر پروردگار جاری ہے۔ موسیٰ نے پوچھا۔ تیری زیادتی عبادت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا حلال رزق کمانا ہوں اور واجبات ادا کرتا ہوں۔ دوکان کی آمدنی میں سے ایک حصہ مالک کو دوسرا حصہ بچوں کے لئے اور تیسرا حصہ فی سبیل اللہ سدا کیلین کو دیا کرتا ہوں۔ پس اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ سختی پر صبر کرتا ہوں اور نعمت پر شکر کرتا ہوں۔ آمدنی کم ہو جائے تو گھبراہٹ و مایوسی کا اظہار نہیں کرتا اور زیادہ ہو جائے تو اتراتا اور اگر مٹتا نہیں ہوں۔ اُس نے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ تو جواب دیا کہ موسیٰ بن عمران کے وطن سے تو اُس نے کہا کہ گھر جانے کا کیا خیال ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا۔ جانا چاہتا ہوں تو اُس نے ایک بادل کو حکم کیا وہ فوراً حاضر ہوا۔ اور پوچھا کہاں برسے گا۔ تو اُس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ پر پھر اس کو روانہ کر کے دوسرے کو بلا لیا۔ پھر تیسرے کو آخر ایک نے کہا کہ میں موسیٰ کے ملک پر جاؤں گا تو عابد نے حضرت موسیٰ کو سوار کر کے روانہ کیا۔ جب آپ کوہ طور پر پہنچے تو عرض کی۔ اے پروردگار! تجھے اس لوہار کی کونسی عادت پسند آئی۔ ارشاد ہوا کہ وہ میری قضا پر راضی۔ میری آزمائش پر صابر اور نعمتوں پر شاکر ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی کا مضمون وارو ہے کہ مَنْ لَمْ يَصْبِرْ عَلَىٰ بِلَادِيْ وَلَمْ يَشْكُرْ عَلَىٰ نِعْمَاتِيْ وَلَمْ يَرْضَ لِقَضَائِيْ فَلْيَخْرُجْ مِنْ اَرْضِيْ وَسَمَاوِيْ وَلْيَعْبُدْ رَبَّآ سِوَايْ۔ یعنی جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو۔ میری آزمائش پر صبر نہ کرے اور میری نعمتوں کا شکر نہ کرے تو میری زمین سے نکل جائے اور کوئی دوسرا خدا تلاش کرے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ

جو چاہتا ہو زندگی دنیا اور اس کی زینت تو پورا (بدلہ) دیں گے ان کو ان کے اعمال کا اس میں اور وہ اس

فِيهَا لَا يُجْحَدُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْأُخْرَةِ إِلَّا النَّارُ وَ

میں نہ خسارہ دیے جائیں گے ایسوں کا نہیں آخرت میں مگر جہنم اور

پر افترا کا الزام تراشنے والوں کو چیلنج ہے کہ اگر رسول نے اپنی طرف سے یہ کلام پیش کیا ہے تو تم بھی اہل لسان ہو۔ اس جیسا پورا قرآن نہ سہی۔ اس جیسی دس سورتیں تو لے آؤ۔ اور اپنے تمام فصحاء و بلغاء کو اور اپنے نام نہاد خداؤں کو بھی بلا لو۔ پس اس سب کاوش و کوشش کے باوجود بھی اگر قرآن جیسی دس سورتیں دیکھتے تھے بالائے توحید کی بنا پر ایک سورہ کا چیلنج بھی کیا جیسا کہ سورہ یونس کی آیت نمبر ۳۸ میں گذرا ہے، بھی نہ لاسکو تو سمجھ جاؤ کہ بشر کا کلام نہیں ورنہ تم اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے۔ پس تمہارا مقابلہ سے عاجز آ جانا اس کے کلام خدا ہونے کی اٹل دلیل ہے۔

مَنْ كَانَ - اس آیت کے مصداق تمام وہ لوگ ہو سکتے ہیں جن کے اعمال اس قابل نہ ہوں کہ وہ جنت میں مومن کا انجام

جاسکیں اس لئے کہ ان کا اعتقاد درست نہ تھا۔ پس کافر مشرک منافق وغیرہ اگر صد خیرات یا صلہ رحمی یا غریب پیدی یا رفاہ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لیں۔ اور انسانی خدمات کو خلوص سے بجالائیں تو چونکہ ان کا ایمان رست نہیں ہے لہذا خدا اپنی عدالت کے پیش نظر ان کو دنیا میں بدلہ دے گا۔ مثلاً وسعت رزق، کثرت اولاد جہاں و عزت، مال و دولت صحت و تندرستی، عیش و آرام اور طول عمر وغیرہ اور اگر کسی کی نیکیاں زیادہ ہوں گی تو قیامت میں ان کے دائمی عذاب میں یک گونہ کمی کر دی جائے گی۔ بہر کیف جنت میں نہیں جاسکے گا۔ اور یہاں کاری والے اعمال کا بھی یہی حال ہے۔ اور حدیث نبوی میں بھی ہے کہ جو دنیا میں ریا کے لئے عمل کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور ضبط اعمال کا یہی مقصد ہے کہ ان کے اعمال کی جزا جنت میں قرار دی جائے گی جب کہ ایمان کی صورت میں وہ اعمال جنت کی کلید ہوتے اور ہم نے ضبط اور ضبط کے درمیان فرق تفسیر کے مقدمہ میں صفحہ ۲۳ پر ایک عنوان مستقل کے ماتحت مفصل بیان کیا ہے جو کافی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ لہذا اس کا مطالعہ کر کے مقصد کو خوب سمجھئے اور خلاصہ یہ کہ ضبط کا معنی یہ ہوتا ہے کہ عمل ہو اور اس کی جزا کو ضبط کیا جائے اور یہ صفت خدا میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عدل کے منافی ہے۔ اور ضبط کا معنی یہ ہے کہ عمل وہ عمل ہی نہیں جو جزا کے قابل تھا۔ کیونکہ عمل کے ساتھ شرائط تھیں۔ مثلاً ایمان اور خاتمہ بالخیر ہونا اور ریاکار نہ ہونا اور خلوص وغیرہ۔ پس ان شرائط کی عدم موجودگی میں وہ عمل گویا عمل ہی نہ رہا۔ جو آخرت میں جزا کے قابل ہوتا۔ پس دنیا میں اس کو اس کی محنت و کاوش کا بدلہ پورا ملے گا۔ چنانچہ تفسیر مجمع اللبیبان میں مروی ہے کہ ایک صحابی نے ایک عورت کی طرف دست درازی کی اور زینت بد سے اس کا تعاقب کیا تو راستہ میں اس کی پیشانی پر دیوار کے ٹکڑے سے چوٹ لگی۔ حضور کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا نے تجھے تیرے گناہ کی سزا دنیا میں دے دی۔ کیونکہ جب

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ

برباد ہو گا وہ جو کیا دنیا میں اور باطل ہوئے وہ جو عمل کرتے تھے کیا جو شخص ایک برہان پر ہو

بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً

اپنے رب سے اور اس کے پیچھے اسی سے شاہد بھی موجود ہو حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ بھی گدزی جو امام و رحمت تھے

خدا انسان کو آخرت میں مبتلائے عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے دنیا کی سزا کو روک لیتا ہے اور جب آخرت میں اس کو جنت دینا چاہتا ہے تو گناہوں کی سزا اس کو دنیا میں دے دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کافر کو اپنے اچھے اعمال کی جزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ اور آخرت میں کوراہو کر صرف استحقاق جہنم لے کر جاتا ہے اور سخت ہوائیں پھینکا کا یہی مطلب ہے۔ اور مومن کو بد اعمالیوں کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ روایات میں ہے مومن کو اگر کاشا چھبے یا چوٹ لگے یا جمانی و روحانی کوئی تکلیف پہنچے یا مال و اولاد کا کوئی صدمہ ملے تو یہ اس کے بعض گناہوں کا کفارہ ہوا کرتا ہے اور بعض ایسے گناہ ہوا کرتے ہیں جن کا کفارہ بے گناہ قتل ہو جانے سے ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کے ذمہ کچھ گناہ رہ جائیں تو مرمت کی سختی اس کا کفارہ بن جاتی ہے اور اس سے بھی بچیں گے تو قبر میں ان کی سزا مل جائے گی۔ بہر کیف خدا چاہتا ہے کہ مومن جب قیامت کو میدان حشر میں آئے تو اس کے اعمال میں نیکیوں کی کثرت ہو۔ اور بے حساب جنت میں جائے اور اگر برائیوں کی زیادتی کی وجہ سے کچھ باقی ہوں گے تو حساب و کتاب تک ان کا قصہ پاک ہو جائے گا اور خالص نیکیاں لے کر جنت میں جائے گا اور آماہن ثقلت ہوائیں پھینکا کا یہی مطلب ہے جیسا کہ ایک سابق حدیث نبوی بھی اسی مضمون کی شاہد ہے۔

بہر کیف مومنین کو اپنے گناہوں کی کثرت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے بیدہ ہے کہ مومن کو جہنم میں ڈالے وہ شخص جس نے دنیا میں لادینیت کے ہمہ گیر طرفان کا سینہ تن کو مقابلہ کرتے ہوئے دین کا پرچم بلند رکھا ہو۔ وہ شخص جس نے دہریت اور الحاد کے سامنے سیدہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو کر توحید پرستی کی دعوت دی ہو۔ وہ شخص جس نے اس کی کتاب قرآن اور اس کے انبیاء و اولیاء سے اپنا معبود حقیقی سمجھ کر کلمہ توحید زبان پر جاری کیا ہو۔ وہ شخص جس نے اس کی کتاب قرآن اور اس کے انبیاء و اولیاء کے نام و نشان کی بقا کی خاطر دنیاوی ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرتے ہوئے زندگی کے لمحات کو خوشیوں، عیاشیوں اور رنگ رلیوں سے الگ رکھا ہو۔ اگر ایسے شخص سے کسی وقت یا بسا اوقات لغزشیں بھی سرزد ہوتی رہی ہوں جو اس کے دین سے بغاوت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی کوتاہیوں کا احساس کرتے ہوئے تو وہ عالم الغیب عادل و حکیم کیسے اس کے خلوص کو نظر انداز فرما کر فروعی لغزشوں کی خاطر اس کو جہنم کے دائمی جیل خانہ میں بھیجے گا۔ ہاں اس کے رحم و کرم اور فضل و عطا سے توقع یہ ہے کہ وہ مومن کی دنیاوی تکالیف کو اس کے گناہوں کا عوض قرار دے گا۔ اور آخرت میں اسے جنت الفردوس میں جگہ دے گا۔ پس تمام اہل ایمان ایسے رحیم و کریم خدا کے سامنے نعمت ایمان کا شکر ادا کرتے ہوئے

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ط وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ

وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر اور جو انکار کرے گا اس کا لوگوں میں سے تو جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا پس نہ ہو شک

فِي مِرْيَةٍ مِنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾

میں اس سے تحقیق وہ حق ہے تیرے رب سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

اپنے گناہوں سے توبہ کی کوشش کریں اور مجھ کو گناہگار کے لئے بھی دعا خیر فرماویں۔

أَمَّنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْتِنَا - وہ دلیل و برہان جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دے وہ بیتنا ہے۔ استفہام سوال کے لئے نہیں بلکہ تقریر کے لئے اور بات کو پکا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ من موصولہ ہے اور کان اس کا صلہ ہے۔ اور یشکو کا عطف کان پر ہوگا اگر اس کو کان نام قرار دیا جائے ورنہ علی بیتنا کے متعلق پر ہوگا۔ اور اس کے بعد کتاب کا عطف شاید پر ہوگا یعنی یشکوہ کتاب موسیٰ۔ اور اِمَامًا وَرَحْمَةً دونوں حال ہیں اور ان کا ذوالحال کتاب موسیٰ ہوگا۔ پس موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر بنتا ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ أَمَّنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْتِنَا مِنْ رَبِّهِ وَعَلَىٰ الْأَوْصَانِ الْمَذْكُورَةِ كَمَنْ لَكِنِ عَلَىٰ بَيْتِنَا - یعنی جو شخص ایک واضح برہان پر ہو۔ یعنی قرآن مجید جیسی کتاب اس کے پاس ہو۔ اور اس کے پیچھے خود اسی سے اس کا شاہد بھی موجود ہو۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تورات بھی شہادت دے چکی ہو جو لائق اقتدا اور باعث رحمت تھی اور یہ اس پر ایمان رکھتے ہوں تو یہ ان کی مثل قرار دئے جاسکتے ہیں۔ جن کے پاس کوئی برہان و دلیل نہ ہو اور نہ کوئی ان کا شاہد ہو۔

یشکوہ۔ میں اگر ضمیر غائب کا مرجع من ہو تو معنی یہ ہوگا کہ صاحب برہان کے پیچھے اس کا شاہد اسی سے موجود ہے۔ برہان و دلیل سے مراد قرآن مجید اور صاحب بیتنا حضرت محمد مصطفیٰؐ ہوں گے اور اگر ضمیر غائب کا مرجع بیتنا کو قرار دیا جائے۔ اس لحاظ سے کہ بیتنا کو برہان کی تاویل میں لیا جائے تاکہ ضمیر و مرجع میں مطابقت پیدا ہو جائے تو معنی یہ ہوگا کہ محمد مصطفیٰؐ بیتنا و برہان پر ہیں جو قرآن ہے اور اس کی تلاوت کرتا ہے جو اس کا شاہد اسی سے ہے۔

شَاهِدٌ مِنْهُ - یعنی وہ شاہد جو صاحب بیتنا میں سے ہو۔ تفسیر مجمع البیان میں امام

حضرت علیؑ رسول کا شاہد ہے

محمد باقر علیہ السلام اور امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں شاہد

سے مراد حضرت علیؑ ہیں اور علامہ حلی نے ذکر کیا ہے کہ جمہور نے یعنی اہل سنت نے بھی اس مقام پر شاہد سے مراد حضرت علیؑ کو لیا ہے۔ لہذا یہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی خلافت پر نص ہے اور فضل بن رُوذ بہان نے اہل سنت کی تفسیروں میں اس حوالہ کا موجود ہونا تسلیم نہیں کیا لیکن دلائل الصدقؑ میں اسے تفسیر اہل سنت سے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شاہد کے معنی کے متعلق چند وجوہ ذکر کئے ہیں۔ اور تیسری وجہ یہ بیان کی کہ اس سے مراد حضرت علیؑ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا ایسے لوگ پیش کئے جائیں گے اپنے

رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْإِشْهَادُ هُوَ كَذِبٌ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ

رب پر اور کہیں گے گواہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جھٹلایا اپنے رب کو خبردار اللہ کی

اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا

لعنت ہے ظالموں پر جو روکتے ہیں راہِ حلا سے اور کج بچتی کرتے ہیں اس میں

سے حال ہوں اور معنی یہ ہو کہ حضرت موسیٰ اپنی اُمت کے لئے امام اور باعدتِ رحمت تھے۔ اور حضرت علی کی شہادت کے بعد تورات کی شہادت کو تائید کے لئے پیش کیا گیا۔ یعنی رسول کے شاہد ہونے میں حضرت علی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور حضرت موسیٰ کی کتاب کی شہادت کو تائید کے لئے پیش کیا گیا۔ یعنی رسول اللہ کے صادق و برحق ہونے کے شاہد تورات کے وہ بیانات ہیں جن میں حضرت موسیٰ کو حضور کی آمد کی خبر دی گئی تھی اور موسیٰ نے اُمت کو پیشین گوئی کی تھی۔ چنانچہ جن یہودیوں نے اسلام کو قبول کیا تھا اس کی زیادہ تر وجہ تورات کی پیشین گوئیاں تھیں جن میں حضرت رسالت مآب کے اوصاف تک درج تھے۔

الْحِزْبِ ۚ ۱۳۱۔ اس جگہ حزاب مراد مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا تھا کہ لوگوں میں سے جس کے کانوں میں میری دعوت پہنچے گی۔ اور وہ ایمان نہ لائے گا خواہ یہودی ہو یا نصرانی تو وہ اصحابِ نار سے ہوگا۔ احزاب جمع ہے حزب کی۔

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ ۱۹۹۔ یہ بھی خطاب حضور کی طرف ہے اور مراد ساری اُمت ہے۔

تفسیر جامع میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے لوگوں پر پانچ چیزیں واجب کی تھیں۔ انہوں نے چار کو لے لیا اور پانچویں کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا وہ کونسی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ لیکن وہ پانچویں جس کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے وہ ہے ولایت علی بن ابی طالب۔ صحابہ نے عرض کی حضور علی کی ولایت خداوند کریم کی جانب سے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! اور پھر اس سے اگلی آیت آپ نے تلاوت فرمائی۔ بہر کیف روایات خاصہ و عامہ سے ثابت ہے کہ یہاں شاہد سے مراد حضرت علی ہے پس آیت مجیدہ آپ کی خلافت پر نص ہے۔

يُعْرَضُونَ ۱۸۔ یعنی اللہ پر افترا باندھنے والوں کو جب پیش کیا جائے گا تو ائمہ ہدایت کے زیرِ اہتمام کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب اور یا شہید کی جمع ہے جیسے شہید کی جمع اشرف اکرام انہوں نے جھٹلایا تھا اپنے رب کو یعنی اپنے رب کے رسول کو، ائمہ ہدایت سے مراد ائمہ کاتبین یا انبیاء لئے گئے ہیں لیکن تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد ائمہ طاہرین ہیں جو اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر شاہد ہوں گے

يَبْغُونَهَا ۱۹۹۔ یعنی دین حق پر جرح کر کے اور اس میں خواہ مخواہ کے اعتراضات کر کے اس کو لوگوں کی نظروں میں ٹیڑھا اور غلط

وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۹﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي

اور وہ آخرت سے انکاری ہیں ایسے لوگ نہیں ہیں عاجز کرنے والے زمین

الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ يُضَعِفُ لَهُمْ الْعَذَابُ

ہیں اور نہیں ہوگا ان کا کوئی اللہ کے سوا مددگار چند در چند کیا جائے گا ان کا عذاب

مَا كَانُوا لِيُطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

کیونکہ سن سکتے تھے (لیکن نہ سنتے تھے) اور دیکھ سکتے تھے (لیکن نہیں دیکھتے تھے) ان لوگوں نے

خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ

خسارہ ہیں ڈالا اپنے آپ کو اور ضائع ہوا ان سے وہ جو افترا باندھتے تھے لاریب وہی

أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل نیک

الصَّالِحَاتِ وَآخَبْتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳﴾

کئے اور بچھے اپنے رب کی طرف وہ لوگ جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔

مُعْجِزِينَ۔ یعنی یہ لوگ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے وہ زمین کے جن گوشے میں ہوں گے ہم آذان کو گرفتار کریں گے۔

يُضَاعَفُ۔ یعنی ایک عذاب کفر کا ہوگا اور اس کے اوپر فروعیات میں نافرمانی کا عذاب بھی ان کو ہوگا۔ یہاں مقصد ہے کہ تم قسم قسم کا عذاب ان کو دیا جائے گا۔

مَا كَانُوا لِيُطِيعُونَ السَّمْعَ۔ اس کا ایک معنی تو وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے گویا باء جارہ تعلیلیہ محذوف ہے۔ اصل میں تھا بِمَا كَانُوا لِأَلِيَةِ۔ یہاں کہ ماکونافیہ قرار دیا جائے کہ چونکہ وہ ان قوتوں کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ گویا وہ ہرے اور اندھے ہیں یہاں کہ مادام کے معنی میں ہو اور مقصد یہ کہ وہ معذب رہیں گے ہمیشہ۔ یعنی جب تک سنتے اور دیکھتے رہیں گے۔ یعنی جیتے رہیں گے اور تفسیر جامع میں ان کی تاویل دشمنان آل محمد کے حق میں ہے۔

وَآخَبْتُوا۔ یہ جنت سے ہے جس کا معنی ہے برابر ہونا۔ اور اجناس کا معنی اطمینان کا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی بات سے مطمئن ہوں۔ تفسیر جامع میں زید شحام سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْاَعْمَى وَالْاَبْصِرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيْنَ مَثَلًا

مثال ان دونوں فریقوں کی مثل اندھے برے اور بصیر و سميع کی سی ہے کیا دونوں برابر ہیں مثال میں

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلَىٰ قَوْمِهِ اِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۴﴾

کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ اور ہم نے بھیجا نوح کو اپنی قوم کی طرف (اس نے کہا) میں تمہیں (عذاب سے) ڈرانا چاہتا ہوں

اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّىْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْاَلِيمِ ﴿۲۴﴾ فَقَالَ

یہ کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی بھجے تم پر ڈر ہے دروناک دن کے عذاب کا تو کہہ

الْمَلَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰكَ

ان سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے ہم تمہیں نہیں دیکھتے مگر بشر اپنے جیسا اور نہیں تجھے دیکھتے

اَتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اٰمَآءٌ لِّمَا بَادَى الرَّآى وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا

کہ تیری اتباع کی ہو مگر ان لوگوں نے جو گھٹیا ہیں ظاہر میں اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی

ہمارے پاس ایک شخص ہے کلیب نامی کہ آپ کی جانب سے جو حدیث بھی وہ سنتا ہے اس کو فوراً تسلیم کر لیتا ہے حتیٰ کہ ہم نے اس کا نام کلیب تسلیم رکھا ہے۔ پس آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور پھر پوچھا کہ جانتے ہو تسلیم کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ یہی ترابجات ہے۔ جس کے متعلق خدا قرآن میں فرماتا ہے وَ اَخْبَسُوْا - الایۃ۔

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ - یعنی کافر چونکہ مظاہر قدرت دیکھ کر اور براہین توحید سن کر اثر نہیں قبول کرتے تو ان کو اندھا اور بہرہ کہا گیا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ہم دیکھ سُن کر عقل کی کسوٹی پر رکھتا ہے۔ اور جو چیز واجب القبول ہو اسے قبول کرتا ہے لہذا اس کو بصیر اور سميع کہا گیا ہے۔

اس سے قبل سورہ یونس کے تیرھویں رکوع میں اور تفسیر کی چھٹی جلد ص ۲۴ تا ص ۲۵ میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اس سورہ میں

رکوع نمبر ۳ - حضرت نوح کا ذکر اور معیار نبوت

بھی دعوتِ عبادت و معرفت کے بعد گزشتہ انبیاء کے قصے بیان کرتے ہوئے پہلے حضرت نوح کا ذکر کیا ہے تاکہ نافرمانوں کے لئے باعثِ عبرت اور سنجیدہ کے لئے باعثِ تسکین ہو۔

مَا تَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا - قرآن مجید میں گزشتہ امتوں کے حالات و خیالات سے اس امر کا خوب اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نبی کی دعوت کو کب و کج نہ بنا پر ٹھکراتے تھے۔ یہاں تین وجوہ کا ذکر ہے جس کی بنا پر حضرت نوح کی دعوت کو رد کیا گیا۔

۱، انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ آپ ہماری طرح بشر ہیں اور دلیل کا کبریٰ ان کے نزدیک مستحق تھا جس کو ذکر کرنیکی ضرورت

مِنْ فَضْلِ بَلِّ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ

زیادتی بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں کہا اس نے اے قوم کیا جانو؟ اگر میں ایک برہان

كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَآتَنِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ

پر ہوں اپنے رب سے اور آئی ہو میرے پاس رحمت اس کی کہ تم پر

فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنْزِلْكُمْ مَوَهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَرِهُونَ ﴿۲۸﴾

مخفی ہو گیا ہم ٹھونس دیں زبردستی تم پر جب کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو

ہی انہوں نے محسوس نہ کی کہ جو ہماری طرح بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید نے کسی مقام پر بھی ان کی دلیل کے صغریٰ کو چیلنج نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ وہ رسول یا نبی کو بشر کہنے میں حق بجانب تھے۔ بلکہ قرآن نے ان کے صغریٰ کو متعدد مقامات پر تسلیم کرتے ہوئے جگہ جگہ ان کی دلیل کے کبرئی کو رد فرمایا کہ بشر اور رسول میں کوئی منافات نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی فرمایا کہ میرے پاس

اپنے رب کی جانب سے دلیل موجود ہے اور اس کی رحمت کا میرے اوپر سایہ ہے۔ پس اگر یہ چیزیں تم نہیں دیکھ سکتے تو اس کا کیا علاج ہے۔ یعنی جس کو تم دیکھتے ہو کہ میں بشر ہوں وہ درست ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس خدا کی جانب سے

دلیل و برہان اور علم و ایقان بھی ہے جو نبوت کا لازمہ ہے۔ تمہیں اس کی معرفت حاصل کرنی چاہیے۔ اور اگر تم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تو دین میں جبراً کسی کو داخل نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ہم اس کو زبردستی تم پر ٹھونسنا نہیں چاہتے۔ اور تمہیں پھر بھی سوچنے کا موقع دیتے ہیں۔ غالباً ہر دور میں یہ موضوع محل نظر بنا رہا ہے کہ آیا نبی بشر ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ عموماً بشریت اور نبوت کو

ایک دوسرے کا منافی سمجھا جاتا رہا ہے اور تقریباً بلکہ یقیناً نور و بشر کا معرکہ الاراء و مشلہ بھی اسی ذہنی اضطراب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نور کو نبوت کا لازمہ اور بشر کو نور کا ضد جانتے ہوئے نبی کے لئے بشر ہونا ان کی توہین اور تنقیص سمجھی گئی ہے۔ اور یہ بالکل غلط اور بے بنیاد عقیدہ ہے بلکہ انتہائی جہالت ہے جو سابقہ اقوام نے نبوت کے انکار کی آڑ میں اختیار کر رکھی تھی۔ نور کی ضد

ظلمت ہے نہ کہ بشریت۔ پس بشر نورانی بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہ انبیاء و اولیاء اور بشر ظلماتی بھی ہوا کرتے ہیں جیسے کفار و مشرکین و منافقین انسانی صفات میں سے جس جس صفت کو دیکھتے اس میں یہ دونوں پہلو کار فرما ہیں گے اور جو پہلو غالب ہوگا۔ انسان اسی کی جانب منسوب ہوگا۔ مثلاً انسان میں علم کے نورانی پہلو کے مقابلہ میں جہالت کا ظلماتی پہلو ہوتا ہے۔ اور کامل عالم وہ ہے جس میں جہل کی ظلمت کا شائبہ تک نہ رہے۔ اسی طرح تمام صفات نیک و بد میں نیکی نورانی پہلو ہے اور اس کے مقابلہ میں بُرائی

ظلمانی و تاریک پہلو ہے اور بے عیب ہونا نورانی پہلو ہے۔ اور عیب دار ہونا ظلماتی پہلو ہے۔ پس صحیح معنوں میں کامل وہی ہوگا جو نقائص عیوب اور جراثیموں کے جملہ تاریک پہلوؤں سے پاک ہو۔ اور فضائل و کمالات اور نیکیوں سے آراستہ ہو کر نورانیت

اپنے اندر رکھتا ہو اور تمام انسان ان متضاد صفات سے واسطہ رکھتے ہیں اور شاید کوئی انسان ایسا ہو جس میں کوئی نیکی کا پہلو

موجود نہ ہو۔ اسی طرح عام انسانوں میں سے شاید کوئی انسان ایسا ہو جس میں کوئی بُرائی یا عیب کی تاریخ نہ ہو۔ اسی بنا پر خداوند کریم کا ارشاد ہے۔ **اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُهُمُ الظُّلُمَاتُ يُخْرِجُهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ**۔ الایۃ رخدادی ہے ایمان والوں کا کہ ان کو تاریکی و ظلمت سے نور کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اولیاء شیاطین ہیں جو ان کو نور سے نکال کر ظلمت و تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں ایسے کفر و نفاق و شرک سب ظلمات اور تاریکیاں ہیں اور ان کے مقابلہ میں اسلام و ایمان و ایقان کی منازل نور کی منزلیں ہیں پھر ایمان لانے کے بعد ہر گناہ ظلمت ہے اور ہر ایک نیکی نورانی بلند سی کی ایک منزل ہوتی ہے اور جس کو نیک کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کا نورانی پہلو ظلمانی پر غالب ہے اور جسے بد کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ اس کا ظلمانی پہلو نورانی پر غالب ہے۔

پس خدا کی جانب سے نمائندہ نبی یا امام وہی ہو سکتا ہے جس میں اعمال و کردار و افعال و اطوار کے لحاظ سے دیگر صفات بشریہ میں سے ظلمانی پہلو موجود نہ ہوں اور اسی کا دوسرا نام عصمت ہے۔ پس نبی کے نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان ظلمات سے پاکیزہ و منزہ ہے جن سے دوسروں کو نکالنے کے لئے دعوتِ اسلام لے کر آیا ہے ورنہ اگر خود ظلمات میں ڈوبا ہوا ہو تو وہ دوسروں کو نکالنے سے پہلے خود اپنی نجات کے لئے کسی دوسرے کا محتاج ہوگا۔ پس نبی کے لئے ضروری ہے کہ خود نور ہو اور دوسروں کو نور کی طرف بلائے اور اس لحاظ سے نور کی بشر سے کوئی منافات نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا بہانہ جو کفار کی جانب سے کسی نبی کی دعوت کو ٹھکانے کے لئے پیش کیا جاتا تھا وہ یہ کہ اپنی جو بہرا سرٹ اور برتری کو برقرار رکھنے کے لئے غر ب و مساکین کے پاس بیٹھنے سے نفرت کا اظہار کرتے تھے چونکہ اسلام مساوات کی دعوت دیتا ہے اور یہاں عزت و ذلت کا معیار ہے تقویٰ و عمل صالح پس جو متقی ہو گا وہ عزت دار ہو گا خواہ قوم میں پست اور دولت کے لحاظ سے ذلیل ہی کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور جو تقویٰ نہ رکھتا ہو وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہو گا خواہ قومیت، بلند اور دولت وافر ہی رکھتا ہو۔ لیکن چونکہ دنیا کے غرور میں مبتلا ریاست و امارت اور مال و دولت کے بل بوتے پر نخوت و تکبر کے خور عزت و ذلت کے اس معیار کو اپنی ظاہری وجاہت و جاہ و جلال پر ضرب کاری خیال کرتے تھے لہذا دعوتِ نبوی کو ٹھکانے کے لئے وہ یہ بہانہ ساتھ ساتھ پیش کرتے تھے کہ آپ کی اتباع تو غریب و کمزور لوگ ہی کرتے ہیں۔ اگر اس جماعت میں امرا ہوتے تو ہم بھی آجاتے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی یہ جواب دیا گیا۔ گویا مال و دولت، کبر و غرور اور جاہ و اقتدار کے نشے میں وہ لوگ عقل کے نقاشوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ بس دولت اور عیش و عشرت ہی حق ہے اور جو بھی نظر یہ اس سے ٹکرائے وہ باطل ہے اور نوح علیہ السلام نے اس کا جواب بھی وہی دیا کہ ہمارے پاس دلیل و برہان اور رحمت پروردگار ہے۔ اور تم لوگوں کے لئے بھی حق و باطل کا معیار دلیل و برہان ہونا چاہیے نہ کہ ظاہری اقتدار گویا دلیل کا صغریٰ مسئلہ ہے اور کبریٰ کو رد کیا ہے۔

۳۔ مانوٹھی۔ یعنی تم میں ہمارے اوپر کوئی برتری یا فضیلت نہیں ہے جس کی بنا پر ہم آپ کو نبی مان لیں اور آپ کی اتباع کریں گویا دلیل کا صغریٰ یہ ہوا کہ تمہاری ہمارے اوپر کوئی برتری یا فضیلت ثابت نہیں اور کبریٰ جو مسلمات میں سے تھا۔ جس

کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی کہ جس کی فضیلت ثابت نہ ہو۔ اس کی اتباع نہیں کرنی چاہیے۔ اس مقام پر بھی جواب وہی ایک ہے جو پہلے دونوں بہانوں کے لئے دیا گیا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے دو مقامات پر یہ جواب ان کی دلیلوں کے کبریٰ کو باطل کرتا تھا اور یہاں یہی جواب ان کی دلیل کے صغریٰ کو باطل کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ کبریٰ ان کا مسئلہ ہے۔ یعنی جو افضل نہیں ہے واجب الاتباع نہیں ہوگا لیکن صغریٰ دلیل کا درست نہیں کہ آپ ہم سے افضل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس نظریہ کے داعی ان کے پاس دو چیزیں تھیں۔ اور وہ اوپر دئے دو عذرہ ایک یہ کہ آپ بشر ہیں اور تم جیسے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ آپ کے اتباع غرباء طبقہ میں سے ہیں۔ یعنی ظاہری بشریت اور غربت سے انہوں نے نبی کو اپنے جیسا سمجھ لیا اور آپ کی افضلیت کا انکار کرنے لگے تو حضرت نوح نے وہی جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل و برہان اور اس کی رحمت کا سایہ رکھتا ہوں۔ یعنی فضیلت کا معیار مال و دولت یا ملک ہونا نہیں بلکہ اس کا معیار دلیل و برہان اور علم و یقین ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام یا دیگر انبیاء کے واقعات نیز گذشتہ اقزام کی انبیاء سابقین سے آویزش کے تذکرے صرف قصہ خدانی سے لطف اندوزی کے لئے نہیں بلکہ سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے اور غور و فکر کی راہیں ہموار کرنے کے اساسی دستور ہیں۔ اسی لئے تو ایک مقام پر فرماتا ہے کہ جو ایمان کو قبول کرے تو دیکھ جہاں کہ اور سوچ سمجھ کر کرے اور جو کفر کی طرف جائے تو وہ بھی سوچ سمجھ کر لیا کرے تو یہاں ذرا قوم نوح کے ہر سر نظر لوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے۔

○ صغریٰ۔ آپ بشر ہیں۔ کبریٰ۔ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ۔ آپ نبی نہیں ہو سکتے۔

○ صغریٰ۔ آپ کے اتباع غریب لوگ ہیں۔ کبریٰ۔ جس کے اتباع غریب لوگ ہوں وہ قابل اتباع نہیں۔ نتیجہ۔ آپ قابل اتباع نہیں

○ صغریٰ۔ آپ ہم سے افضل نہیں۔ کبریٰ۔ جو افضل نہ ہو اس کی اطاعت ناجائز ہے۔ نتیجہ۔ آپ کی اطاعت ناجائز ہے۔

پس تین اعتراضوں کے بعد انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ آپ کی دعوت جھوٹی ہے۔ بَلْ نُنظِّقُكَ كَاذِبًا (یعنی ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں)۔

حضرت نوح نے فرمایا میں رب کی طرف سے اپنی حقانیت پر دلیل و برہان رکھتا ہوں۔ اور اللہ کی رحمت میرے سر پر ہے پس پہلی اور دوسری دلیل کا کبریٰ باطل اور جواب اس طرح ہوا۔

○ میں بیشک بشر ہوں۔ اور جو بشر نبوت کے لئے تینہ و برہان رکھتا ہو وہ نبی ہو سکتا ہے۔ نتیجہ۔ لہذا میں برحق نبی ہوں۔

○ میری اتباع غریب کرتے ہیں۔ نبی برحق کی اطاعت کرنے والے حق پر ہیں خواہ امیر ہوں خواہ غریب۔ نتیجہ۔ پس میری اطاعت کرنے والے غریب حق پر ہیں۔

اور تیسری ان کی دلیل کا کبریٰ درست ہے لیکن صغریٰ غلط اور جواب اس طرح ہوگا۔

○ میں صاحب برہان نبی ہوں اور تم سے افضل ہوں۔ افضل کی اطاعت واجب ہے نتیجہ۔ پس میری اطاعت واجب ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ افضل کی اطاعت کرنے کا نظریہ عقلی و فطری نظریہ ہے جس کو کافر بھی تسلیم کرتے ہیں تو حقیقت صدیق

وَيَقَوْمًا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ

اور اے قوم میں نہیں مانگتا تم سے بدلہ میں مال مجھے اللہ ہی اجرو دے گا اور نہیں ہوں میں بھگانے والا

الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلْكُوا رَبِّهِمْ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۲۹﴾

ان کو جو ایمان لائے کیونکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں تو تمہیں جاہل قوم سمجھتا ہوں

وَيَقَوْمٍ مِّنْ تَبَعِي مَنْ يُصْرِنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۰﴾

اور اے قوم کون میری مدد کرے گا اللہ سے اگر میں نے ان کو بھگا دیا کیا تم نہیں سوچتے

ہے ان عقل و دانش کے اندھے انسانوں پر جو مسلمان کہلاتے ہوئے افضل کو مفضل کی اطاعت پر مجبور کرنا دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور حضرت علی کو افضل جاننے کے بعد ان کی خلافت بلافضل سے روگردانی اسی کو ریا باطنی کا نتیجہ ہے۔

وَيَقَوْمٍ - حضرت نوح کی قوم نے تین اعتراض کر کے آخر میں کہہ دیا کہ تم جھوٹے ہو۔ لہذا ہم تمہاری کوئی بات نہیں مانتے تو آپ نہایت حوصلہ اور متانت سے پھر ان کو سمجھاتے ہیں کہ تم نے میری بشریت کے پیش نظر میری نبوت کا انکار کیا۔ پھر اسی بنا پر غربت و افلاس کو ساتھ ملحوظ رکھتے ہوئے میری فسلیت کا انکار کیا تو چلو ایک معقول بات سن لینے میں تمہیں حرج کیا ہے کہ طیش میں آتے ہو۔ اور میں تم سے کوئی نفیس تو وصول نہیں کرتا کہ تم گھبر جاؤ میں تو تمہیں جو کچھ سنا تا ہوں، معفت سنا تا ہوں۔ کم از کم سن تو اور مجھے اس کا اجر خدا خود ہی دے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ میری بات ماننے والے تمہاری نظروں میں حقیر اور ذلیل لوگ ہیں تو ہوا کریں۔ مجھے بے ایمان دولت مند سے ایمان دار غریب اچھا ہے۔ لہذا تمہارے کہنے سے ان کو الگ کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں۔

۱۱) انہوں نے شریف و رذیل کا معیار مال و زر کو بنا رکھا تھا اور آیت کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے یہ کہا ہو گا کہ ان کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم ایمان لائیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس بیٹھنا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ تم نے شریف و رذیل کا جو معیار بنا رکھا ہے وہ غلط ہے بلکہ یہ لوگ تو اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں یعنی عزت اور شرافت کا معیار ہے۔ خوشنودی خدا اور رذالت کا معیار ہے دشمنی خدا۔ پس وہ لوگ اگرچہ غریب ہیں لیکن ایمان کی وجہ سے اللہ کے نزدیک عزت دار ہیں۔

۱۲) یہ انداز بیان اور طریق تبلیغ اسی کی ذات کے ہی شایان شان ہے۔ ان کے ہر سہ اعتراضات کا پہلا جواب یہ تھا۔ کہ میرے پاس نبوت کی دلیل و برہان ہے اور پھر فرمایا کہ اگر تم نہیں مانتے تو ایک معقول بات کے سننے میں غصہ کیوں کرتے ہو میں تم سے کچھ مانگتا تو نہیں ہوں۔

اب ذرا تیز لہجہ میں تیسرا جواب یہ ہے کہ تمہارے ہر سہ اعتراضات جہالت پر مبنی تھے۔ کیونکہ بشر اور نبی میں کوئی مسانعات نہیں بلکہ وہ نبی ہے جو اللہ کی جانب سے نبوت کی سند و برہان رکھتا ہو۔ اسی طرح مال و دولت نہ رکھنے والا رذیل نہیں ہوتا۔ بلکہ

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي

اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ

مَلِكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا مِنَ اللَّهِ

ہوں اور نہ کہتا ہوں ان کے متعلق جن کو تمہاری آنکھیں ذلیل سمجھتی ہیں کہ نہ دیکھا ان کو خدا اچھا بدلہ اللہ

أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا يَنْوُحُ قَدْ جَادَلْتَنَا

جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے (اگر میں ایسا کہوں) تو ظالموں سے بوجہاؤں گا کہنے لگے (اے نوح تو نے ہمارے ساتھ جھگڑا کیا

ایمان کی دولت سے جو محروم ہر وہ رذیل ہوتا ہے اور فضیلت کا معیار دولت نہیں بلکہ علم و عرفان اور دلیل و برہان ہے۔ پس اپنے غلط نظریوں کی بنا پر ہمیں جھوٹا کہنا تمہاری جہالت کی دلیل ہے۔

(۳۱) نصرت اور شفاعت میں فرق جاننا ضروری ہے۔ حضرت نوح فرما رہے ہیں کہ اگر ان ایمان صفت غریب طبقہ کو میں

اپنے پاس سے دور کر دوں تو میری اللہ سے نصرت کون کرے گا۔ تو جو لوگ شفاعت کے منکر ہیں وہ اس آیت سے سہارا لیتے

ہیں کہ حضرت نوح صاف کہہ رہے ہیں کہ میری اللہ سے نصرت کر کے چھڑانے والا کوئی نہ ہوگا اور شفاعت بھی ایک قسم کی نصرت ہے

جب نوح کی غلطی پر اس کی شفاعت نہیں ہو سکتی تو کسی دوسرے کی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس کا جواب یہ ہے۔ نصرت اور

شفاعت دو مفہوم ہیں۔ جن کے معنی میں تضاد ہے۔ نصرت کہتے ہیں۔ کسی کو اس کے مد مقابل پر غلبہ دلانے کے لئے اس کی

امداد کرنا اور حضرت نوح اسی معنی کی نفی کر رہے ہیں کہ غریب طبقہ کو جھگا دینا اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے اور ایسی صورت

میں پھر کون ہوگا جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کر کے مجھے غالب کر سکے گا اور شفاعت کا معنی یہ ہے کہ منت و سماجیت سے کسی

کی جان چھڑالینا، اور حضرت نوح اس معنی کا انکار نہیں کر رہے تھے۔

(۳۱) تفکر اور تذکرہ میں بعضوں نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ تذکرہ اس بات کو سوچنا جو پہلے ذہن میں موجود ہو۔ اور تفکر ایسے

مطالب کا سوچنا جو پہلے ذہن میں نہ ہوں۔

خَزَائِنُ اللَّهِ۔ پھر ان کے انہی سوالوں کی مزید تردید کے لئے خدا کا نہ رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جو مجھے بشر ہونے کا طعنہ

دیتے ہو۔ میں نے کب کہا ہے کہ میں خدا کی خدائی اور اس کے خزانوں کا مالک ہوں کہ جو کچھ مانگو گے دیتا جاؤں گا۔ میں نے تمہیں اللہ

کے سامنے جھکنے کو کہا ہے جو انسانیت کا مقتضا ہے۔ اور بشر کی شان ہے یعنی تم مجھے بشر ہونا تو بتلاؤ جب اس سے بڑھ کر مذکورہ بالا

دعوئی کروں۔ نیز تم میری اتباع کرنے والوں کو جو رذیل کہتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی عزت دار ہوں۔ لہذا ایسی بے نیکی

باتیں کرنے کا مجھے حق نہیں اور نہ تمہیں اس کا کوئی حق پہنچتا ہے یا یہ کہ اگر تم ان کو اس لئے رذیل کہتے ہو کہ یہ لوگ صرف زبانی زبانی میرے

ساتھ ہیں اور دل سے مومن نہیں ہیں لہذا انکو جھگا دو۔ تو یہ کہنا درست نہیں کیونکہ میں تو ظاہر کا مکلف ہوں۔ اور وہ ظاہر ہیں

وَأَوْحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا

اور وحی کی گئی نوح کو کہ تحقیق نہیں مومن ہوگا تیری قوم سے مگر وہی جو ایمان لایچکے ہیں پس رنجیدہ

تَبْتَئِسُ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ وَأَصْنَعِ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا

نہ ہر اس سے جو وہ کرتے ہیں اور تیار کر کشتی ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے

وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعِ الْفُلَ

اور نہ خطاب کرنا مجھ سے ان کے متعلق جو ظالم ہیں (کیونکہ) وہ ضرور غرق ہوں گے وہ کشتی بنا رہے تھے

نے فرمایا عذاب لانا میرا کام نہیں بلکہ میرا کام تبلیغ کرنا ہے مافوقہ مانو تمہاری مرضی اور عذاب لائے یا نہ لائے وہ اللہ کا کام

ہے اگر چاہے گا تو لے آئے گا اور پھر اس کو نہ عاجز کر سکو گے اور نہ اس کے عذاب کو اپنے سروں سے ٹال سکو گے۔

خدا کی مشیت کا اعمال دے کر حضرت نوح نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ خدا اپنے نبیوں کا محتاج نہیں ہے

وہ عذاب کے لانے یا نہ لانے میں اپنی مشیت پر عمل کرتا ہے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ دِينُكُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ لَّيْسَ بِكُمْ عِلْمٌ شَيْءًا لَّيْسَ بِكُمْ عِلْمٌ شَيْءًا لَّيْسَ بِكُمْ عِلْمٌ شَيْءًا

تفسیر جامع میں ابوصلت ہر وحی سے منقول ہے میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ زمانہ نوح میں خداوند کریم

نے ساری دنیا کو کیوں غرق کر دیا حالانکہ ان میں بچے معصوم بھی ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ جب ان پر عذاب

حتمی ہو گیا تو وقت عذاب سے چالیس برس قبل خدا نے ان کی عورتوں کو عقیم بنا دیا۔ پس کوئی بچہ اس دوران میں ان کے ماں

پیدا نہ ہوا۔ پس وہ جو حضرت نوح کی تکذیب نہ کرتے بلکہ انہوں نے حضرت نوح کو دیکھا بھی نہ تھا لیکن وہ ان کا فزوں کے افعال بد

سے خوش اور راضی تھے۔ پس ان دونوں حالتوں کو غرق کر دیا گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلے تین سو برس تبلیغ کی اور جب ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تو ان پر بد دعا کرنے لگے لیکن زمین

کے ملائکہ میں سے بارہ ہزار فرشتوں نے درخواست کی کہ آپ فی الحال درگزر فرمائیں اور مزید ایک دفعہ موقع دیں۔ چنانچہ پھر

تین سو برس گزار دئے پھر نظریں کا ارادہ کیا تو پھر فرشتوں کی دوبارہ استدعا سے مہلت بڑھادی گئی اور جب پورے نو سو برس

گزرے تو عرض کی اے پروردگار میں نے شب و روز محنت کر کے ان کو تیرا پیغام پہنچایا لیکن وہ بالکل مانتے ہی نہیں تو خدا کی

طوت سے ان کو اطلاع ملی کہ تیری قوم سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا بس وہی مومن ہوں گے جو پہلے سے ایمان لایچکے ہیں

پس آپ نے بد دعا کی تو ارشاد خداوندی ہوا کہ غم نہ کرو اور کشتی بناؤ۔

بِأَعْيُنِنَا۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ میرے سامنے بناؤ۔ مقصد یہ ہے کہ ہماری حفاظت اور امان میں بناؤ کہ اس سلسلہ میں

کوئی تمہیں گزند نہیں پہنچا سکے گا یا یہ کہ اعمین سے ملائکہ ہوں۔ یعنی ہمارے فرشتوں کے سامنے بناؤ۔ یعنی وہ تمہاری ہر طرح

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ قَالِ اِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَاِنَّا

توجہ بھی اس کی قوم کے سرداروں کی کوئی ٹولی وہاں سے گذرتی تھی تو اس سے مسخری کرتے تھے فرمایا اگر تم ہم سے مسخری کرتے ہو تو ہم بھی

نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لَمَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ مُخْتَرِئِهِ

تم سے مسخری کر لیں گے جس طرح تم کرتے ہو عنقریب جانے کہ کس پر آتا ہے عذاب رسوا کرنے والا

وَيَجِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۹﴾ حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُوُّوْنَا اَحْمَلُ

اور آرتا ہے عذاب دائمی یہاں تک کہ جب پہنچا ہمارا حکم اور جوش مارا تو رنے تو ہم نے کہا کہ سوار کرے

نگہبانی کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کشتی کھلے میدان میں بناؤ تاکہ آنے والے سب دیکھیں جو عبرت حاصل کرنا چاہیں انہیں مزید سوچنے کا موقع مل جائے اور جو عنادی ہیں ان پر مزید جنت تمام ہو جائے پس اس مقصد کو مجازاً باعتبار سے تعبیر کیا گیا۔

يَوْحِينَا۔ اس سے قبل کشتی بنانے کے متعلق تو وحی ہو چکی تھی اب یہ کہ ہماری وحی سے بناؤ یعنی اس کا طول و عرض و بلندی اور کیفیت یہ سب کچھ بھی ہماری ہدایت کے ماتحت ہو گا یعنی اس کے معاملہ میں تمہیں اختیار نہیں بلکہ ہم جو بتائیں گے تمہیں ویسا ہی کرنا ہوگا۔

وَكُلَّمَا مَرَّ آتٍ مُّجِيدٍ میں ہے کہ جب بھی کشتی بنانے کے دوران میں سرداران قوم پاس سے گذرتے تھے تو حضرت نوح پر مسخری کرتے تھے۔ کوئی ازراہ مزاح کہتا تھا کہ کیا آپ کو نبوت کے بعد درکھان ہونے کا عہدہ ملا ہے؟ کوئی کہتا تھا کہ یہ لمبی چوڑی

کشتی پانی کی بجائے خشکی پر چلاؤ گے؟ غرضیکہ جتنے مذاہنی باتیں تو حضرت نوح ان کو جواب میں ارشاد فرماتے تھے کہ اب تم مسخری کر لو پھر جب ہمارا موقع آیا تو ہم بھی تمہیں دیکھ لیں گے۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم بھی تم سے مسخری کریں گے بلکہ مقصد یہ ہے

کہ اس مسخری کا تمہیں مزہ چکھائیں گے۔

کشتی کے طول و عرض کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ ۱۲ سو ذراع لمبی اور ۳ سو ذراع چوڑی تھی اور بعض نے تین سو ذراع لمبی اور پچاس ذراع چوڑی اور تیس ذراع اونچی کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن عباس سے

منقول ہے کہ اس میں تین منزلیں تھیں۔ پخلی منزل وحوش و حشرات الارض کے لئے درمیانی منزل چوپاؤں کے لئے اور تیسری آخری منزل انسانوں کے لئے تھی اور یہ ساگون کی لکڑی سے بنائی گئی تھی (مجمع البیان) اور تفسیر جامع کی روایت میں کشتی کا طول ۱۲ سو

ذراع عرض آٹھ سو ذراع اور بلندی اسی ذراع منقول ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کشتی کے تیار ہو جانے کے بعد حضرت نوح نے سریانی زبان میں آواز دی اور آپ کی آواز پر تمام حیوانات اکٹھے ہو گئے۔ پس آپ نے ہر جنس کا جوڑا جوڑا کشتی پر سوار کر لیا۔ ایک روایت میں

ہے کہ جب گندگی پاخانہ کی شکایت پیدا ہوئی تو ہام خدا تھی کی چھینک سے سو پیدا ہوا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جب گھوڑوں کی لید وغیرہ اور گندگی زیادہ بڑھی تو خنزیر کی چھینک سے خدا نے چوبے کو پیدا کیا اور جب چوبے کثرت سے

فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ

اس پر ہر جنس سے جوڑا جوڑا اور اپنی اہل کو سوائے ان کے جن پر حتمی ہو چکا ہے وعدہ (عذاب) اور

مَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ادْكُبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ

مومنوں کو اور نہ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے اور کہا کہ سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کا نام لے کر

مَجْرِبَهَا وَفُرْسَهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ

بوقت روانگی اور بوقت ٹھہراؤ تحقیق میرا رب بخشنے والا مہربان ہے اور وہ چلتی تھی ان کے ساتھ موجوں میں

ہو گئے تو بار خدا شیز کی پھینک سے بلی پیدا ہو گئی۔

تفسیر جامع کی روایت کے مطابق جب نوح کی قوم پر عذاب محتمم ہوا تو حضرت نوح کو درخت لگانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ جب آپ نے درخت بویا تو قوم کے لوگوں نے مسخری کرتے ہوئے کہا کہ نو سو برس کی عمر پا کر اب درخت لگانے کا حرص پیدا ہو گیا ہے۔ جب بچھو خدا پچاس برس کے بعد درخت کو کاٹا تو پھر طعنہ دیا کہ جب درخت سے فائدہ حاصل کرنے کا وقت آیا تو اسے کاٹ رہا ہے۔ جب کشتی کے تختے بنانے اور تراشنے کا وقت آیا تو نوح نے ناصر کی خواہش کی تو خدا کا حکم ہوا۔ لوگوں کو کہو۔ مدد کریں اور اس کے بدلہ میں ان کے لئے لکڑی کے ریزوں کو سونا بنا دوں گا۔ پس وہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنے عذاب کا سامان تیار کرنے لگے۔ مسخری بھی کرتے تھے اور سونے کے طعنے میں کشتی بنانے میں مدد بھی دیتے تھے۔ اور کشتی اسی جگہ بنائی گئی تھی جہاں اب مسجد کو فوج موجود ہے۔ مدعی ہے کہ حضرت نوح کی ایک بیوی روٹی پکا رہی تھی کہ تنور سے پانی کا فوارہ نکلا تو وہ چیخنے لگی پس حضرت نوح نے مٹی لے کر اس سوراخ کو بند کیا اور جو انوں کو بیخ ان کے گھاس کے انتظام کے کشتی میں سوار کیا۔ جب سب کام مکمل کر لیا تو جا کر تنور کے اس سوراخ سے مٹی کو ٹھا دیا۔ پس سوراخ کا کھلنا تھا کہ پانی زور سے نکلنا شروع ہوا اور آسمان سے پانی بغیر بادل کے برسنا شروع ہوا۔ نیز زمین پھوٹ پھوٹ کر اپنے پانی کو اوپر نکالنے لگی۔ بس ان کی آن میں زمین کے اوپر سب پانی ہی پانی ہو گیا حتیٰ کہ بلند ترین پہاڑوں سے بھی آگ کی سطح ۱۵ یا ۳۰ یا ۴۰ ذراع باختلاف روایات بلند تھی۔

وَأَهْلَكَ۔ حضرت نوح کو حکم ہوا کہ کشتی میں اپنے اہل کو سوار کر لو۔ اور ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد ص ۱۸۵ میں آل کی تحقیق کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ اہل میں انسان کے وہ معتدین داخل ہوتے ہیں جو اس کے مشن میں اس کے ساتھ برابر کے شریک ہوں۔ حزا وہ مشن دنیاوی ہو یا دینی اور حضرت نوح کے دنیاوی مشن اور گھر ملی معاملات میں چونکہ بیوی بچے سب داخل تھے اور البتہ دینی معاملہ میں جو حضرت نوح کا نبوتی و رسالتی مشن تھا اس میں ایک لڑکا اور ایک بیوی ان کے مخالف تھے اور چونکہ عذاب خداوندی کفار اور دشمنان دین کے لئے تھا تو ارشاد باری ہوا کہ عذاب سے بچانے کے لئے کشتی میں اپنے اہل کو سوار کر لو۔ اور پھر ان افراد کے استثناء کا حکم دیا جو دینی معاملہ میں آپ کے ہمہ انداز تھے۔ یعنی گھر ملی معاملات میں ان کا شمار اہل میں تھا لیکن دینی لحاظ سے وہ آپ

كَالْجِبَالِ وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبْنِي أَرْكَبَ مَعَنَا وَلَا

جو پہاڑوں کی مانند تھیں اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو کہ وہ الگ تھا اے بیٹا سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور نہ ہو

تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاوِمِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا

ساتھ کافروں کے تو کہنے لگائیں پناہ لوں گا طرف پہاڑ کے بچالے گا مجھے پانی سے تو کہا کہ نہیں

عَاصِدَ الْيَوْمِ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمْنَا وَحَالَ بَيْنَهُمَا

بچانے والا آج کوئی عذاب خدا سے مگر جس پر رحم کرے اور حائل ہو گئی ان کے درمیان

الْمَوْجِ فَكَانَ مِنَ الْمَغْرِقِينَ ﴿۴۳﴾

موج اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا

کے دشمن تھے تو جب مطلق اہل کے سوار کرنے کا حکم ہوا تو اس کے عمر میں تمام اہل داخل تھے۔ خواہ دینی لحاظ سے ہوں یا دنیاوی سے تو استثنا کے ذریعہ سے ان کو نکال دیا جو دینی معاملہ میں سمبھرا نہ تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب اہل کے سوار کرنے کے ساتھ یہ حکم ہوا کہ من امن دایمان والوں کو سوار کیجئے تو وہاں استثنا کی ضرورت نہ ہوئی۔

تمام تفسیروں میں ہے کہ جب بیٹے کو غرق ہونے دیکھا تو اسے اپنی کشتی پر سوار ہو جانے کے لئے بلایا۔ لیکن اُس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور آخر کار غرق ہو گیا۔ حضرت نوح کو معلوم تھا کہ اگر ضرور غرق ہوں گے اور خدا نے بھی فرمایا تھا کہ اب ظالم لوگوں پر عذاب حتمی طرز پر نازل ہو گا۔ لہذا ظالموں کے متعلق سفارش نہ کرنا۔ پھر ان تمام تصریحات کے باوجود حضرت نوح نے خدا سے بھی دعا مانگ لی کہ میرے بیٹے کو بچالے حالانکہ خدا کی نبی کے بعد بیٹے کے لئے یا کسی کے لئے سفارش کا کوئی عمل ہی نہ تھا تو یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو اس کا حل اس طرح ہے کہ خداوند کریم نے حضرت نوح کی اہل کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا اور اہل کا معنی چونکہ مخلصین و معتمدین ہوا کرتے ہیں اور حضرت نوح کا یہ لڑکا کنعان نامی بھی ظاہر باپ کا فرماں بردار تھا۔ اور باپ کے سامنے اپنا مخلص مومن ہونا بھی ظاہر کرتا تھا۔ جس طرح کہ حضرت رسالت آت کے زمانہ میں بہت سے منافقین اپنے نہیں مومن ظاہر کر کے جناب رسالت آت سے رعایات حاصل کرتے تھے اور ان کی جان و مال محفوظ تھے۔ پس اسی بنا پر حضرت نوح نے اس کو مومن سمجھتے تھے اظہار محبت کیا اور خدا سے اس کی نجات کی دعا مانگی اور اس کے منافق ہونے کی قلعی اس وقت کھلی جب اُس نے باپ کی اعلانیہ نافرمانی کرتے ہوئے کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر لیا اور دعا کے جواب میں جب زبان قدرت سے جواب ملا کہ انتہ لیس من اهلك۔ تو مزید تسلی ہو گئی کہ وہ منافق تھا لہذا بعد میں کوئی جزع و فرع یا غم و اندوہ ان کو لاحق نہ ہوا۔

تفسیر جو اہرطنطاوی میں صاف مذکور ہے کہ وہ منافق تھا اور اس کے ظاہری ایمان کی وجہ سے نوح نے اس کے لئے دعا

کی تھی۔ اور نوح کے بیٹے کو اہل سے نکالنے کا مقصد یہ ہے کہ نبی کے اہل سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظاہر و باطن میں ایمان کے زیور سے آراستہ ہوں اور ایسوں ہی کے ساتھ نجات کا وعدہ تھا اور حضرت نوح کا حرف بیٹے کے لئے نجات کا سوال کرنا اور بیوی کو نظر انداز کرنا اسی امر کا کاشف ہے کہ بیوی اعلانیہ کا فرم تھی لہذا ان کے لئے دعا کرنے کا جواز ہی نہ تھا اور بیٹا چونکہ ظاہراً مومن تھا اور دل میں منافق تھا۔ پس اس کے لئے ظاہری ایمان کی وجہ سے دعا مانگی۔ حضرت نوح کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا فرہ جس کا نام واعدہ تھا اور اس کا بیٹا کنعان جو منافق تھا ظاہراً باپ کی خوشامد کے طور پر مسلمان تھا اور اندرونی طور پر اپنی ماں کے ساتھ ہم خیال تھا۔ ان دونوں کا انجام ہلاکت ہوا۔ اور دوسری بیوی مومنہ تھی جس کے تین بیٹے تھے۔ سام۔ حام۔ یافث۔ اس مقام پر حضرت نوح کے غرق ہونے والے بیٹے کنعان کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ان کا صلیبی بیٹا تھا لیکن کفر و نفاق کی وجہ سے اہل سے خارج ہو گیا۔ جس طرح کہ اس کے برعکس ایمان کی بدولت حضرت سلمان کو حضور نے اپنی اہل میں داخل فرمایا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے نوح کو اس لئے فرمایا کہ وہ تیری اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے مخالف تھا اور جنہوں نے اس کی اطاعت کی ان کو اہل قرار دے دیا۔ اور بعد والے لفظ بتلاتے ہیں کہ وہ اہل سے کیوں بٹ گیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت نوح کا صلیبی بیٹا نہ تھا بلکہ اس کی زوجہ کا پچھلے گھر سے لڑکا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حرام زادہ تھا لیکن مذہب شیعہ کے اصول کے مطابق یہ غلط ہے کیونکہ نبی کی بیویاں بدعتیں نہیں ہوا کرتیں۔ اور قرآن مجید میں جہاں حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کے متعلق یہ ہے کہ انہوں نے خیانت کی تھی اس کا مقصد صرف امور دینیہ میں مخالفت کرنا ہے۔ پس حضرت نوح کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ حضرت نوح کو جنون و دیوانہ کہا کرتی تھی۔ اور حضرت لوط کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ حضرت لوط کے ہاں آنے والے مہمانوں کی اطلاع قوم کو دیتی تھی اور رازداری میں خیانت کرتی تھی۔ پس کسی بھی نبی کی زوجات کے متعلق بدچلنی کا الزام انبیاء کی ناقدر شناسی ہے اور خداوند کریم نبیوں کی ناموس کا خود محافظ ہوا کرتا ہے۔ ہم ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے بیزار ہیں جو انبیاء کی بیویوں کے متعلق بہتان و الزام عائد کریں۔ ہاں ہم حضرت نوح و حضرت لوط کی بیویوں کو مومن نہیں سمجھتے اور اس کے قائل ہیں کہ نبی کی نبوت اس کی بیوی کی نجات کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ پس عذاب خداوندی سے کسی نبی کی عورت کو شوہر کی نبوت نہیں بچا سکتی۔ پس عذاب سے بچانے والی چیز ہے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری ساتھ ایمان کے۔ بہر حال ان تین اقوال میں سے پہلا قول صحیح ہے اور قرآن کا ظاہر بھی اس سے موافقت رکھتا ہے۔

ذکات علیہ (۱) فَارَ صَلَّا فَا رِيضُو رَسْمًا جَسًا كَهْوَلْنَا جَوْش

مارنا اور فادالتور کا معنی ہوا کہ جوش مارا تونر نے لیکن تونر کے معنی میں اختلاف ہے

مسجد کوفہ کے فضائل

بعض مفسرین نے روٹیاں پکانے والا تونر مراد لیا ہے۔ چنانچہ اس معنی کی مؤید ایک روایت بھی گذر چکی ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ تونر حضرت آدم علیہ السلام کا تھا اور اس سے پانی کا اُبلنا حضرت نوح کے لئے علامت مقرر تھا کہ جب مقام غیر معروف سے پانی اُبلنے لگے تو جان لینا کہ عذاب کا وقت آگیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام عین الوردۃ علاقہ شام میں

حضرت نوح علیہ السلام کے گھر میں تھا اور بروایت مفضل بن عمرو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مسجد کوفہ کے پاس ایک بڑھیا کے گھر میں تھا جو مومنہ تھی۔ اور اس سے پانی کا ٹکڑا حضرت نوح کی قوم کے لئے ایک نشانی تھی پھر اس کے بعد اوپر سے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور دریائے فرات میں یکبارہ طغیانی آگئی اور زمین کے چٹھے پھوٹ پڑے پس روئے زمین پر پانی ہی پانی ہو گیا۔ پس نوح اور اس کے ہمراہ کشتی میں سوار ہونے والوں کے علاوہ سب غرق ہو گئے اور ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ حضرت نوح سات شبانہ روز کشتی میں ٹھہرے تھے۔ جب مسجد کوفہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مسجد کوفہ بہت پرانی ہے۔ اور یہ انبیاء کی عبادت گاہ ہے۔ شب معراج حضرت رسالت مآب بھی یہاں نماز پڑھی تھی۔ اور جبریل نے بتایا تھا کہ یہ آدم اور دیگر انبیاء کی عبادت گاہ ہے۔ اس کے بعد پھر آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پورے پانچ ماہ کشتی پانی کی سطح پر رہی۔ ابو عبیدہ خذائنے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ مسجد کوفہ کا وسط جنت کے باغات میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اس میں ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہوتی ہے اور اس میں ایک ہزار ستر نبیوں نے نماز ادا کی ہے۔ یہیں سے تنور اُبلتا تھا۔ اور اسی جگہ سے کشتی روانہ ہوئی تھی۔ اور یہی انبیاء کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ تنور کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ مطلق زمین کی سطح کو تنور کہتے ہیں اور معنی یہ ہوگا کہ زمین سے پانی اُبلنے لگا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ تنور کا معنی صبح ہے یعنی اُدھر صبح نمودار ہوئی اور اُدھر عذاب خداوندی نازل ہوا اور یہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے اور جو تھا قول اس میں ہے کہ تنور کا معنی بلند مقام یعنی زمین کی بلندیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔

تشبیہ۔ بعض روایات میں مسجد کوفہ میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر بھی منقول ہے۔ اور یہاں ایک نماز ستر کے برابر بتلائی گئی ہے تو ان روایات میں تنافی نہیں ہے کیونکہ یہ کثرت اور مبالغہ کی الگ الگ تعبیریں ہیں جس طرح کسی کو مبالغہ آمیز لہجہ میں تنبیہ کرنا ہو تو کہا جاتا ہے میں نے تمہیں ہزار بار سمجھایا۔ لاکھ مرتبہ بتایا۔ سو دفعہ کہا پچاس دفعہ کہا۔ بیسیوں بار سمجھایا وغیرہ تو ایک ہی مقصد کے لئے اتنے جملے متضاد نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان کا ادران جیسے دیگر جملوں کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ میں نے تم کو اس قدر سمجھایا اور بتایا کہ تجھے بعد میں عذر کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ پس یہاں ثواب کے متعلق بعض بعض مقامات پر اس قسم کی مختلف تعبیریں صرف کثرت ثواب کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں اور مقام کی اہمیت کو واضح کرنے کی غرض سے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس میں اس قدر ثواب اور رضا خندی پروردگار ہے جس کا تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ مسجد کوفہ کی فضیلت اسی جگہ کے صفحہ ۲۵ پر گذر چکی ہے۔

ثانیاً۔ تنور کے متعلق جس قدر معانی بیان کئے گئے ہیں وہ بھی سب کے سب مراد ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان میں ظاہر کوئی نشانی نہیں ہے۔

(۲) کشتی پر سوار ہونے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ۸ - ۱۰ - ۶۲ - ۶۸ - ۸۰ کے اقوال ہیں۔ بہ صورت ان میں حضرت نوح کے تین بیٹے۔ سام۔ حام اور یافث اور ان کی تین بیویاں بھی تھیں۔ اور مجمع البیان میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی میت کو بھی کشتی میں رکھ لیا تھا۔ اور حضرت نوح کے اپنے کنبہ کے علاوہ دوسرے مومن بھی کشتی پر سوار

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَّمَاءُ اقْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقَضِيَ الْأَمْرُ

اور کہا گیا اے زمین نکل جا اپنے پانی کو اور اے آسمان گروک لے اور خشک ہو پانی اور معاملہ ختم ہوا

تھے۔ جن کی غربت کا کافر لوگ طعنہ دیتے تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا اور قرآن میں من امن کا جملہ اس پر شاہد ہے۔

(۳) بِسْمِ اللَّهِ مجرہا و مرسھا۔ یہ فیہا میں ضمیر غائب مجرہا سے حال واقع ہے اور کلام میں حذف کافی ہے یعنی جب تنور اُبلتا اور حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے کشتی میں ہر ایک کو سوار کیا اور فرمایا اِذْ كَبُؤَا فِيهَا۔ لفظ کبوا کہ سوار ہو جاؤ اس میں درحالیکہ خدا کے نام کے ساتھ اس کی روانگی اور قیام ہوگا۔ یعنی مجرہ و مرسا دونوں مصدر میمی ہوں گے اس صورت میں بسم اللہ ظرف ہے جو ایک فعل کے معنی کو متضمن ہے اور مجرہ اس طرف کا فاعل اور محلا مرفوع ہے یعنی ثبت بسم اللہ مجرہا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ خبر مقدم ہو۔ اور مجرہا مبتدا موخر ہو۔ ہر کیفیت ان ہر دو ترکیب کے لحاظ سے معنی وہی ہوگا جو ابھی گذر چکا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب کشتی کو چلانا چاہتے تھے تو بسم اللہ مجرہا پڑھتے تھے۔ اور وہ چل پڑتی تھی۔ اور جب روکنا اور ٹھہرانا چاہتے تھے تو بسم اللہ مرسا پڑھتے تھے اور وہ رک جاتی تھی۔

اس جملہ کی دوسری ترکیب یوں بھی ہو سکتی ہے کہ بسم اللہ الخ حال جو۔ اِذْ كَبُؤَا کے فاعل سے جو ضمیر جمع مخاطب ہے۔ یعنی اِذْ كَبُؤَا فِيهَا مُتَّبِرِكِينَ بِسْمِ اللَّهِ۔ اور اس صورت میں مجرہا و مرسا دونوں مصدر میمی نہ ہوں گے بلکہ ظرف کے صیغے ہوں گے اور اِذْ كَبُؤَا ان کا فاعل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ معنی نہیں ہے کہ سوار ہو جاؤ بوقت روانگی اور بوقت قیام بلکہ ان دونوں کا فاعل اور متعلق وہی فعل ہوگا جس کو بسم اللہ متضمن ہے یعنی تبرک۔ پس اس صورت میں پورے جملے کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت نوح نے فرمایا۔ سوار ہو جاؤ اس میں تبرک حاصل کرتے ہوئے اللہ کے نام سے بوقت روانگی اور بوقت قیام جیسا کہ تحت اللفظ مذکور ہے۔

(۴) لَأَعَاصِدَ۔ بنی علی الفتح ہے۔ کیونکہ معنی حرفی کو متضمن ہے گویا سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا کوئی ہے بچانے والا عذاب خدا سے تو جواب دیا گیا کہ لَأَعَاصِدَ یعنی لیس من عاصم پس لَأَعَاصِدَ کو ایک اسم بنا کر معنی من کا اس کو متضمن کر دیا گیا اور اس کے بعد استثناء واقع ہے۔ اِلَّا مَنْ رَحِمَ اور اس میں تین قول ہیں (۱) مستثنا منقطع ہے۔ یعنی کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر وہ ہیں پر اللہ رحم کرے گا تو یہ بچ جائے گا۔ پس مستثنیٰ امنہ تھا بچانے والا اور مستثنیٰ ہوا بچنے والا۔ اور مستثنیٰ منقطع اسی کو کہتے ہیں کہ مستثنیٰ مذہب داخل نہ ہو (۲) مستثنیٰ متصل ہے اور من رحم کا معنی راحم (خدا) ہے (۳) عاصم کا معنی معصوم ہو۔ اور من رحم کا معنی پہلی صورت کی طرح من رحمہ ہو۔ یعنی کوئی نہ بچے گا مگر وہ جس کو اللہ بچالے۔

(۵) تفسیر مجمع البیان میں ہے عرب ردم اور ایران سام کی اولاد سے ہیں۔ اور حبشی حام کی اولاد ہیں اور ترک و چین وغیرہ یا منٹ کی اولاد ہیں۔ واللہ اعلم۔

یَا أَرْضُ۔ یعنی عذاب خدا آیا اور کفار غرق ہو گئے اور زمین نے پانی کو چوس لیا۔ جس طرح کسی کو کہا جائے کہ چوس لے۔ پس

وَأَسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۵﴾ وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ

اور ٹھہر گئی جودی پر اور کہا گیا کہ ہلاکت ہے ظالم لوگوں کے لئے اور پکارا نوح نے اپنے رب کو

فَقَالَ رَبِّ إِنِّي مِنَ أَهْلِ وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿۴۶﴾

اے رب تحقیق میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ سچ ہے تحقیق تو محکم حکم کرنے والا ہے

قَالَ يٰ نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلُنِ مَا لَيْسَ

(اللہ نے) فرمایا اے نوح تحقیق وہ نہیں تھا تیرے اہل سے تحقیق اس کا عمل نادرست تھا پس زمانگ مجھ سے وہ جو نہیں

اس نے چوس لیا ہو گیا یہ امر تکوینی ہے جو زمین کی فوری اطاعت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح آسمان سے بارش بند ہو گئی جس طرح

کہ اس کو کہا گیا ہو کہ بارش کو روک لے پس اُس نے روک دی جو۔ اور یہ بھی امر تکوینی ہے کیونکہ آسمان کی اطاعت بھی اطاعت تکوینی ہے

کہ وہ جب کسی شے کے متعلق ارادہ کرے کہ ہو جا، تو وہ ہو جا یا کرتی ہے۔ اس مقام پر زمین و آسمان کا تقابل اور اعلیٰ اور اعلیٰ کے

معانی کا تقابل اور لفظی حسن ایسے امور ہیں جو غیر اللہ سے قطعاً نہیں صادر ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریشیوں نے قرآن کے

مقابلہ کے لئے تیاری کی تھی۔ اور چالیس دن تک دماغ کے لئے طاقتور غذاؤں کا استعمال جاری رکھا تھا۔ پس جب مقابلہ کا ارادہ

کیا تو یہ آیت اُتری۔ پس قریش کے حوصلے پیت ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کلام انسانی طاقت سے بلند ہے۔

الْجُودِيِّ - مروی ہے کہ خدا نے پہاڑوں پر جوحی کی کہ نوح کی کشتی کو میں کسی پہاڑ پر ٹھہراؤں گا تو سب پہاڑوں نے سر بلند کئے

اور کوہ جودی نے تواضع اختیار کیا۔ پس نوح کی کشتی نے کوہ جودی پر قرار پکڑا۔ غالباً یہ بھی امر تکوینی ملحوظ ہے۔ اور کبر کی برائی اور تواضع

کی محبوبیت کے اظہار کا انداز ہے کہ کوہ جودی کے متعلق مروی ہے کہ وہ موصل کے علاقہ میں ایک پہاڑی ہے۔ اور ہم نے اگرچہ کسی

کتاب میں نہیں دیکھا لیکن نجف اشرف کے قیام کے دوران میں عموماً یہی سنا کرتے تھے کہ کوہ جودی یہی پہاڑی ہے جس کے دامن

میں نجف کا شہر واقع ہے۔ اور وہ بارگاہ شاہ ولایت کے جانب قبلہ میں واقع ہے۔ واللہ اعلم۔

فَقَالَ - حضرت نوح علیہ السلام کی یہ درخواست اس بنا پر تھی کہ ان کا بیٹا منافق تھا۔ اور ظاہراً مومنوں میں داخل تھا اور خدا کا وعدہ

بھی تھا کہ مومنوں کو نجات دوں گا۔ اسی بنا پر تو حضرت نوح نے خدا کو اپنا وعدہ بھی بتلایا کہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ پس جب خدا نے

عالم الغیب نے یہ خبر دی کہ اس کے عمل غیر صالح تھے جن کی بنا پر وہ باوجود تیرے بیٹے ہونے کے تیری اہل سے کٹ چکا ہے لہذا

ایسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو اس کے بعد حضرت نوح نے خاموشی اختیار کر لی اور بیٹے کے غرق ہونے کی پردہ

نہ کی بکد اپنی طرف سے معذرت پیش کی جیسا کہ اگلی آیت میں اس کی تصریح ہو جود ہے۔

إِنَّهُ عَمَلٌ - یہ ان پہلے ان سے بدل ہے اور مقولہ قول ہے۔ اور ہا، ضمیر غائب کے مرجع کے متعلق اختلاف ہے۔ جو لوگ

انبیاء میں عصمت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ہا، ضمیر غائب کا مرجع وہ سوال ہے جو پچھلی آیت میں حضرت نوح کی بیٹے

لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي

تجھے اس کا علم تھیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مت ہو جاؤ جنہوں میں سے کہا اے رب تحقیق پناہ لیتا

أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنُّ

ہوں تیری کہ مانگوں تجھ سے وہ جس کا مجھے علم نہیں اور اگر نہ بخشے تو مجھے اور نہ رحم کرے مجھ پر تو

مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۸﴾ قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَ

ہونگا میں خسارہ پانوالوں میں سے کہا گیا اے نوح اتر جا ساتھ سلامتی کے ہم سے اور برکتوں کے جو تم پر ہیں اور
کے حق میں دعا کو متضمن ہے۔ اب اس فقرہ کا معنی یہ ہو گا کہ تحقیق وہ تیرے اہل سے نہیں ہے اور تحقیق تیرا اس کے حق میں نجات
کا سوال کرنا عمل غیر صالح ہے۔ پس حضرت نوح کو دھکی دی گئی کہ ایسے سوال مت کیا کرو۔ پس حضرت نوح نے معذرت پیش
کی اور معافی بھی مانگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عقلی و نقلی دلیلوں سے ثابت ہے کہ خدا کے فرستادہ نبی و رسول معصوم ہوتے ہیں اور ہم نے
اس موضوع پر تفسیر کے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے۔ لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ پس جب عصمتِ انبیاء
مسلمات میں سے ہے تو ہر وہ مقام جہاں ظاہر میں عصمتِ انبیاء سے ٹکراؤ لازم آئے وہاں روایت ہو یا آیت ہو۔ اس کی
تاویل ضروری ہو کرتی ہے لیکن وہ مقام جہاں آیت کے دو یا کئی معانی نکل سکیں اور ان میں سے کوئی عصمتِ انبیاء سے
متصادم ہو تو ایسی صورت میں عصمتِ انبیاء سے ٹکرانے والے معنی کو رد کیا جائے گا۔ اور اس معنی کا اختیار کرنا واجب ہو گا
جو عصمتِ انبیاء سے تصادم یا منافات نہ رکھتا ہو۔ پس اس مقام پر ضمیر غائب کا مرجع سوال نوح بھی بن سکتا ہے اور فرزند
نوح بھی بن سکتا ہے لیکن پہلی صورت میں عصمتِ نوح سے منافات لاتی ہے۔ لہذا دوسری صورت کا اختیار کرنا واجب
ہے۔ پس معنی اس طرح ہو گا کہ تحقیق وہ تیری اہل سے نہیں ہے اور تحقیق اس کے عمل ناشائستہ ہیں۔ باقی رہا یہ کہ بعد میں
دھکی کیوں دی گئی اور نوح نے معافی کیوں مانگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بڑے فعل سے روکنے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ
کسی بڑے کی طرف کلام کا رخ کر دیا جاتا ہے اور چھوٹوں کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ حقیقتہً مقصود بڑے نہیں ہوا کرتے بلکہ چھوٹے
ہی مقصود ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح نبی علیہ السلام کی طرف خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال باطل ہو
جائیں گے۔ یہ خطاب اگرچہ نبی کو ہے لیکن مراد اس سے مشرکین مگر ہیں۔ اور خطاب کو زیادہ سے زیادہ موثر کرنے کے لئے
یہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ پس اس مقام پر نوح کی معذرت و معافی اسی مقصد کو اور زیادہ واضح اور مضبوط کرنے کا
ایک حکم دستور ہے اور عمل کا مضاف محذوف ہے اور یہ اس کے قائم مقام ہے۔

قِيلَ - طوفان کے ختم ہونے اور پانی کے خشک ہونے کے بعد حکم ہوا کہ اب برکت و سلامتی سے اتر جاؤ اور ممکن ہے کہ حالات

عَلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ مَّعَكَ ط وَأُمَّدْ سُنْمَيْعَهُمْ ثُمَّ يَمْسُهُم مِّنْ عَذَابِ

ان لوگوں پر جو تیرے ہمراہ ہیں اور کئی جماعتیں جن کو ہم دنیاوی نفع دیں گے پھر پھینچے گا ان کو ہم سے دردناک

الْيَوْمِ ﴿٢٨﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ

عذاب یہ غیب کی خبروں میں ہے جو وحی کرتے ہیں ہم تیری طرف ان کو تو نہ جانتا تھا اور نہ

وَلَا قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٩﴾

تیری قوم اس سے پہلے پس صبر کر تحقیقی انجام خیر متقی لوگوں کے لئے ہے

حاضرہ کے اعتبار سے زبان حال کی ترجمانی ہو۔ اور مقدس یہ ہر کہ طوفان کے بعد وہ امن و سلامتی سے اتر گئے۔

وَأُمَّمٌ۔ یعنی ان بھائیوں کے لئے والوں کی نسل سے ہونے والی امتوں کو ہم ایک وقت تک دنیاوی منافع سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دیں گے۔ اور وہ جب بے شکری اور نافرمانی کو اپنا شیوہ بنائیں گے تو ان کو بھی دردناک عذاب میں گرفتار کر لیا جائے گا اور اسی طرح زمانہ گذرتا رہے گا۔

علم غیب | تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ۔ تمام انبیاء کے قرآنی واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انبیاء کے لئے علم غیب ضروری نہیں۔ اور خدا پر واجب نہیں کہ جس کو نبی بنائے اسے علم غیب بھی عطا کر دے تاکہ یہ نتیجہ نکال جائے کہ جو غیب کو نہ جانتا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اسی بنا پر خود جناب رسالت مآب نے اپنے متعلق متعدد بار ارشاد فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا اور قرآن مجید میں اس کی حکایت موجود ہے اور اس آیت مجیدہ میں بھی خداوند کریم صاف ارشاد فرماتا ہے کہ یہ غیب کی باتیں ہیں ہم بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دے رہے ہیں ورنہ اس سے قبل نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو ان کا پتہ تھا۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ اپنے ائمہ کو عالم الغیب کہتے ہیں وہ محض مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں ورنہ مذہب شیعہ کا اس عقیدہ فاسدہ سے کوئی ربط نہیں ہے اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے اور انبیاء و ائمہ صرف اتنا جانتے ہیں جتنا خدا ان کو علم دے۔ البتہ تمام انبیاء سے حضرت رسالت مآب علم میں زیادہ تھے اور خدا نے ان کو اس قدر دیا کہ اور کسی کو نہ دیا اور باوجود علم کثیر ہونے کے یہ بفرمان خدا و عامانگتے تھے رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ یعنی اسے پروردگار مجھے زیادہ علم عطا فرما اور حضور کے بعد آپ کے اوصیاء و طاہرین ائمہ معصومین علی سے لے کر مہدی علیہ السلام تک ان کے علم کے صحیح وارث ہیں اور کوئی نبی یا وصی ان کے پایہ علمی تک نہیں پہنچ سکتا۔

الحاصل :- وہ مسائل جن کا اصلاح معاشرہ انسانی سے تعلق ہو۔ خواہ وہ تدبیر نفس سے مرتبط ہوں یا تدبیر منزل و سیاست ملکیہ سے وابستہ ہوں ان میں وہ علم کلی کے مالک تھے اور علاوہ ازیں تاریخی مسائل یا ممالک و ممالک کے حوادث و واقعات ضروری حد تک جانتے تھے سنی کہ کسی سائل کے جواب میں وہ عاجز نہیں آسکتے تھے اور خداوند کریم حسب مصلحت ان کے

وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰهِ غَیْرَہٗ

اور بھیجا قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اس کے

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۱﴾ یَقَوْمِ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِی اِلَّا

نہیں ہو تم بگرا افترا کرنے والے لے قوم میں نہیں مانگتا تم سے اس کی اُبرت مجھے اُبرت وہ دے گا

عَلِی الَّذِی فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَیَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّکُمْ ثُمَّ تَوْبُوْا

جس نے مجھے پیدا کیا کیا تم نہیں سمجھتے اور اے قوم معافی مانگو اپنے رب سے پھر اس کی طرف رجوع

اِلَیْہِ یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا

کرو وہ بھیجے گا بارش تم پر متواتر اور بڑھائے گا تمہاری طاقت پر اور طاقت اور نہ

تَتَّوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا یٰہُوْدُ مَا جِئْنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْنَ

منہ پھرو مجرم بن کر کہنے لگے اے ہود تو کوئی معجزہ نہیں لایا اور ہم نہیں چھوڑیں گے اپنے

الْہِمْنَانَ عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ تَقُوْلُ الْاَعْتِرَاکَ

خداؤں کو تیری باتوں سے اور نہ ہم تجھ پر ایمان لاتے ہیں ہم اور کچھ نہیں کہتے مگر صرف یہ کہ

علم میں اضافہ فرماتا رہتا ہے اور بعض مقامات پر وقتی طور پر کسی امر کی طرف ان کا متوجہ نہ ہونا ان کے نقص کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ یہ ان کا تقاضا ہے بشری ہے اور اس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا علم اللہ کا عطیہ ہے کہ وہ جب چاہے جس قدر چاہے ان کو امور غیر معلوم کا حسبِ ضرورت علم عطا فرماتا ہے اور یہ اپنے علم بلکہ جملہ صفاتِ کمالیہ میں اپنے پروردگار کے فیوض کے محتاج ہیں اور اس کی عنایات پر شاکر ہیں

رُکُوْعِ نَمْبَرِہٖ ، حَضْرَتِ ہُوْدِ کا ذکر

خدا کی کو باطل اور ان کا افترا قرار دیا اور پھر معاوضہ لینے کے احتمال کی نفی کی۔ اور خوشنود کی خدا کا طریقہ یہ بتایا کہ پہلے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو اور پھر تعلیماتِ اسلامیہ پر ثابت قدم ہو جاؤ اور استغفار اور توبہ کا یہی مطلب ہے اور ممکن ہے کہ یہاں تم صرف عطف کے لئے ہو۔ اور دونوں کا مقصد ایک ہی ہو۔ پس استغفار کے بعد توبہ کا ذکر صرف تاکید کے لئے ہو۔

السَّمَاءِ۔ یہاں سماء سے مراد بارش ہے کیونکہ وہ اسی جانب سے آتی ہے پس مجازاً اس پر سماء کا اطلاق کیا گیا کہتے ہیں کہ

بَعْضُ الْهِنَابِ سَوْءٍ قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا

پڑ لیا ہے تجھے ہمارے کسی خدائے بری طرح تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اس سے بیزار ہوں جس

تَشْرِكُونَ ﴿۵۶﴾ مِنْ دُونِهِ فَاكِيدُونِي جَبِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ ﴿۵۷﴾

کا تم شرک کرتے ہو اس کے علاوہ پس مکر کرو میرے ساتھ سب پھر مجھے مہلت نہ دو

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هِيَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا

تحقیق میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار نہیں مگر یہ کہ وہ اس کا مالک ہے

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۶﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ

تحقیق میرا پروردگار صراطِ مستقیم پر ہے پس اگر تم نہ مانو تو میں پہنچا چکا وہ جس کے ساتھ میں

بِهِ إِلَيْكُمْ طَوَّلْتُ وَيَسْخَلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهُ شَيْئًا ط إِنَّ

بھیجا گیا اور پیچھے لائے گا میرا رب تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اور تم اس کو نقصان نہ دے سکو گے تحقیق

رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ

میرا رب ہر شے کا نگہبان ہے اور جب آیا ہمارا عذاب تو ہم نے نجات دی ہود کو اور ان کو

آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۵۸﴾ وَ

جو ایمان لائے اس پر ساتھ اپنی رحمت کے اور ان کو ہم نے نجات دی زبردست عذاب سے اور

وہ قحط میں مبتلا تھے۔ پس حضرت ہود نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایمان لائیں اور تائب ہو جائیں تو خدا بارش بھیج کر ان کو رزق فراوانی سے عطا فرمائے گا۔

مَا جِئْنَا - آیات و معجزات کو دیکھ کر انکار کر دیا کہ تو کوئی دلیل و معجزہ نہیں لایا کیونکہ جو چیز حضرت ہود پیش کرتے تھے وہ اس میں شبہ و شک پیدا کر کے انکار کر دیتے تھے۔

إِعْتَرَاكَ - یعنی تو چونکہ ہمارے خداؤں کا انکار کرتا ہے لہذا ہمارے کسی خدا کی گرفت میں آ گیا ہے پس یہی سبکی باتیں کرتا ہے۔
فَاكِيدُونِي - یعنی تم اپنی ہر تجویز و فریب کو استعمال کرو۔ میں کلمہ حق کو تمہارے پھندے میں آ کر ہرگز ترک نہ کروں گا۔ اور انبیاء کے معجزوں میں سے یہ معجزہ سب سے اہم اور واضح ہے کہ باوجود یکا و تنہا ہونے کے اعلانہ کہتے تھے کہ تم سب مل کر مجھے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھو اور وہ باوجود کمال دشمنی و عناد کے اور کثرت و اجتماع کے انبیاء کو ہزر دینے پر قادر نہ ہو سکتے تھے

تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ

اس قوم عادنے انکار کیا اپنے رب کی نشانیوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور اتباع کی ہر سرکش ظالم کے

عِنْدِ ۵۹ ﴿۵۹﴾ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةَ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ط الْأَرْضِ

عالم کی اور پیچھے لگا دی گئی ان کے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی آگاہ ہر تحقیق قوم

عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ط لَا بَعْدَ الْعَادِ قَوْمٌ هُوَ ﴿۶۰﴾ وَاللّٰهُ يَوْمَ يُدْعَىٰ

عاد نے کفر کیا اپنے رب کا آگاہ ہر ہلاکت سے ہود کی قوم عاد کے لئے اور دیکھا، ثمود کی طرف ان کے بھائی

صَالِحًا قَالَ يُقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ط هُوَ الشَّاكِرُ

صالح کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اس کے اس نے پیدا کیا تمہیں

مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ ط إِنَّ

زمین سے اور آباد کیا تمہیں اس میں پس معافی مانگو پھر رجوع کرو طرف اس کے تحقیق میرا

رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوا يٰضِلُّوا قَدْ كُنْتُمْ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا

رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے کہنے لگے اے صالح تحقیق تو تھا ہم میں امید گاہ اس سے پہلے

۲۲۱ اخذ بنی صیتھا - یہ ملکیت سے کنایہ ہے۔

۲۲۲ صراط مستقیمہ - یعنی وہ عادل ہے اور اس کی ہر چیز حکمت تدبیر ایک سیدھا راستہ ہے۔

۲۲۳ فَاِنْ تَوَلَّوْا - یہ انعام محبت کے طور پر عذاب کی دھمکی ہے۔

۲۲۴ حَفِیْظٌ - یعنی بندوں کے اعمال کا نگہبان ہے تاکہ ان کو ان کے مطابق جزا یا سزا دے۔

تَجِیْبًا - تکرار اس لئے ہے کہ پہلے مقام پر ظاہری دنیاوی عذاب سے نجات دینا مقصود ہے۔ اور دوسری جگہ قیامت کے سخت عذاب سے نجات کا وعدہ ہے۔

رُسُلُهُ - جمع مضاف استغفران کا فائدہ دیتی ہے گویا وہ تمام رسولوں کی نافرمانی کرنے والے تھے اور اس سے معلوم ہوا کہ ایک

نبی کی مخالفت کرنے والے کو تمام انبیاء کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَوْمَ يُدْعَىٰ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قوم ثمود کی رہائش وادی قریٰ

میں تھی جو مدینہ اور شام کے درمیان ہے اور حضرت صالح ان کی برادری

رکوع نمبر ۶ حضرت صالح کا ذکر

اتَّهْنَأَنَّ تَعْبُدَهَا يَعْبُدُ آبَاءَنَا وَإِنَّا لَفِي شَكِّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ

کیا تو اب روکتا ہے کہ ہم عبادت کریں ان کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا تو ہم تیری اس دعوت سے گھرے شک میں

مُرِيبٌ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَ

پڑ گئے ہیں فرمایا اے قوم دیکھو اگر میرے پاس اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل ہو اور

الَّتِي مِنْهُ رَحْمَةٌ فَمَنْ يُنصِرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتَهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي

میرے پاس اس کی رحمت آئے تو کون میری مدد کرے گا اللہ سے اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم لوگ نہیں زیادہ کر رہے ہو

غَيْرُ تَحْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَاكُلْ

سو اے خسارے کے اور اے قوم یہ اللہ کی ناکہ تمہارے لئے نشانی ہے پس اس کو چھوڑو کہ کھائے

فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾

زمین خدا میں اور نہ مس کرو اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب جلدی

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ

پس انہوں نے اس کو زخمی کر ڈالا تو کہا (صالح نے) جی لو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ جھوٹا نہیں

میں سے تھے۔ آپ نے اپنی دعوت میں پہلے غیر اللہ کی نفی کر کے توجید کو ثابت کیا پھر اس کے احسانات میں سے احسانِ عظیم یعنی

خلعت و جود کا عطا کرنا یاد دلایا اور اسلام کا بنیادی اصول یہی ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء نے اپنی

امتوں کو سب سے پہلے اسی طرف توجہ دلائی اور آخر میں پیدا کرنے کے بعد دیگر سہولیات زندگی جو اس نے میسر فرمائی ہیں، کا تذکرہ

فرمایا جس کو واستغمر حکم کی جامعیت شامل ہے کیونکہ یہ لفظ عمارت سے یا عمر سے مشتق ہے۔ پہل صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ

اس نے تمہارے لئے زمین کی عمارت اور آباد کاری کی سہولتیں ہم پہنچائیں جو تمہاری بود و باش کے لئے ضروری ہیں اور دوسری

صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ اُس نے تمہیں لمبی لمبی عمریں عطا کی ہیں تاکہ زندگانی دنیاوی کی لذتوں سے جی بھر کر فائدہ اٹھاؤ

اور کہتے ہیں کہ تین سو سے لے کر ایک ہزار سال تک ان کی عمریں تھیں۔

مَرْجُوًّا۔ یہ دَجَائِرُ جُؤَا کے باب سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ سے اچھائی کی توقع اور امید

متی لیکن آپ تو خلاف توقع ہمیں اپنے خداؤں کی عبادت سے روک کر ایک نیا مذہب ایجاد کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے ہم

آپ کے متعلق شک میں پڑ گئے ہیں اور مریب آیت میں شک کی صفت ہے۔

مَكذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

ہے پس جب آیا ہمارا عذاب تو ہم نے نجات دی صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے اس پر اپنی

بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِن خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾

رحمت سے (عذاب سے) اور اس دن کی رسوائی سے تحقیق تیرا رب قوی غالب ہے

وَآخِذِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثْمِينَ ﴿٦٧﴾

اور پکڑ لیا ان کو جو ظالم تھے ایک دھماکے نے تو ہو گئے وہ اپنے گھروں میں جھٹے ہوئے

كَانَ لَمْ يَعْنُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ تَمُودَ أَكْفَرُوا رِبَّهُمَا لَا بَعْدَ التَّمُودِ ﴿٦٨﴾

گیا وہ کبھی آباد ہی نہ تھے اس میں آگاہ ہو تحقیق قوم ثمود نے کفر کیا اپنے رب کا آگاہ ہو ہلاکت ہے قوم ثمود کے لئے

وَلَوْ تَسَوَّهَأَ لَعَنُوا نَادَةَ كَوْبُرَائِي سَمَسْ نَكَرُوهُ يَرِنَاوَلْبَطُورِ مَعْجَزَهُ حَضْرَتِ صَالِحٍ كِي دَعَا سَمَسْ تَحْرَسَ سَمَسْ پيدا ہوئی تھی اور اس کا مفصل واقعہ سورہ اعراف پارہ ۱۷ میں تفسیر کی چھٹی جلد ص ۲۸۵ میں مذکور ہو چکا ہے۔

فَعَقَّرُوا هَا - صیغہ جمع کا ہے۔ اگرچہ حضرت صالح کی ناکہ کو قتل کرنے والا ایک ہی شخص تھا۔ لیکن باقی قوم چونکہ اس کے فعل شنیع پر راضی تھی لہذا سب کو مورد الزام قرار دے کر ان کی طرف اس فعل کی نسبت دی گئی اور عذاب میں سب کے سب ہی گرفتار کر لئے گئے۔ پس مجرموں کو پناہ دینے والے یا غلط کاروں کے افعالِ قبیحہ پر خوش ہونے والے اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور احادیث کا مسکرہ ہے کہ مَنْ دَخَلَ بَيْعِلِ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ - یعنی جو شخص کسی قوم کے فعل سے راضی ہو تو گویا وہ خود کرنے والوں میں سے ہی شمار ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت قائم آل محمد تشریف لائیں گے تو دشمنان آل محمد سے انتقام لیں گے کیونکہ یہ لوگ آل محمد پر ظلم کرنے والوں کے افعال پر راضی تھے۔

إِنَّ تَمُودًا ابْنُ شَيْبَانَ ثَمُودَ كُ مَنصُوفٍ قَرَارِ دَعَا كَرْتَمُودِ دَعَا سَمَسْ اور آخر میں غیر منصرف قرار دیا گیا ہے۔

تحقیق انبئ

جو نام قبیلہ یاجی کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کی چند قسمیں ہیں (۱) وہ جو صرف جی کے لئے استعمال ہوں۔ اور وہ وہ ہیں جن کے ساتھ بنو یاجی نہ لگ سکے جیسے قریش کیونکہ بنو قریش نہیں کہا جاتا (۲) وہ

جو صرف قبیلہ کے لئے استعمال ہوں جیسے تیمم۔ قیس اور تغلب وغیرہ اور اسم قبیلہ ہونے کی وجہ سے تیمم بنت مرثیہ بنت غیلان اور تغلب بنت وائل کہا جاتا ہے (۳) وہ جو کبھی باپ اور جی کے لئے مستعمل ہوں اور کبھی قبیلہ کے لئے بولے جائیں جیسے ثمود۔ پس قبیلہ کے اطلاق کے لحاظ سے نکرہ اور منصرف ہوں گے اور باپ یاجی کا علم ہونے کی حیثیت سے غیر منصرف ہوں گے۔ لہذا اس قسم کے ناموں کا منصرف یا غیر منصرف پڑھنا دونوں جائز ہیں اور قرآن میں جس طرح منقول ہے اسی طرح ہی پڑھنا چاہیے۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلَنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ

اور تحقیق پہنچے ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر انہوں نے سلام کیا تو آپ نے جواب سلام کہا اور بلا توقف

أَنْ جَاءَ بِعِلِّ حَنِيدٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكَرَهُمْ

کا ڈبچے کا بھونا ہوا گوشت ان کے سامنے رکھا لیکن جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے اس کی طرف تو گھبرا گئے اور ان سے

وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ ﴿۷۰﴾

ڈر محسوس کرنے لگے انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم بھیجے گئے ہیں طرف قوم لوط کے

وَأَمْرَاتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِاسْحَقَ وَمِنْ وَّرَاءِ اسْحَقَ

اور اس کی عورت کھڑی تھی پس وہ ہنسی تو ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد

يَعْقُوبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يُوَيْلَتِي آلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخَانٌ هَذَا

یعقوب کی کہنے لگی مائے میں جنوں کی حالانکہ بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے تحقیق یہ

رِجُلٌ نَبِيٌّ، حَضْرَتِ اِبْرَاهِيمَ كَاذِكْرٍ اُرْسِلْنَا۔ حضرت ابراہیم کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے کسی

نے تین بیان کئے ہیں۔ یعنی جبریل۔ میکائیل اور اسرافیل، اور کسی نے چار ذکر کئے ہیں اور چوتھے کا نام کرویل لکھا ہے۔ نیز نو اور

گیارہ کے اقوال بھی ہیں اور مروی ہے کہ یہ فرشتے لوگوں کی شکل میں تھے۔

بِالْبُشْرَى۔ یہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ اور اس میں تین قول ہیں (۱) حضرت اسحٰق کی ولادت اور

اس کی نبوت اور اس کی صلب سے حضرت یعقوب کے تولد کی بشارت تھی (۲) بروایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ہاجرہ

کے شکم سے حضرت اسمعیل کے تولد کی بشارت تھی (۳) بعض نے کہا ہے حضرت لوط کے لئے عذاب کی خوشخبری تھی۔ مجمع البیان

عِجْلٍ حَنِيدٍ۔ عجل گائے کے بچے کو کہا جاتا ہے اور حنید کا معنی ہے بھونا ہوا اور آیت مجیدہ سے یہاں کی ضیافت میں عجلت

کرنے کا درس ملتا ہے۔

أَوْجَسَ۔ جب حضرت ابراہیم نے کھانا ان کے سامنے رکھا اور انہوں نے تناول کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم نے

سمجھا کہ یہ کوئی خطرناک آدمی ہیں کیونکہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق اگر کوئی کسی کے ہاں جاتا اور اس کے ہاں ضیافت کو قبول

نہ کرتا تو اس سے اس نووارد کا ڈاکو۔ چور یا راہزن ہونا سمجھا جاتا تھا لہذا مشرفاء طبقہ اگر ان کی مقادمت سے عاجز ہوتا تو ان کا خوفزدہ

ہونا ایک فطری امر ہوتا تھا بنا بریں حضرت ابراہیم ان سے خوفزدہ ہوئے اور ان کی وضاحت کے بعد مطمئن ہو گئے۔

لَشَيْءٍ عَجِيبٍ ﴿٤٢﴾ قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتِ اللَّهِ وَ

عجیب بات ہے انہوں نے کہا کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے کام پر اللہ کی رحمت اور

بَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَإِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ

اس کی برکتیں تم پر ہیں اسے گھر والے تحقیق وہ حمید و مجید ہے پس جب ختم ہوا ابراہیم

عَنْ إِبْرَاهِيمَ السَّرْوَعُ وَجَاءَتْهُ الْبَشْرَىٰ مُجَادِلِنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿٤٤﴾

کا ڈر اور اسے خوشخبری بھی مل گئی تو جھگڑنے لگے ہم سے قوم لوط کے متعلق

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَلِيمٌ وَأَوَّلَ مَنِيبٍ ﴿٤٥﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ

تحقیق ابراہیم حلیم آہ کرنے والے اور توکل کرنے والے تھے اسے ابراہیم چھڑو اس بات کو

هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرٌ بِكَ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٤٦﴾

تحقیق تیرے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان پر نہ ٹٹنے والا عذاب آنے والا ہے

وَأَمْرًا آتِيهِمْ۔ ان کی عورت یعنی سارہ بنت ہاران تھی جو نسبت میں آپ کی چچا زاد تھی اور بعض نے خالد زاد لکھی ہے۔ یہ وہاں لیں پر وہ مہمان نوازی کے فرضیہ کو انجام دینے کے لئے کھڑی تھی جب خلافت تو قح امور کو دیکھا تو ازراہ تعجب ہنس پڑیں خواہ اس کی وجہ ملائکہ کا کھانے سے رکنا ہو یا حضرت لوط کی قوم کے عذاب کی خبر ہو یا تولد اسمعیل کی پیشین گوئی ہو اور آخری بات زیادہ واضح معلوم ہے کیونکہ اس وقت اس کی عمر ۹۸ یا ۹۹ برس تشریفاً تھی اور حضرت ابراہیم بھی سو برس کے لگ بھگ عمر رکھتے تھے اور ایک قول کے مطابق ایک سو بیس برس کے تھے۔ بنا بریں تعجب اور ضحک کا صدر خلافت تو قح نہیں تھا۔

أَهْلَ الْبَيْتِ۔ لفظ اہل کی وضاحت اس سے قبل اسی جلد میں اور جلد ششم میں ہو چکی ہے۔ مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے اور اس تحقیق کے پیش نظر حضرت سارہ کو اہل بیت کے خطاب سے یاد کرنا مطلقاً زوجہ کے اہل بیت ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس مقام پر رحمۃ اللہ الخ کا جملہ انکار تعجب کی علت ہے۔ یعنی تعجب تو اس فعل پر کیا جاتا ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو لیکن جس کا سبب معلوم ہو۔ اس پر تعجب نہیں ہوا کرتا یہاں سبب معلوم ہے اور وہ یہ کہ خدا ہر شئی پر قادر ہے اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہر وقت تم پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ لہذا تعجب کرنے کا مقام نہیں ہے اور ممکن ہے یہ جملہ دعائیہ ہو کہ اے ابراہیم کے گھر والے تم پر خدا کی رحمت و برکت نازل ہو تعجب نہ کرو۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس استعجاب کو رفع کرنے اور مزید تسکین قلب حاصل کرنے کی غرض سے سارہ نے حضرت جبریل سے نشانی طلب کی تو اس نے ایک خشک لکڑی کو ہاتھ میں لے کر دیا یا پس وہ ہری ہو گئی اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح بقدرت خدا ایک خشک لکڑی ہری ہو سکتی ہے

اسی طرح بڑھا انسان بھی قدرتِ خداوندی سے حالتِ شباب کی طرف پلٹ کر قابلِ اولاد ہو سکتا ہے۔
 یحٰیٰ دُلْنَا۔ یعنی حبیبِ ابراہیم سے خوفِ ٹل گیا اور لڑکے کی خوشخبری بھی مل گئی تو ہم سے یعنی ہمارے ملائکہ سے قومِ لوط کے
 عذاب کے متعلق جھگڑنے لگ گئے۔ بات یہ تھی کہ جب انہوں نے قومِ لوط کے عذاب کی خبر سنائی تو حضرت ابراہیم نے دریافت
 کیا کہ اگر ان میں بچاؤ مومن ہوں تو وہ بھی مبتلائے عذاب ہو جائیں گے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس حضرت ابراہیم
 تعداد کو کم کرتے گئے کہ اگر ان میں چالیس تیس ہیں حتیٰ کہ ایک مومن ہو تو وہ مبتلائے عذاب ہوگا تو فرشتے ہر سوال کے جواب
 میں نہیں کہتے رہے۔ پس حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کے متعلق پوچھا تو فرشتوں نے جواب دیا کہ ہمیں اس بات کا پتہ ہے
 اور ہم اس کو بچالیں گے۔

یہ خیال رہے کہ حضرت ابراہیم کی طرف جھگڑے کی نسبت دینان کے بار بار سوال کرنے کی بنا پر ہے۔ اگر فیصلہ
 خداوندی کے انکار و رد کی بنا پر ہوتا تو ان کو حلیم اور نسیب کے گرد القدر خطا بات سے نوازا نہ جاتا۔ آیت مجیدہ کا طرزِ بیان
 یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا ملائکہ سے سوال محبوب پروردگار تھا۔ چنانچہ حلمِ خوفِ خدا اور انابت کا ثمرہ اسے قرار
 دے کر مدحیہ رنگ میں بیان کیا۔ پس بنا بریں جدال کی نسبت بھی لطفِ خداوندی اور عنایتِ الہیہ کے اظہار کی ایک تعمیر ہے
 جیسی تو بعد میں ارشاد ہوا۔ **يَا اِبْرٰهِيْمُ اَعَدِ صَنْعَكَ هٰذَا**۔ اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ دے عذاب تو ان پر ضرور آئے
 گا۔ اور وہ کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔ اور اربابِ ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس لہجہ میں پیار و محبت کی کس قدر چاشنی ہے۔

(۱) سلام کا استعمال چار معانی کے لئے ہوا کرتا ہے (۱) **سَلَّمَ** تَسْلِيمًا کا مصدر جس طرح کہا جاتا ہے۔
النَّوَارِ لَطِيْفَةٌ | **سَلَّمْتُ سَلَامًا** (۲) ایک درخت کا نام ہے۔ چنانچہ ایک عرب شاعر نے سلام کو حرجل پر معطوف
 استعمال کیا ہے (۳) سلامت کی جمع سلام ہوتا ہے (۴) اللہ کا نام ہے۔ پس جنت کو دار السلام کہنا اس لئے ہے کہ وہ ہر رنج و
 غم سے سلامتی کا گھر ہے اور یا اللہ کی طرف نسبت ہے جو اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

(۲) آیت مجیدہ میں **قَالُوا سَلَامًا** فرشتوں کے قول کی حکایت نہیں ہے کہ انہوں نے سلاما کہا۔ کیونکہ یہ سلام کے
 مروج استعمال کے خلاف ہے بلکہ یہاں فرشتوں کے مقولہ کی نقل بالمعنی ہے۔ جس طرح کوئی شخص مروج سلام کرتے ہوئے کہے
 اللسلام علیکم تو کہا جاتا ہے کہ اُس نے سلام کہا۔ پس اسی بنا پر فرشتوں کے مقولہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے سلام کہا۔ اور
سَلَامًا کی نصب قالوا کے مفعول ہونے کی بنا پر ہے۔ **وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا** میں بھی یہی
 توجیہ النسب ہے۔

(۳) **قَالَ سَلَامًا**۔ میں سلام پر نصب نہیں ہے کیونکہ اس کا اعراب حکائی ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے جواب کی
 حکایت ہے اور اس کے مرفوع ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو مبتدا ہے اور اس کی خبر علیکم محذوف ہے اور یا خبر ہے۔ اور
 اس کا مبتدا امری یا شانی محذوف ہے۔

(۴) سلام کی تین تعبیریں ہیں (۱) نکرہ تنوین کے ساتھ یعنی سلامٌ علیکم اور قرآن مجید میں اس کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ (۲) سلامٌ علیکم علی نوح۔ سلامٌ علی عیادہ وغیرہ (۳) الف و لام کے ساتھ معارفہ کر کے السلام علیکم اور قرآن مجید میں اس کا استعمال بھی موجود ہے۔ جیسے السلام علی (۳) سلامٌ علیکم۔ یعنی نکرہ بغیر تنوین کے گویا بکثرت استعمال کی وجہ سے تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے پس ان میں سے افضل پہلی صورت ہے پھر دوسری۔

(۵) اکثر نحوویوں کا نظریہ یہ ہے کہ نکرہ بغیر تخصیص کے مبتدا واقع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سلام کو مبتدا بنانے کی صورت میں اس کی تخصیص کا بہانہ یہ تلاش کیا جاتا ہے کہ اس کی متکلم کی طرف نسبت ہے۔ لہذا اس میں جہت اختصاص موجود ہے لیکن محققین کے نزدیک اس قسم کے بہانے فضول ہیں۔ اور ان کے نزدیک ہر وہ اسم خواہ نکرہ ہو یا معرفہ مبتدا بن سکتا ہے جس کے مبتدا ہونے میں افادیت کا پہلو ہو۔ بس اگر نکرہ کے مبتدا ہونے میں افادیت موجود ہے تو اس کا مبتدا ہونا درست ہے اور بخلان اس کے اگر معرفہ کے مبتدا ہونے میں افادیت نہیں تو اس کا مبتدا قرار دینا نا جائز ہے۔ سلام علیکم میں متکلم کی طرف نسبت کا بہانہ اس لئے بھی غلط ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہوا کرتا ہے اور اس میں مخاطب کے لئے سلامتی کی دعا ملحوظ ہوتی ہے۔ پس افادیت کے پیش نظر اس کا مبتدا ہونا درست ہے اور یہی موقف بلا شک و شبہ قابل قبول ہے۔

(۶) ضحک اگر ضاد کا کسرہ ہو تو اس کا معنی ہے ہنسنا اور اگر ضحک ضاد کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے حیض۔ اور آیت مجیدہ میں ضحکت کے معنی میں دونو تاویل کی گئی ہیں۔ اور دوسری تاویل کی رو سے معنی یہ ہوگا کہ فوراً ان کا بڑھاپا جوانی سے بدل گیا (۷) یعقوب پر بعضوں نے ضمہ اور اکثر نے فتح پڑھا ہے۔ ضمہ پڑھنے والے اس کو مرفوع قرار دیتے ہیں کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یا ظرف من در اسما سخی کا فاعل ہے اور جو لوگ فتح پڑھتے ہیں وہ اس کی تین توجیہات کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسخی پر عطف ہے اور غیر منصوب ہونے کی وجہ سے اس کی خبر فتح کے ساتھ ہے۔ اور یہ توجیہ اس لئے ناقابل قبول ہے کہ باحرف جر عامل اور یعقوب مجرور معمول کے درمیان من در اسما سخی کا ناقابل برداشت فاصلہ ہے اور سیبویہ نے اس قسم کے عطف کو قبیح قرار دیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ عطف علی العمل ہو یعنی یعقوب کا اسخی کے محل پر عطف ہو۔ اور اسخی چونکہ محلاً منصوب ہے لہذا یعقوب بھی منصوب ہے۔ اور یہ توجیہ بھی سالیق بیان کی روشنی میں ضعیف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی فاصلہ ناقابل برداشت اور قبیح ہے اور اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ یعقوب منصوب ہے اور اس کا عامل فعل محذوف ہے یعنی وَهَبْنَا لَهُ یَعْقُوبَ اور یہی توجیہ بہتر ہے۔

حضرت لوط کا ذکر | قصہ یہ ہے کہ وہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر حضرت لوط کے پاس حسین و جمیل لڑکوں کی شکلوں میں پہنچے جب کہ وہ شہر کے باہر اپنی کھیتی میں موجود تھے اور انہوں نے آتے ہی ان کے مکان مہمان رہنے کی خواہش ظاہر کی اور حضرت لوط اپنی قوم کے کردار سے واقف تھے اور انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ یہ فرشتے ہیں۔ پس گھبرا گئے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيًّا بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا وَقَالَ هَذَا

اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے لوٹ کے پاس تو اس کو برا لگا اور ان کی وجہ سے وہ تنگدل ہوا اور کہنے لگا کہ یہ

يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۴۷﴾ وَجَاءَهُ قَوْمَهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمَنْ قَبْلُ كَانُوا

دن سخت ہے اور اس کی قوم اس کے پاس دوڑتی ہوئی آگئی اور پہلے سے ہی وہ

يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ط قَالَ يَقَوْمِ هُوَ لَأَبْنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

عادی تھے برائی کے تو فرمایا کہ اے قوم یہ میری بیٹیاں زیادہ موزوں ہیں تمہارے لئے پس اللہ سے ڈرو

وَلَا تَخْزُونِ فِي ضَيْفِي ط أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ شَهِيدٌ ﴿۴۸﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتِ

اور مجھے مہازن کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی شریف آدمی نہیں ہے؟ کہنے لگے تو جانتا ہے کہ

مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حِجٍّ ط وَإِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۴۹﴾ قَالَ لَوْ أَنِّي لِيُكْمُ

ہمیں لڑکیوں کی خواہش نہیں ہے اور تجھے پتہ ہے جو ہم چاہتے ہیں فرمایا کاش! میرے پاس تمہارے مقابلہ

سِيًّا بِهِمْ ط سو مصدر سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی ان کی وجہ سے کوفت میں مبتلا ہوا۔

يُهْرَعُونَ ط اس کا مصدر اہراع باب افعال ہے۔ اس کا معنی ہے دوڑانا۔ یعنی دوڑائے جا رہے تھے مقصد یہ ہے کہ ان

کے اندر بے حیائی اور غلط کاری کا جذبہ اس قدر تیز تھا کہ وہ ان کو فوراً دوڑائے ہوئے آ رہا تھا اور ہم نے اس کا مرادمی ترجمہ

کر دیا ہے کہ وہ دوڑے ہوئے آئے۔

وَمِنْ قَبْلُ ط آیت مجیدہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط کی لعنت سے پہلے وہ اس فعل بد کے عادی ہو چکے تھے۔

بَنَاتِي ط اس جگہ قوم کی لڑکیاں مراد ہیں کیونکہ نبی اپنی اُمت کا باپ ہوا کرتا ہے۔ پس جس طرح اُمت کے لئے نبی کی ازواج

مائیں ہوا کرتی ہیں اسی طرح اُمت کی لڑکیاں نبی کی لڑکیاں کہی جاسکتی ہیں۔ اور اس جگہ مقصد یہ ہے کہ حضرت لوط نے بطور نصیحت

کے اپنی قوم کی صحیح فعل کی طرف رہنمائی کی۔ اور لوط سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے اس کا نعم البدل عورتوں سے شادی

کر کے ان سے مجامعت کرنے کی رغبت دلائی۔ پس بناتی سے حضرت لوط کی صلیبی بیٹیاں مراد لینا اور یہ کہنا کہ اس زمانہ میں مسلمان

لوطی کا کافر سے رشتہ جائز تھا یا یہ کہ نبی زادی کا فر سے شادی کر سکتی تھی۔ سراسر غلط بلکہ انبیاء کی توہین کے مترادف ہے اور اس کی

تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت لوط کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ زعمراء اور ریتاء اور یہ نام ممکن ہے کہ اپنی پوری اُمت کے

مردوں کو صرف اپنی دو لڑکیوں سے شادی کرنے کی پیش کش کر رہے ہوں معاذ اللہ۔ پس معلوم ہوا کہ اُمت کے مردوں کو اُمت کی

لڑکیوں سے جائز طور پر نکاح کرنے کی دعوت تھی۔

قُوَّةٌ أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٨﴾ قَالُوا يَلُوْطُ إِنَّهُ رَسُلٌ رَبِّكَ لَنْ

کی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا (فرشتے) بولے اسے لوط ہم تیرے رب کے فرستادہ ہیں یہ ہرگز تیرے قریب

يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرَبْنَا بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ

نہ آسکیں گے پس چلے جاؤ اپنے اہل کو لے کر رات کے حصے میں اور تم میں کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے تیری

إِلَّا أَمْرًا تَكُنْ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ

بیوی کے کہ اس کو پہنچے گا وہ عذاب جو ان کو پہنچے گا تحقیق عذاب کا مقررہ وقت صبح ہے کیا صبح

الصُّبْحُ يُقْرَبُ ﴿٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا

قریب نہیں ہے ؟ تو جب آیا ہمارا امر ہم نے کر دیا ان کے اوپر کو نیچے د یعنی ان کی زمین کو الٹا دیا ۔ اور ان پر

مِنْ حَقٍّ ۔ چونکہ انسان کی یہ عادت ہے کہ جس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے اس کی طرف رغبت کرتا ہے ۔ اور اس کا عکس یہ ہے

کہ جس شے کی طرف رغبت کرتا ہے وہ اس کا حق ہوتا ہے ۔ اور عکس نقیض اس طرح ہوگا کہ جس میں اس کی رغبت نہیں وہ

اس کا حق ہی نہیں اور چونکہ وہ لوط کیوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے تھے ۔ اسی بنا پر انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا ان میں کوئی حق

نہیں ہے اور مقصد یہ ہے کہ ہماری رغبت چونکہ لوطوں میں ہے ۔ اور تو بھی اس بات کو جانتا ہے لہذا لوطوں کا مطالبہ ہمارا

حق ہے اور اس کو ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے تو جب حضرت لوط نے ان کے اس چیلنج کا جائزہ لیا تو بے بس انسانوں کی طرح یہ

فقرے زبان سے جاری کئے کہ کاش آج میرے پاس تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی تو میں تمہیں اس جہرات کا مزہ چکھاتا

اتنے میں فرشتے بول اٹھے کہ اے لوط تمہیں غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہم فرشتے ہیں ۔ اور ان لوگوں کے عذاب کا حکم لے کر

آئے ہیں ۔ یہ لوگ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے ۔ پس راتوں رات اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤ ۔ اس

طرف جبریل نے انگلی کا اشارہ کیا کہ وہ سب اندھے ہو گئے ۔

لَا يَلْتَفِتْ ۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں ۔ یہ کہ پیچھے مڑ کر کوئی نہ دیکھے یا یہ کہ اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے مال و متاع کا خیال دل

میں کوئی نہ لائے یا یہ کہ پیچھے کوئی نہ رہ جائے یا یہ کہ دھماکہ سننے سے پیچھے کی کوئی پرواہ نہ کرے ۔

إِلَّا أَمْرًا تَكُنْ ۔ یعنی تمہاری بیوی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گی ۔ اور اپنی قوم کے ساتھ شریک عذاب ہوگی ۔ اور یہ بھی ممکن ہے

کہ اہل سے استثناء ہو ۔ یعنی یہ کہ سب گھر والوں کو ساتھ لے کر نکل جاؤ ۔ سوائے اپنی بیوی کے اور اہل کے معنی کی تحقیق گزر چکی ہے ۔

إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۔ جب حضرت لوط نے اپنی بدکار قوم کے معذب ہونے کی خبر سنی تو دریافت کیا کہ کب عذاب آئے گا تو جبریل

نے جواب دیا کہ ان کے عذاب کا مقررہ وقت صبح ہے تو مروی ہے کہ حضرت لوط نے جلدی کی خواہش کی تو فرشتوں نے جواب

عَلَيْهَا جَارَةٌ مِّنْ سَجِيلٍ ۝۸۲ مَسُومَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ

برساتے پتھر اور پے سے پے درپے جو اللہ کے نزدیک معین تھے اور یہ عذاب

الظَّالِمِينَ بَعِيدٌ ۝۸۳ وَالِى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَوْمًا عَبْدُوا

ظالموں سے دور نہیں ہے اور بھیجا قوم مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو انہوں نے کہا اے قوم عبادت کرو

اللَّهُ مَا لَكُمْ مِّنَ إِلَهِ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَمْرٌ مُّجِيرٌ

اللہ کی کہ نہیں تمہارا کوئی معبود اس کے سوا اور نہ کم کرو ناپ اور تول کو تحقیق میں تم کو اچھی حالت پر دیکھ رہا ہوں

دیکھا کہ صبح بھی تو قریب ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ عذاب خداوندی اپنے مقرر کردہ وقت پر ہی آتا ہے۔ خواہ کوئی اس کی تاخیر

سے دل تنگ ہی کیوں نہ ہو۔

جَعَلْنَا عَلَيْهِمْ سَبًّا ۝۸۴ مَرُومٍ مِّنْ حَبْرٍ لِّئَلَّا يَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَأَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ

آوازیں اہل آسمان سنتے تھے۔ پس وہاں سے اُس کو الٹا کر کے پھینک دیا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے۔ اور یہ چار بستیاں

تھیں جن کو موفکات بھی کہا گیا ہے۔ سدوم۔ عامر۔ دو ما اور صبرائیم۔ اور ان کا بڑا شہر سدوم تھا۔ اور حضرت لوط کی رہائش

اسی میں تھی۔

سَجِيلٍ ۝۸۵ بَعْضٌ نَّعَىٰ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ

کے سبیل سے مراد آسمان اول ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خدا نے ان کے سروں پر ایک بادل بھیج دیا جس سے اولوں کی طرح ان پر

پتھروں کی بارش ہوئی۔ اور منضود پے درپے کے معنی میں ہے۔ یعنی پتھروں کی مسلسل دھاوا بارش ان پر برسائی گئی اور مسومہ

کا معنی ہے علامت دار۔ اور اس کی کئی تاویل کی گئی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر ایک پتھر پر اس آدمی کا نام لکھا ہوا تھا

جس کے لئے وہ معین تھا۔

وَمَا هِيَ ۝۸۶ اس لفظ سے تمام امت اسلام کو بھی سزائیں اور توبہ کر دی گئی ہے کہ ہر ظلم کرنے والے کو اگر خدا چاہے تو اس

عذاب سے معذب کر سکتا ہے۔ لہذا ظالموں کو خدا کی ڈھیل سے معذور نہ ہونا چاہیے۔

مردی سے ہے۔ کہ قوم لوط کا ایک آدمی ان دنوں حرم کی حدود میں داخل تھا۔ لہذا اس کے نام کا پتھر آسمان اور زمین کے

درمیان معلق رہا جب وہ حرم سے باہر آیا تو پتھر گرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور مردی ہے کہ عذاب میں گرفتار ہونے والوں کی کل

تعداد چالیس لاکھ تھی (مجمع البیان) اور مردی ہے کہ حضرت لوط پر ایمان لانے والی صورت اس کی دو بیٹیاں ہی تھیں (مجمع)

چونکہ قوم لوط پر دو قسم کے عذاب آئے ایک یہ کہ ان کے طبقہ زمین کو الٹا یا گیا۔ اور دوسرا یہ کہ پتھر برسائے گئے۔ پس ممکن ہے

کہ پہلے ان پر سنگباری ہوئی ہو اور پھر زمین کو الٹا یا گیا ہو۔ یا یہ کہ ان کے دو گروہ کر دئے گئے ہوں۔ ایک گروہ کو ایک عذاب

وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مَّحْضٍ ۝۸۳ وَيَقُومُوا أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ

اور مجھے تم پر کسی سخت دن کے عذاب کا ڈر ہے اور اے قوم پورا کرو ناپ اور تول کو

بِالْقِسْطِ وَلَا تَجْسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝۸۵

انصاف سے اور نہ کم دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد ہی بن کر

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝۸۶

اللہ کی عنایت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تمہارا پاسبان نہیں ہوں

قَالُوا شِعْبُ آبَائِنَا الْأَثَمَ ۚ وَقَالَ لِمَنْ أَشْيَاءُ آبَائِنَا وَإِنَّا لَفَعْلٌ

کہنے لگے اے شعیب کیا تیری نماز تجھے کہتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں اس کو جس کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے یا چھوڑ دیں

فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ أَطْرَافِكَ لَدُنَّ الْحَكِيمِ الرَّشِيدِ ۝۸۷ قَالَ يَقُومُ

وہ جو اپنے مالوں میں ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں بس تو ہی دانایان اور سمجھدار ہے فرمایا اے قوم کیا

عَآرَآئِنَا إِن كُنْتَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقْنِي مِنهُ رِزْقًا حَسَنًا

دیکھتے ہو کہ اگر میں اپنے رب سے دلیل پر قائم ہوں اور عطا کرے وہ اپنی جانب سے مجھے اچھی عطا (تو اسے چھوڑ دوں)

دیا گیا ہو۔ اور دوسرے کو دوسرا عذاب دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ خداوند کریم تمام مومنین کو ایسے جرائم سے محفوظ و مصون رکھے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ حضرت ابراہیم کا فرزند تھا اور یہ لوگ اس کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت شعیب ان کی برادری میں سے تھے۔ لہذا

رکوع نمبر ۸ حضرت شعیب کا ذکر

ان کو ان کا بھائی کہا گیا ہے۔ یہ لوگ تول اور ناپ میں دھوکہ کرتے تھے کہ دینے میں کم اور لینے میں زیادہ کر لیتے تھے پس حضرت شعیب نے ان کو اس فعل سے روکا۔ اور فرمایا کہ خدا کی طرف سے تم پر نعمتوں کی فراوانی ہے۔ اور تم اچھی حالت میں ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہ کردار موجب عذاب ہو کر زوالِ نعمت کا باعث بن جائے۔ پس اللہ کی عبادت کرو اور تول ناپ پورا رکھو۔ اور لوگوں کے ساتھ دھوکا نہ کرو۔ پس تول و ناپ کے منصفانہ فعل سے جو جائز نفع تمہیں ملے گا اسی میں برکت زیادہ ہوگی۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو ایسا کرو۔ ورنہ میں تمہارا چوکیدار نہیں ہوں۔

أَوْ أَن تَفْعَلَ۔ تاویل مصدر میں ہو کر اس کا عطف ما پر ہے۔ یعنی کیا تجھے نماز کہتی ہے کہ ہم ماں باپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اور اپنے اموال میں جو اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں اس کو ترک کر دیں۔

وَمَا أَرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَكُمُ عَنْهُ ط إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ

اور میں خود بھی اس چیز کی مخالفت نہیں کرتا جس سے تم کو روکتا ہوں میں تو صرف اصلاح ہی چاہتا ہوں جس قدر

مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۸۸﴾

کر سکتا ہوں اور نہیں میری توفیق مگر اللہ سے اسی پر میری توکل ہے اور اسی کی طرف ہی بازگشت ہے

وَيَقَوْمٍ لَا يُجْرِمُونَكَ لِيُقْرَبُكَ أَتَىٰ الْأَنْبِيَاءَ مِمَّا صَبَّ تَوْهُمَ نَوْحٌ

اور اے قوم نہ حقدار بنائے تمہیں میری مخالفت کہ پہنچے تمہیں (عذاب) جس طرح قوم نوح

أَوْ قَوْمِ هُودٍ أَوْ قَوْمِ صَالِحٍ ط وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوا

اور قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچا اور لوط کی قوم بھی تم سے دور نہیں اپنے رب سے بخش

رَبِّكُمْ ثُمَّ تَوْبُوا إِلَيْهِ ط إِنْ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوا الشَّعْبِ

طلب کرو پھر اس کی طرف رجوع کرو تحقیق میرا رب رحیم اور دودو ہے کہنے لگے اے شعب

إِنَّكَ مَلَكٌ مِّنْ جِبْرِائِيلَ ط اور استنبزاد کے طور پر ہے یعنی کیا تو ہی ہم میں ایک دانائے اور باقی سب پاگل ہیں ؟ یعنی ایسا نہیں ہے اور مروی ہے کہ حضرت شعب نماز زیادہ پڑھتے تھے۔ اسی لئے اس کی قوم نے اس کو نماز کا طعنہ دیا اور آج کل بھی لوگ نمازیوں کو بالعموم نماز کا ہی طعنہ دیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو گذشتہ اقوام کے انجام سے باخبر ہو کر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

إِنْ كُنْتُ - یعنی اللہ کی جانب سے میرے پاس برہان بھی ہو۔ اور اس کی نعمت نبوت بھی مجھ کو ملی ہو تو کیا ان کی پردہ نہ کروں اور تمہارے جذبات کے تابع ہو کر ہدایت سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ یہاں جزائے شرط معذون ہے۔

وَمَا أَرِيدُ - یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تم کو ایک بڑی چیز سے روکوں اور خود اس کو بچاؤں۔ یعنی میں تمہارے لئے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور اسی کا نام خیر خواہی اور اصلاح ہے۔

لَا يُجْرِمُونَكَ - مقصد یہ ہے کہ تمہارا میری مخالفت کرنا میرے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ تمہارے اپنے لئے مضر ہے پس سوچ لو کہ میں میری عداوت تمہیں عذاب خداوندی کی طرف نہ بھیج لے جائے۔ جیسا کہ سابقہ اقوام کی تاریخ تم جانتے ہو۔

اسْتَغْفِرُوا - یعنی پہلے سابقہ گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ اور پھر ساتھ ہی آمیزہ کے لئے اس کی اطاعت کا عزم کرو۔ اور اسی ذات کی طرف رجوع کرو۔ وہ اب بھی تم پر رحم کرنے کو تیار ہے کیونکہ وہ رحیم ہے اور اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

مَا لَفَقَدْنَا - فقہ لغت کے لحاظ سے سمجھ لینے کو کہتے ہیں۔ اگرچہ اصطلاح فقہاء میں مسائل شرعیہ فرعیہ کو اولہ تفضیلہ سے جاننے کا نام ہے۔ اس مقام پر قوم شعب کا مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ آپ کی مدلل و مبہن گفتگو کے جواب سے

مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرُكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْمُكَ

ہم نہیں سمجھتے بہت کچھ جو تم کہتے ہو اور ہم تم کو اپنے میں کمزور سمجھتے ہیں اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو

لَرَجْنَاكَ وَمَا آنتَ عَلَيْنَا بَعِزِي ۹۱ قَالَ يَقَوْمِ أَرَهَطِي أَعَزُّ

ہم تم کو مار ڈالتے ورنہ تمہاری ہمیں کوئی پاس نہیں ہے فرمایا اے قوم کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے

عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وِرَاءَكُمْ ظَهْرِيًّا إِنَّ رَبِّي بِمَا

تمہارے نزدیک اللہ سے اور اس کو تم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے تحقیق میرا رب احاطہ کرنے

تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۹۲ وَيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰی مَا تَكْمُرٰنِي عَامِلَةٌ

والا ہے اس کا جو تم عمل کرتے ہو اے قوم تم اپنی جگہ کام کرو اور میں اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب

سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوا

جانو گے کہ کس پر آتا ہے رسوا کن عذاب اور کون بھوٹا ہے اور انتظار کرو

إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۹۳ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ

ہیں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور جب ہمارا امر آیا تو ہم نے شعیب کو نجات دی اور ان کو جو

عاجز ہوئے تو کہنے لگے ہمیں آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں اور ہر جھوٹے اور حذی کا جواب ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے اور خدا اس کو عبرت کے لئے ذکر فرما رہا ہے۔

لَنَوْلِكَ۔ ان کے اس جواب میں دھمکی بھی ہے اور تکبر کا اظہار بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ کا دستور رہا ہے کہ جھوٹا طبقہ چونکہ معقول بات سے عاجز ہوتا ہے۔ لہذا اپنی ہیٹ دھرمی پر برقرار رہنے کے لئے یا تو مخاطب سے کہتا ہے کہ مجھے تیری بات سمجھ میں نہیں آتی اور یا قوت بازو پر سہارا لے کر اس کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

ظہور کیا۔ کسی شے کو پیٹھ کے پیچھے ڈالنے اور اس سے لاپرواہی برتنے کو انہی الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا مفصل قصہ تفسیر نذا کی چھٹی جلد ص ۵۵ میں مذکور ہو چکا ہے۔ لہذا عادیہ کی ضرورت نہیں۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ صبر کے ساتھ۔ فرج کا انتظار کرنا بہتر ہے جیسا کہ حضرت شعیب کا قول ہے۔ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ۔

رکوع نمبر ۹۔ حضرت موسیٰ کا ذکر | آیات ۲۳۵ کی آیت کی جمع ہے۔ یہاں مراد ہیں وہ نشانیاں جو غلبہ

يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ط وَمَا زَادُوهُمْ

پکارا کرتے تھے خدا کے علاوہ کچھ بھی جب آیا تیرے رب کا عذاب اور نہ ان کو کچھ اپنوں نے

غَيْرِ تَتَّبِعِ ۱۱۱ وَكَذَلِكَ أَخَذَ رَبُّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ

دیا سوائے ہلاکت کے اور اسی طرح گرفت ہے تیرے رب کی جب گرفت کرے بستیروں کو کہ وہ ظالم

ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخَذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۱۱۲ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِمَنْ خَافَ

ظالم ہوں تحقیق اس کی گرفت سخت دردناک ہے تحقیق اس میں نشانی ہے اس کے لئے جو

عَذَابِ الْآخِرَةِ ط ذَلِكَ يَوْمٌ مَجْمُوعٌ لَهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَشْهُودٌ

عذاب آخرت سے ڈرے وہ دن جس میں جمع کیا جائے گا سب لوگوں کو اور وہ دن حاضری کا ہوگا

۱۱۳ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ ۱۱۴ يَوْمَ لَا تَكَلُمُ نَفْسٌ

اور ہم اس کو نہیں ٹال رہے مگر ایک مقررہ وقت تک جب آئے گا تو نہ بات کریگا کوئی نفس

إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۱۱۵ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَيُنْفَوْنَ إِلَى

سوائے اسکی اجازت کے کچھ لوگ شقی اور سعید ہوں گے جو شقی ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۱۱۶ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

کہ ان کی وہاں پیچ و پکار ہوگی ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان و

ساکن ہلاک ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ نہ مکان باقی رہے اور نہ مکین باقی رہے۔

أَخَذَ الْقُرْآنَ - مصنف محذوف ہے یعنی اہل قرآنی مقصد یہ ہے کہ اہل قرآنی جب ظالم ہوتے ہیں تو خدا ان کو پکڑ لیتا ہے

اور جناب رسالت مآب سے منقول ہے کہ خدا ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو سخت پکڑتا ہے۔

لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ - یعنی قیامت ایک معین وقت تک مؤخر کی گئی ہے۔ اور اس کے وقوع کی تاریخ کا سوائے پروردگار

کے کسی کو علم نہیں ہے۔

إِلَّا بِإِذْنِهِ - اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذن پروردگار سے بات کرنے والے بات کر سکیں گے۔ لیکن ایک دوسرے

مقام پر ارشاد ہے۔ يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يُؤْتُونَ لَهُمْ فِعْلًا مُّذُنًا - یعنی وہ ایسا دن ہوگا کہ لوگ بول نہ سکیں

گے اور ان کو اذن بھی نہ دیا جائے گا کہ عذر خواہی کر سکیں۔ پس ان دونوں آیتوں میں تناقض لازم آتا ہے لیکن اس کا جواب

وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿۱۰۸﴾

زمین باقی ہیں مگر جب خدا چاہے تحقیق تیرا خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور

أَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فإِنَّ الْجَنَّةَ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ

جو سعید ہوں گے وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین

وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُودٍ ﴿۱۰۹﴾ فَلَا تَكُ فِي

باقی ہیں مگر جو خدا چاہے ان کے انعام و اکرام کی کوئی حد نہ ہوگی پس نہ شک میں پڑو

یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کی حاضری کے مراقف بہت ہوں گے۔ پس بعض موقف وہ ہوں گے۔ جن میں بولنے

کی قطعاً کسی کو اجازت نہ ہوگی۔ اور بعض موقف ایسے بھی ہوں گے کہ باذن پروردگار بولا جاسکے گا۔ اسی طرح ایک اور

جگہ بھی دو آیتوں میں ظاہراً تناقض بتا ہے کہ ایک میں فرماتا ہے۔ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ كَرِهِيَ النَّارَ

انسان سے اس کے گناہ کے متعلق نہ پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے۔ اور اُسے فریاد تھمت کی ضرورت ہی

نہیں ہے۔ اور دوسری میں فرماتا ہے۔ قَفُوهُمْ إِتْمَهُمْ قَسُوءُ لُؤُنٍ۔ ان کو روکو کہ ان سے پوچھا جانا ہے۔ ان دونوں

آیتوں میں اگرچہ ظاہراً تناقض ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جاننے کے لئے نہ پوچھا جائے گا۔ بلکہ سرزنش کے طور

پر پوچھا جائے گا۔ پس دونوں باتیں پوچھنا اور نہ پوچھنا درست ہیں۔

مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ۔ عرب لوگ چونکہ کسی شے کا دوام اسی انداز سے بیان کرتے تھے۔ اسی لئے ان کے محاورہ کے پیش نظر

یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے ورنہ آسمان و زمین کی بقا کا زمانہ بطور تحدید کے نہیں ہے تاکہ سمجھا جائے کہ جب تک آسمان و زمین باقی

رہیں گے۔ دوزخی دوزخ میں رہیں گے۔ اور جب آسمان و زمین فنا ہوں گے۔ تو دوزخی بھی دوزخ سے نکل جائیں گے۔ بہر کیفیت

عرب محاورہ کے مطابق دوام کے معنی کو اس تعبیر سے ادا کیا گیا ہے نہ کہ تحدید ہے کیونکہ تحدید اور خلود میں منافرت ہے۔

إِلَّا مَا شَاءَ۔ جنتیوں اور دوزخیوں کے دوام سے استثناء ہے۔ یعنی جنت یا دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے مگر جب خدا چاہے۔ تو

علمائے اس مقام کو مشکلات قرآن سے قرار دیا ہے کیونکہ اپنے مقام پر مسلم ہے کہ کافر ہمیشہ بلا استثناء جہنم میں رہے گا

اور مومن ہمیشہ بلا استثناء جنت میں رہے گا۔ پس اس جگہ مشیت پروردگار کا استثناء اس عقیدہ سے متصادم ہے تو

علمائے اعلام نے اس مقام کو حل کرنے کے لئے کافی ترجیحات بیان کی ہیں لیکن میں ان میں سے النسب تو جبر یہ سمجھتا

ہوں کہ آیت مجیدہ میں سعادت و شقاوت اصولی نہیں بلکہ فرعی ہے۔ یعنی جن لوگوں کے اصول و عقائد درست ہوں گے

اور اعمال میں کمزوری ہوگی تو اپنے اعمال بد کی سزا کے طور پر وہ جہنم میں جائیں گے۔ پس شقی ہوں گے۔ اور اعمال کی سزا جگتے

کے بعد داخل جنت ہوں گے۔ پس سعید بن جائیں گے۔ پس ایسے شقی شقاوت عملی کی بنا پر جہنم میں جائیں گے۔ اور انہیں

مَرِيَّةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هُوَلَاءُ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاءَهُمْ مِنْ قَبْلُ

اس سے جو پوجتے ہیں یہ لوگ یہ نہیں پوجا کرتے مگر جس طرح پوجا کرتے تھے ان کے باپ دادا پہلے سے

وَإِنَّا لَمَوْفُونَ بِمَا لَكُمْ بِهِمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۱۰۹ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ

اور تحقیق ان کو ہم پورا حق دیں گے بلا کم و کاست اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی

چونکہ اس سزا کے میعاد ہی ہونے کا علم نہ ہوگا لہذا وہ اپنے مقام پر دائمی سزا سمجھیں گے۔ اس بنا پر اس کو دوام و خلود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جب مشیت پروردگار سے ان کو معافی دے کر جہنم سے نکالا جائے گا تو وہ نیک بخت و سعید ہو جائیں گے پس دوزخیوں کے لئے مشیت کا استثناء اس بنا پر ہے کہ دوزخ میں اپنے زعم کے لحاظ سے ہمیشہ رہیں گے مگر جب خدا چاہے گا تو نکل آئیں گے۔ اور جنتیوں کے لئے اس طرح درست ہوگا کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے مگر وہ عرصہ جو جنت میں پہنچنے سے قبل بطور سزا کے جہنم میں گذاریں گے۔ اور بعض روایات سے اسی توجیہ کے ثواب بھی موجود ہیں جن کے ذکر کرنے کی چیزیں ضرورت نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے ان لوگوں کے لئے ہے جو عقائد صحیحہ رکھتے ہوں لیکن گنہگار ہوں اور مرنے سے قبل توبہ نہ کر سکے ہوں ورنہ توبہ سے تو گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ پس یہاں سعید و شقی دو گروہ نہیں بلکہ ایک ہی گروہ ہے، جو ایک زمانہ میں شقی اور دوسرے زمانہ میں سعید ہوگا۔ اور منہم شقی و سعید کا یہی مطلب ہے کہ اہل محشر میں ایک گروہ ہوگا جو در وقتوں کے لحاظ سے شقی و سعید ہوگا۔ واللہ اعلم

الْكِتَابِ - یہاں کتاب سے مراد تورات ہے اور اس میں اختلاف کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس جب حضرت موسیٰ کتاب لائے تھے تو ان میں سے بعض مان گئے تھے۔ اور بعضوں نے انکار کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ سے ان کا اختلاف کرنا قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے۔ اور ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اس کی صداقت اور صحت کے متعلق اتفاق نہ رہا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی تحریف کے متعلق اشارہ ہو یا اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختلاف مراد ہو کہ بعضوں نے عمل کیا۔ اور بعضوں نے نہ کیا۔ پس اس اختلاف کو معرض ذکر میں لا کر حضرت رسالت کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی قوم کا آپ سے اختلاف کرنا اور قرآن کو تسلیم نہ کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے قبل انبیاء سے ان کی قوموں کا یہی سلوک رہا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب کتاب لائے تھے تو ان کی قوم بھی بگڑ گئی تھی۔

وَكَوَلَّا - یعنی علم پروردگار میں قیامت کے ایک مقررہ وقت پر وقوع کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور مصالحت اسی میں ہے کہ جزا اور سزا کا وہی ایک دن ہو۔ ورنہ اگر اس تاخیر میں مصالحت نہ ہوتی تو مومنوں کو فوراً جزا دی جاتی اور کافروں کو فوراً سزا دی جاتی جیسے کہ انسانی جذبات کا تقاضا ہے۔

إِنْ كَلَّمْنَا ۲۱، إِنْ كَلَّمْنَا ۲۲، إِنْ كَلَّمْنَا ۲۳، إِنْ كَلَّمْنَا ۲۴

فَاخْتَلَفَ فِيهِ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ

تراس میں اختلاف پڑ گیا اور اگر پہلے بات نہ ہو چکی ہوتی تیرے رب سے تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور تحقیق یہ لوگ

لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٌ ﴿۱۱۰﴾ وَإِنْ كَلَّمْنَا لَيُؤَيِّنَنَّ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ

بڑے گہرے شک میں پڑے ہیں اور تحقیق ہر ایک کو پوری دے گا نیز رب جزا اعمال کی

إِنَّهُمْ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقْرِكُمْ مِمَّا أَمَرْتُ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ

تحقیق وہ ساتھ اس کے جو کرتے ہیں آگاہ ہے پس ثابت رہو جس طرح تم کو حکم دیا گیا اور وہ جو تائب ہو کر آچکے ہمراہ ہیں

پہلی قرأت کی نو سے ترکیب صاف ہے کہ کلاً اسم منصوب ہے اور خبر پر لام تاکید داخل ہے۔ یعنی لَمَّا لَيْكِنَ اس کے بعد فعل پر

بھی لام داخل کیا گیا۔ لَيُؤَيِّنَنَّ تَوْجُوهًا اِيك جگہ دو لام تاکید اکٹھے ہو گئے لہذا فاصلہ کے لئے درمیان میں ما زائدہ کو داخل

لَمَّا لَيُؤَيِّنَنَّ

دوسری قرأت میں اِنَّ اِنَّ کا مخفف ہے اور اس کو عمل دیا گیا ہے باقی ترکیب وہی ہے۔

تیسری قرأت میں اِنَّ کے اسم اور خبر کے درمیان لَمَّا کو داخل کرنا جو اَلَا کے معنی میں اشکال کا موجب ہے۔ اور

چوتھی قرأت میں اِنَّ اِنَّ کا مخفف ہے اور اس کے اسم و خبر کے درمیان لَمَّا کا داخلہ بھی اشکال سے خالی نہیں ہے۔

فَاسْتَقْرِكُمْ۔ استقامت سے امر کا صیغہ ہے۔ اور اس کا معنی ہے مامور بہ کا ادا کرنا اور منہی عنہ سے رکنا۔ اس مقام پر پروردگار

عالم کی طرف سے حضور کو خطاب ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اپنی ڈیوٹی پر ثابت رہو کہ خود بھی عمل کرو اور لوگوں کو بھی عمل کی

تبلیغ کرتے رہو اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی اس خطاب میں شریک قرار دیا گیا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ

رہنے والے سب استقامت پر ہیں یعنی آپ ادا ئے رسالت کریں اور وہ قبول کرنے کا فرضیہ ادا کریں اور استقامت

کے حکم کے بعد فوراً فرمایا کہ سرکشی نہ کرو اور میری فرمائشات سے ذرہ بھر بھی ادھر ادھر نہ ہونا اور پھر سرزنش کے طور پر یہ

بھی فرمایا کہ میں غافل نہیں ہوں بلکہ تمہاری ہر بات سے آگاہ و خبردار ہوں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن کی تمام فرمائشات میں سے یہ فرمائش حضور پر نہایت سخت

تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے بال کیوں جلد سفید ہو گئے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا

كَرَّ كَثْرًا وَوَالْوَأَقِعَةَ۔ یعنی مجھے سورہ ہود اور واقعہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔

وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ۔ یعنی ظالموں کی طرف میلان نہ کرو۔ اور چونکہ بارشاد قرآن شریک ایک بڑا ظلم ہے تو مقصد یہ ہوا کہ مشرکوں

سے محبت کا رشتہ نہ رکھو۔ اور عام ظالموں سے محبت رکھنے کی ممانعت اس آیت کا صریح فیصلہ ہے۔ اسی بنا پر ظالم و جبار

حکومت کی ملازمت میں اشکال کیا جاتا ہے۔ جب تک کہ مصلحت مغرہ پر غالب نہ ہو۔ کیونکہ ظالم حکومت کا ہر ظالمانہ فیصلہ

وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَعِيرٌ ﴿۱۱۱﴾ وَلَا تَرْكَبُوا اِلَى الدِّينِ ظُلْمًا

اور نہ سرکشی کرو تحقیق وہ جو تم کرتے ہو جاننے والا ہے اور نہ جو کوفت ان کے جنموں نے ظلم کیا

فَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۱۲﴾

چھوے گی تم کو آگ اور نہیں تمہارا اللہ کے علاوہ کوئی مددگار پھر تم مدد نہ کئے جاؤ گے

وَاقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ

اور قائم کرو نماز کو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کی ابتدا میں تحقیق نیکیاں ختم کرتی ہیں

السَّيِّئَاتِ ط ذٰلِكَ ذِكْرِي لِلذَّاكِرِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ

گناہوں کو یہ نصیحت ہے قبول کرنے والوں کے لئے اور صبر کرو کہ تحقیق اللہ نہیں ضائع کرتا

ملازمین کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ پس وہ ان کے ظلم میں شریک ہو جائیں گے۔ اور جس طرح ظلم میں شریک ہونا ظلم ہے۔ اسی طرح ظلم پر راضی ہونا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اور رکون کا معنی ہے محبت خیر خواہی اور اطاعت۔ اور اسی آیت کی رو سے جن لوگوں نے آل محمد پر مظالم کا دروازہ کھولا ان کی طرف رکون و میلان بھی ظلم ہے۔ پس ان سے محبت رکھنا اور ان کی اطاعت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ پس یہ آیت قیامت تک کے لئے ظالموں اور ظالموں کے ساتھیوں سے بچنے کا حکم دے رہی ہے۔

اقِمِ الصَّلٰوةَ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے نماز کے وقت تین وقت بتلائے ہیں کہ قائم کرو نماز کے اوقات نماز کو دن کے دونوں کناروں میں (اور اس سے مراد صبح اور زوال کے بعد دو وقت ہیں) اور رات

کے پہلے حصہ میں۔ پس دن کے پہلے کنارہ میں نماز صبح اور دوسرے کنارہ میں دو نمازیں ظہر و عصر اور رات کے پہلے حصہ میں دو نمازیں مغرب و عشا ہیں۔ گویا ان تین وقتوں میں پانچ نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوٰكِ الشَّمْسِ اِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ یہاں بھی تین وقت ہیں۔ دلوک الشمس سے مراد ہے زوال کے بعد اور اس وقت میں دو نمازیں ہیں۔ ظہر و عصر اور غسق اللیل میں دو نمازیں ہیں مغرب اور عشاء اور قرآن فجر سے مراد صبح کی نماز ہے۔ بعض لوگوں نے دن کے دو کنارے صبح اور مغرب قرار دئے ہیں لیکن یہ اس لئے درست نہیں ہے کہ کنارہ شے کا وہ ہوتا ہے جو اس کا آخری حصہ ہو۔ اور مغرب دن کا حصہ نہیں ہے۔ پس دو کنارے صبح اور بعد زوال کے دو وقت مراد ہیں۔ اور زلف جمع ہے زلفۃ کی جس کا معنی ہے منزلت اور ابن عباس سے منقول ہے کہ یہاں زلف سے رات کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

پس قرآن مجید کی ان آیتوں کی رو سے جب نمازوں کے اوقات تین ثابت ہوئے تو جمع بین الصلواتین کا مسئلہ

(۲) ابوامامہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالت مآبؐ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم بھی بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی حضور! میں نے ایسا گناہ کیا ہے جس سے میرے اوپر حد واجب ہے۔ لہذا میں حد کی سزا برداشت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو ہمارے ساتھ نماز میں شریک تھا تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ خدا نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے۔

(۳) حضرت علیؓ علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہم جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ مسجد میں نماز کی انتظار میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی حضور! مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا ہے تو آپ نے اس کی بات کو ٹال دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پھر اُس شخص نے اپنی بات دہرائی تو آپ نے فرمایا کیا تو نے صبح وضو کر کے ہمارے ساتھ نماز ادا نہیں کی۔ تو اُس نے کہا۔ ہاں میں نماز میں آپ کے ساتھ شریک تھا تو آپ نے فرمایا۔ بس تیرے گناہ کا کفارہ ہو گیا۔

(۴) حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے منقول ہے جب کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا کہاں سے آیا ہے؟ پھر فرمایا کہ ہاں تو یہی جواب دے گا کہ میں فلاں فلاں جگہ سے آیا ہوں نہ طلبِ معاش کے لئے اور نہ عملِ آخرت کے لئے۔ تم اس بات کو ملحوظ رکھا کرو کہ تمہارے شب و روز کس شغل میں بسر ہوتے ہیں۔ اور یقین جانو کہ ایک فرشتہ تم پر مومل ہے جو تمہارے ہر کام کو نوٹ کرتا ہے۔ اور جو جو باتیں تم لوگوں سے چھپاتے ہو وہ ان پر بھی مطلع ہے۔ پس شرم لیا کرو۔ کسی بُرائی کو چھپانا نہ سمجھو۔ کیونکہ ایک دن اُس کا بُرا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ اور کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تمہاری نظروں میں وہ معمولی اور کم اہمیت کی ہو۔ کیونکہ ایک دن وہ تمہیں سرد بخشنے لگی۔ اور یقین کرو کہ انجام کے لحاظ سے نقصان دہ اور زود پیشانی کی موجب گناہ سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور کسی گناہ کے تدارک کے لئے نیکی سے بڑھ کر اور کوئی علاج نہیں ہے۔ اور بے شک نیکی بڑے سے بڑے اور چرانے جھولے جھلائے ہوئے گناہوں کا بھی تدارک کر لیا کرتی ہے اور اس کو ختم کر دیتی ہے پھر آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت پڑھی کہ نیکیاں گناہوں کو بھگا دیتی ہیں۔

(۵) البقرہ ثمالی سے مروی ہے کہ امام محمدؑ باقر یا امام جعفر صادقؑ علیہما السلام نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت علیؓ علیہ السلام نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ قرآن مجید میں وہ کونسی آیت ہے جس میں سب سے زیادہ گناہ کاروں کو بخشش کی امید دلائی گئی ہے پس ایک شخص نے کہا وہ آیت یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ الْاٰیةُ یعنی خدا شریک کو نہیں بخشتا۔ اور اس کے علاوہ تمام گناہ بخش دیتا ہے جس کے چاہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن یہ وہ آیت نہیں جو میں پوچھتا ہوں۔ پس ایک شخص نے کہا وہ یہ ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ - الْاٰیةُ - یعنی جو بُرا کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر توبہ کرے تو خدا اُس کو بخش دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میری مراد یہ نہیں ہے۔ پھر تیسرے آدمی نے یہ آیت پڑھی۔ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ - یعنی کہہ دیجئے کہ اے وہ لوگ جو اپنے نفسوں پر اسراف کر چکے ہو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا خوب ہے۔ لیکن

یہ آیت وہ نہیں ہے پھر چوتھا بلالہ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً - الآية - یعنی وہ لوگ جو غلط کاری کے بعد پشیمان ہو جائیں تو ان کی لغزش معاف کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بھی خوب ہے لیکن وہ نہیں جو میں پوچھتا ہوں۔ اس کے بعد کسی میں بولنے کی ہمت نہ رہی تو آپ نے فرمایا اے گروہ مسلمین کیوں خاموش ہو گئے ہو تو عرض کرنے لگے کہ اب ہمیں کچھ معلوم نہیں پس آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے حبیب جناب رسالت مآب سے سنا ہے کہ سب سے زیادہ بخشش شکر کے لئے پڑا تیبہ کرنے والی آیت قرآن مجید میں یہ ہے۔ وَآقِمِ الصَّلَاةَ - الآية - اور آپ نے پوری آیت پڑھی اور فرمایا۔ اے علیؑ مجھے اُس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق بشیر و نذیر کر کے مبعوث فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جب وضو کر کے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے اعصاب سے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور جب اللہ کی بارگاہ میں شرف یاب ہو کر واپس ہوتا ہے تو اُس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ شکم مادر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر دو نمائندوں کے درمیان اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ بھی بخشی جاتی ہے اور پھر پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا پھر فرمایا۔ اے علیؑ میری اُمت کے لئے پانچ نمازیں اس طرح ہیں جس طرح کسی کے گھر کے دروازہ پر نہر جاری ہو تو جب اُس کے بدن پر کچھ میل موجود ہو۔ اور روزمرہ اس نہر میں وہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر پھر بھی میل رہ سکتی ہے؟ پس بخدا پانچ نمازیں میری اُمت کے لئے ایسی ہی ہیں۔

بہر کیفیت اس سے بڑھ کر نماز کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ بفرمان رسالت بیہوش کی معراج ہے۔ اس میں انسان اپنے پروردگار سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے اور یہی انبیاء و اولیاء کی آخری وصیت ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو نمازی بننے کی توفیق دے۔

خلاصۃ الکلام | فَلَوْلَا - اس سورہ مبارکہ میں خدا نے لوگوں کو عبادت کی دعوت دی اور پھر گزشتہ اُمتوں کی سرکشی اور ان کے گرفتار عذاب ہونے کا ذکر فرمایا۔ اور جناب رسالت مآب کو تسلی دے کہ ان کو اپنے طریق کار پر ڈٹے رہنے کی فرمائش کی۔ اس کے بعد پھر لوگوں کو بطور تذکرہ کے ارشاد فرماتا ہے کہ مورد عذاب ہونے کے بعد قوموں سے جو افراد بچ جاتے ہیں وہ ہلاک ہونے والوں کے انجام سے عبرت لیں کہ لوگوں کو بُرائی سے روکنے کیوں نہیں اور اُولُو بَقِيَّةٍ کا معنی صاحبانِ دین و صاحبانِ برکت اور صاحبانِ تمیز بھی کیا گیا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب بُرائیوں سے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا تو اکثریت اس میں ملوث ہو جاتی ہے اور پھر وہ گرفتار عذاب ہو جاتے ہیں۔ البتہ ان میں سے تھوڑے لوگ (انبیاء یا صالحین) انہی عن المنکر کا فرضیہ انجام دیتے ہیں لیکن ان کی ماتنا کوئی نہیں کیونکہ ہمیشہ اکثریتی رحمان اقلیتی آواز کو دبائے رکھتا ہے پس اگر اکثریت بُرائی سے متنفر ہوتی تو تھوڑے خود بخود رُک جاتے یا ان کو روکنا آسان ہوتا لیکن جب اکثریت بُرائی کو پسند کرتی ہو تو اقلیت کی آواز پر کان ہی کوئی نہیں دھرتا۔ اور آج کل جو کچھ ہورہا ہے وہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے کہ علمائے حق کو بہر طرح بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرضیہ ادا کرنا الای کوئی نہ ہو۔

الْاَقْلِيَّةَ - یعنی ان باقی رہنے والوں میں سے تھوڑے نہی عن المنکر بھی کرتے ہیں پس وہ عمومی عذاب سے بچ جاتے

أَجْرًا لِحَسْبَيْنِ ۝۱۱۵ فَلَؤَلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكَ أُولًا بَقِيَّتِهِ

نیکی کرینوالوں کی جزا کو پس کیوں نہیں گذشتہ امتوں میں سے باقی ماندہ لوگ منع کرتے

يَبْهُونَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ

زہین میں فساد کرنے سے سوائے قلیل کے جن کو ہم نے بچا لیا ان میں سے اور اتباع کی

الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَوْا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝۱۱۶ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

ظالموں نے اس کی جس میں وہ غرضال تھے اور تھے وہ جرم کرنے والے اور نہیں تیرا رب

لِيُهْلِكَ الْقَرْيَ بِظُلْمٍ وَأَهْلِهَا مُصْلِحُونَ ۝۱۱۷ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ

ہلاک کرتا بستیوں کو ظلم سے جب کہ ان کے بسنے والے اچھے ہوں اور اگر چاہتا تیرا رب تو کر دیتا

النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝۱۱۸ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ

لوگوں کو ایک گروہ اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تیرا رب رحم کرے

ہیں۔ اور اکثریت مجرمین کی ہوتی ہے اور وہ اس چیز کی اتباع کرتے ہیں جس میں وہ خوش حال ہیں۔ یعنی وہ اسباب تعیش کے پیچھے

چلتے ہیں۔ اور ایسے علماء سو بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو گناہوں پر ان کو جرأت دلاتے ہیں اور اپنے تقیہ ترکِ خاطر ان کی عاقبت کو خراب کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ - اس کے معنی میں تین احتمال ہیں (۱) بِظُلْمٍ جاور مجرور کا متعلق لِيُهْلِكَ ہو۔ یعنی خدا ظلم کرتے ہوئے کسی

بستی والوں کو ہلاک نہیں کرتا جب کہ بستی والے اچھے ہوں (۲) جاور مجرور مخذوف کے متعلق ہو کہ طرف مستقر بنے اور قری

کی صفت ہو۔ یعنی خدا نہیں ہلاک کرتا کسی بستی کو جو ظالم ہو۔ یعنی مشرک ہو جب کہ اس کے بسنے والے معاشرہ کے لحاظ سے

اصلاح پسند ہوں (۳) بائے جارہ تعلیل کے لئے ہو۔ یعنی خدا بعض افراد کے ظلم کی وجہ سے بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب کہ ان

کی اکثریت نیکی پسند ہو۔

وَلَوْ شَاءَ - یعنی اگر خدا چاہتا تو لوگ سب کے سب ایک دین پر ہوتے اور ان میں کسی قسم کا اختلاف

نہ ہوتا یعنی خدا مجبور کر کے سب لوگوں کو دیندار کر سکتا ہے لیکن یہ بات اس کی مصلحت سے خارج

ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان کو عقل کامل عطا کرنے کے بعد اس کو دوزخ اور بہشت کے دونوں راستے دکھا دے جائیں۔ پس

جس طرف جائے اپنے اختیار سے جائے تاکہ بہشت میں جائے تو استحقاق پیدا کر کے اور دوزخ میں جائے تو بھی استحقاق

پیدا کر کے جائے۔

وَلَا يَزَالُونَ - یعنی انسانوں کو فطرت ہی اس قسم کی عطا کی گئی ہے کہ ان میں اختلاف رہے گا اور عناصر اربعہ جو ایک دوسرے

وجہ اختلاف

کی ضد ہیں۔ ان کے مجموعہ سے پیدائش والا انسان لازمی طور پر اختلاف کا شکار رہے گا۔ کیونکہ عناصر کے اختلاط و امتزاج سے ہی مزاج بنتا ہے۔ اس کے بعد عناصر کی اپنے مقام پر انفرادی کیفیت اور اس کے مراتب اور درجہ اختلاط اور باہمی توازن و تناسب کے الگ الگ مدارج وغیرہ کا جائزہ لینے سے مزاجوں کے باہمی اختلاف و تضاد کا سلسلہ ایک لائق ملاحظہ ہے۔ کسی پہنچتا ہے۔ اور اسی سے جذبات و خواہشات و رجحانات میں اختلاف و افتراق کا ایک غیر متناہی سلسلہ رونما ہوتا ہے۔ کسی میں کسی غلطی کی زیادتی تو دوسرے میں کمی اور کسی میں اس کے برعکس۔ پس خواص و اثرات کے لحاظ سے انسانی مزاج فطری طور پر ہی اختلاف کا شکار ہو گئے اور نفسانی رجحانات مزاجوں کے دباؤ کے تحت ہوتے ہیں اور ان کا باہمی تضاد نفسانی متضاد صفات کی جڑ ہے۔ پس شرافت و ذالت حیا بے حیائی خیر پسندی۔ شری پسندی اخلاص ریاکاری متانت جہل دیانت سرکشی امانت خیانت۔ صبر۔ بے صبری۔ حوصلہ۔ جلد بازی۔ تسلیم۔ انکار۔ عدل۔ ظلم۔ انصاف۔ پسندی۔ بے رحمی۔ انتقام۔ درگزر اور اچھائی و بڑائی کے رجحانات فطریہ اسی اختلاف امرجہ کی ہی کاشت ہیں اور دنیا میں امن و اطمینان کے سلب ہونے اور جو رو ظلم کے عام ہونے کی ذمہ داری اسی اختلاف پر ہی عائد ہوتی ہے۔ پس خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے انبیاء بھیجے جو انسانوں کو ایسی قابل قبول اور مبنی بر انصاف اصول زندگی کی تعلیم دیں کہ اگر تمام انسان انہی اصول کے سانچے میں اپنے جذبات و رجحانات کو ڈھالنے پر موفق ہو جائیں تو دنیا و آخرت کی فلاح کی راہیں ان کے لئے ہموار ہو جائیں۔ اور اس کے نتیجے میں صفحہ ہستی۔ امن و اطمینان کا گہوارہ بن جائے۔ اور دنیا خود اپنے مقام پر خطہ جنت ہو جائے۔ پس اس نے آخرت کے لئے دو منزلیں بنائیں۔ ایک سرور و انعام جس کو جنت کا نام دیا۔ اور دوسری منزل عذاب اور رنج و غم جس کو جہنم کا نام دیا تاکہ انبیاء کی تعلیم کو اپنا کر اپنے جذبات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے والے جنت میں جائیں۔ اور اپنے جذبات میں آراستگی کو پسند کرنے جوئے انبیاء کی تعلیم کو ٹھکرانے والے جہنم کا اندھن بنیں۔ پس اسی بنا پر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر چاہتا تو سب کے سب ایک دین پر ہوتے لیکن مصلحت خداوندی کا تقاضا یہ نہیں تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی انعام اگر بغیر محنت و کاوش کے اور بغیر کوشش و استحقاق کے کسی کو مل جائے تو اس کی قدر و منزلت نہیں رہتی۔ اور نہ انعام پانے والا اپنے اندر کوئی سرور بالخصوص محسوس کرتا ہے۔ لیکن بخلاف اس کے اگر محنت شاقہ اور کدبید کے بعد اس کا حصول ہو تو وہ انعام پیارا بھی لگتا ہے۔ اور اس کے حصول کے بعد دل ایک طرح کا سرور بھی محسوس کرتا ہے۔ اور پھر محنت جس قدر زیادہ ہوگی اس انعام کی قدر و منزلت میں اور دل کے سرور میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور جنت چونکہ انتہائی سرور کا گھر ہے۔ اگر ہر ایک کو مصنت تقسیم کی جاتی اور استحقاق کا کوئی دخل نہ ہوتا تو اس جنت کا حصول قطعاً موجب سرور نہ ہوتا۔ پس مصلحت ایزدی اسی میں ہے کہ اپنے اختیار سے انسان استحقاق پیدا کر کے جنت کی نعمت کو حاصل کرے۔ اور اسی لئے مجبور کر کے تمام انسانوں کو دین کا پابند کرنا گوارا نہ فرمایا۔

پس اسی بنا پر فرماتا ہے کہ لوگوں میں اختلاف کا باقی رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ چیز اختلاط عناصر متضادہ کی

وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

اور اسی لئے ان کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا ہے رب کا کلمہ کہ چڑھوں گا دوزخ کو جنوں اور

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَكَلَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ

انسانوں سے سب سے اور سب بیان کرتے ہیں ہم تجھ پر رسولوں کی خبریں کہ

فطری پیداوار ہے۔ مگر جن لوگوں پر اللہ کا رحم و کرم ہو اور خدا کی توفیق ان کے شامل حال ہو تو وہ اپنے جذبات و رجحانات پر قابو پالیں گے۔ اور اپنے کردار و عمل کو انبیاء کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر دنیوی و دُنیوی فلاح حاصل کر کے رہیں گے۔ چنانچہ اسی بنا پر فرمایا اَللّٰهُمَّ رَحِمًا رَّحِيمًا۔ یعنی جن پر پروردگار کا رحم ہوگا وہ اس اختلافِ فطری کے نتائجِ بد سے محفوظ رہ سکتے گا۔ یہاں پر ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب رجحانات و میلانات کا اختلافِ فطری ہے اور اس کے نتیجہ بد سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ کا رحم و کرم کرے تو گویا جو نہ بچ سکے وہ وہی ہوئے جن پر اللہ نے رحم و کرم نہ کیا۔ پس بات وہیں کی وہیں رہی۔ اختیار اور عدم اختیار کا فرق ہی ختم ہو گیا تو اس شبہ کو خداوند کریم نے خود ہی رد فرما دیا۔ چنانچہ فرمایا وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ کہ میں نے تو تمام انسانوں کو پیدا ہی رحم و کرم کے لئے کیا ہے۔ اسی لئے تو اختلافِ فطری کے بعد ان کو بے مہار اور بے لگام نہیں چھوڑا بلکہ انبیاء و رسل بھیجے۔ کتب و صحائف نازل کئے۔ براہین و معجزات سے رہنمائی کی۔ اور یہ سب رحم و کرم کے ہی نتائج ہیں۔ پس جن لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی طبائع پر کنٹرول کر لیا تو کامیاب ہو گئے۔ اور جن لوگوں نے اپنی تعیش مزاجی اور آداری کو انبیاء کی تعلیمات، کتب و صحائف کے لٹاؤ اور معجزات و دلائل کی توضیحات کے بعد بھی کنٹرول کرنے کی بجائے بدلگام اور بے مہار رکھنا پسند کیا وہ مستحقِ عذابِ ابدی و لعنتِ دائمی ہوئے۔ گویا انہوں نے اللہ کے رحم اور اس کے فضل کو خود ٹھکرایا۔ جس طرح ایک دوا بیماریوں کے لئے موجبِ شفا ہے لیکن بالفعل شفا وہی حاصل کرے گا جو اس کو استعمال کرے گا۔ لیکن جو بیمار اپنی طبیعت پر کنٹرول نہ کرتے ہوئے دوا کو صنایع کر دے اور شفا حاصل ہونے کی بجائے وہ موت کا شکار ہو جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دوا اس کے لئے رحمت نہ تھی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ دوا رحمت تھی لیکن اس نے اس کو ٹھکرایا۔ پس موت کا مستحق ہوا۔

سوال۔ لِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ کا معنی اگر یہ ہو کہ ان کو رحمت کے لئے پیدا کیا ہے تو لذلک کی بجائے لِتَمَّكَ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ رحمت مومنٹ ہے اور ذالک اشارہ مذکر کے لئے ہوتا ہے۔

جواب۔ رحمت مومنٹ غیر حقیقی ہے اور مذکر ہونے کی صورت میں اس کا معنی تفضل و اکرام کا ہوا کرتا ہے اور قرآن میں اس کے مذکر قرار دئے جانے کے شواہد موجود ہیں۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔

وَکَلَّا نَقُصُّ۔ یعنی انبیاء کے قصے قرآن مجید میں صرف وقت گزارنے اور تاریخی بیان دہرانے کے لئے نہیں ہیں بلکہ

مَا نَشِئْتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ

مضبوط کریں اس سے تیرے دل کو اور آیا ہے تیرے پاس اس میں حق اور وعظ و نصیحت

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ

مومنوں کے لئے کہہ دو ان کو جو نہیں ایمان لاتے تم اپنی جگہ کام کرو اور ہم اپنا

إِنَّا عَابِدُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَأَنْتُمْ وَإِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ

کام کرتے ہیں اور انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں اور اللہ کے لئے ہے غیب آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ

اور زمین کا اور اسی کی طرف بازگشت ہے ہر شے کی پس اس کی عبادت کو اور اس پر توکل کر

عَلَيْهِ ۖ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱۵﴾

اور تیرا رب تمہارے عمل سے غافل نہیں

حضور کے لئے ان کا فائدہ یہ ہے کہ امور تبلیغ میں بلا جھجک اور بلا خوف تردید آگے بڑھتے جائیں اور ان کا حوصلہ بلند رہے اور امت کے لئے فائدہ یہ ہے کہ ان کو نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔ اور گذشتہ امتوں پر انعامات ان کی نیک اعمالی کے جذبہ کو تیز کر دیں اور ان کے عذاب کے تذکرے ان کو اعمالِ زشت سے روکنے میں مدد و معاون ثابت ہوں۔

لِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ - آیت مجیدہ کے معنی میں تین احتمال ہیں - (۱) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ

غائب ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے (۲) آسمانوں اور زمین کے کل خزانے اللہ کی ملکیت ہیں (۳)

مسئلہ علم غیب

علم غیب صرف اللہ کے لئے مختص ہے خواہ آسمانوں سے متعلق ہو یا زمین سے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) علم مستفاد - (۲) علم ذاتی - پس دوسری قسم خدا کے لئے مخصوص ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جو اس

صفت میں اللہ کا کسی کو شریک قرار دے وہ مشرک و کافر ہے لیکن پہلی قسم یعنی علم غیب مستفاد وہ انبیاءِ آئمہ کے پاس ہوتا

ہے۔ جتنا کہ خدا ان کو عطا فرمائے اور عوام بھی اس کو جان سکتے ہیں۔ جتنا کہ نبی و امام ان کو بتائیں۔ جیسے جنت و دوزخ اور برزخ

وغیرہ کے حالات علامہ طبرسی اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس مقام پر ذکر فرمایا ہے کہ بعض متعصب مزاج جن کا شیعوہ امامیہ پر طعن و

تشیع شیعوہ بن چکا ہے۔ اس نے اس مقام پر شیعوہ امامیہ کے پاکدامن پر اپنے بعض وعناد کا کیچڑ اچھالتے ہوئے اسے داغدار

کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے وہ کہتا ہے آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے اور رافضی لوگ جو آئمہ

کی طرف علم غیب منسوب کرتے ہیں وہ اس آیت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس قول کے نقل کے بعد علامہ موصوف نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ علم غیب سے مراد یہ ہے کہ ذاتی طور پر جمیع معلومات کا علم رکھے بغیر علم مستفاد کے اور یہ صرف اللہ کا خاصہ ہے اور مخلوق میں سے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جو اس صفت میں اللہ کا کسی کو شریک جانے وہ ملت اسلام سے خارج ہے لیکن جو غیب کی خبریں آئمہ سے منقول ہیں وہ سب علم مستفاد ہیں کہ انہوں نے رسالت مآب سے حاصل کیا اور ان کو اللہ نے اطلاع دی۔ اور اس کو علم غیب کہنا درست نہیں ہے۔ پھر انہوں نے آئمہ طاہرین کی بعض پیشین گوئیاں نقل فرمائیں جن کو علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ علم مستفاد ہیں۔

(۱) حضرت امیر المؤمنینؑ نے مروان کے منعلق فرمایا کہ اس کو حکومت ملے گی۔ جس طرح کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے۔ یعنی اس کی حکومت کی مدت بہت کم ہوگی۔ اور اس کے چار بیٹے بھی بادشاہ ہوں گے اور امت کو اس کی اولاد کی بدولت سرخ موت دیکھنی نصیب ہوگی۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبد اللہ بن حسن سے فرمایا تھا کہ حکومت تیرے لئے نہیں اور نہ تیری اولاد سے پاسکے گی۔ اور فرمایا کہ تیرے دونوں فرزند منصور کے ہاتھوں قتل کئے جائیں گے اور اسی طرح ہوا۔ جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔

(۳) امام رضا علیہ السلام نے اپنی دونوں انگلیاں کو ملا کر فرمایا تھا کہ میری اور ہارون کی قبریں اس طرح اکٹھی ہوں گی۔

(۴) ابو جیب نباحی کو جب آپ نے ایک مٹھی خرما کی دی تھی اور اس نے زیادہ کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے جواب میں ارشاد

فرمایا تھا کہ اگر میرے نانا جناب رسالت مآب نے زیادہ دی ہوتی تو میں بھی زیادہ دیتا اور اس شخص کو خواب میں جناب رسالت مآب کی زیارت ہوتی تھی اور آپ نے اسے ایک مٹھی خرما عطا فرمائی تھی۔ اور امام عالی مقام اسی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

اس قسم کی بہت سی خبریں آئمہ اطہار سے منقول ہیں۔ اور ان کو علم غیب اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ علم جناب رسالت مآب سے مستفاد تھا اور آپ کا علم خداوند کریم کی طرف سے بذریعہ وحی مستفاد تھا۔ پس خدا جس کو جس قدر علم عطا فرمائے وہ عالم الغیب نہیں بن جایا کرتا۔ اور جناب رسالت مآب کو اور اس کے بعد آئمہ طاہرین کو خدا نے تمام مخلوق میں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور باوجود اس کے یہ بھی تعلیم ساتھ ساتھ وہی کہ دعا مانگا کرو۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ پس محمد و آل محمد علم کی زیادتی کی پروردگار سے دعا مانگتے ہیں تو عالم الغیب کیسے ہو گئے اور ذاتی طور پر عالم الغیب ہونا صرف خدا کا خاصہ ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی شیعہ کا ایمان ہے اور خدا کا عطا کردہ علم محمد و آل محمد سے زیادہ کسی کے پاس نہیں ہے اور اس کے جاننے سے ان کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

پس سورہ ہود کی تفسیر ختم ہوئی۔ اور یہیں ساتویں جلد کا اختتام ہے اور آٹھویں جلد سورہ یوسف سے شروع ہوگی

امام بارگاہ ایٹ آباد میں بروز جمعہ پونے پانچ بجے شام ۲۸ صفر ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۶ء

دورِ حاضر میں علماءِ اعلام کے خلاف ہنگامہ

اس گئے گزرے زمانہ میں جب کہ جہالتِ علم کے لباس میں ظاہر ہو کر دولتِ دانش و خرد پر اپنی گرفت کو مضبوط کر رہی ہے۔ لادینیتِ دین بلکہ تقدس کا لباس پہن کر قرآنی وحدیث کے مضامین کو اپنے تصرف میں لانے کے لئے بے تاب ہے۔ رسالت نے شرافت کا لبادہ اوڑھ کر ہر شریف کی پگڑھی اچھانا اپنا کمال بلکہ فتح و کامیابی تصور کیا ہوا ہے۔ اور فرعونیت موسوی رنگ میں ساوہ لوح انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی معصومیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے۔ غرضیکہ دین و مذہب سے آزادی کا تصور ہمہ گیر طوفان بن کر صفحہ عالم پر چھایا جا رہا ہے۔ ادھر مغربیت سے اُٹھتی ہوئی بے غیرتی اور بے حیائی کا منوس عقاب اپنے پروبال چھیلانے ہوئے دین و مذہب کے پرستاروں کے سروں پر پھپھڑا کر اس کو مرعوب کرنے میں مہتمن کو شاں ہے۔

بالخصوص مذہبِ شیعہ پر یہ دور اس لئے بھی سخت ہے کہ آئے دن کی علماء پر پابندیاں عداوت کی آزادی میں رخصت اندازیاں تقریروں اور تحریروں پر بے جا نکتہ چینیوں اور شیعہ مذہب کی مذہبی خصوصیات کو دل آزار کہہ کر تحریروں کی صنطیباں اور تقریروں پر زبان بندیاں ایسا عام دستور بن گیا ہے کہ اب ان پر آواز اٹھانے کی جراتیں بھی مسلوب ہو چکی ہیں۔ ادھر مدارس میں شیعہ جداگانہ نصابِ دینیات کو معرض التوا میں دیکھ کر شیعہ بچوں کی ذہنیت کی تباہی اور ان کے مستقبل کی تاریکی کا فکر ہر حساس ذہن کے لئے مسئلہ مشککہ بلکہ عقدہ لاینحل بنا ہوا ہے۔

پس ایسے روح فرسا اور ہوش ربا حالات میں ان چند مدارسِ دینیہ کا وجود غنیمت تھا جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ اور ان علماءِ اعلام کا قوم کے سروں پر سایہ پروردگار کی جانب سے نازل رحمت تھا۔ خدا سے قائم و دائم رکھے جو ظاہر ہی عیش و عشرت اور رنگ رلیوں سے بے نیاز ہو کر قوم کے بچوں کو معالمِ دینیہ اور مطالبِ فقہیہ مسائلِ کلامیہ اور حقائقِ اصولیہ و فروعیہ کی تعلیم دے کر ان کو فتنات اور نشیبِ جہالت سے نکال کر اوجِ ہدایت اور رفعتِ معرفت سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی زندگانیوں وقف کئے ہوئے ہیں۔ صرف قوتِ لامیوت پر بسببِ اوقات کر کے صبر و رضا اور شکرِ پروردگار ان کا دستور زندگی ہے۔ حتیٰ کہ جب ان جاہل ذاکر اور بے علم واعظ منبر پر ادھر ادھر کی چند بے تکلیاں اڑاتے ہوئے سامنے بیٹھے ہوئے عوام کی اکثریت کے جذبات سے کھیل کر صرف ایک گھنٹہ یا اس سے کم و بیش مختصر وقت کا اچھا خاصہ معاوضہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا وہاں علومِ آلِ محمد اور اس کے مقدمات کی تدریس پر گھنٹے ٹیکے ہوئے اپنے دماغ اور ذہن کا سونچا پھوڑ کر قوم کے فونہالوں کو زلیلہ علم و معرفت سے آراستہ کر کے قوم کی بنیادی اور چھوٹس خدمت کے باوجود یہ علماء ایک پورے مہینے کی خدمت کے بعد اس سے کم معاوضہ پر راضی ہو کر گذراوقات کرنا فخر محسوس کرتے ہیں۔

لیکن اس سے زیادہ احسانِ فلاموشی اور محسن کشی اور کیا ہوگی کہ قوم کی اکثریت ایسے علماء کے وجود کو بارگراں سمجھنے لگی ہے

اور درحقیقت علم کے لباس میں جہالت کے تاجداروں اور دین کے لباس میں لادینیت کے پرستاروں کی ہنگامہ آرائی کا یہ تلخ نتیجہ ہے جو جاہل ملتوں سے علم کا لباس پہن کر عوام کو جہالت کی تاریکی میں رکھتے ہوئے صرف زبانی ماڈہو سے ان کو خوش کر کے اور ان کی بد اعمالیوں کے باوجود بخشش خداوندی کا ٹھیکہ دار بن کر ان کو جنت کی سستی ٹکٹیں دے کر پیسے بٹورنے کے عادی تھے ان کے لئے اس تاریک خطے میں علم کی روشنی قندیلیں بغیر دکن بھٹیں وہ اس تاریکی کو روشنی کا نام دے کر اور ظلمت کو نور کہہ کر یا بے دینی کو دین کا لبادہ اوڑھا کر حبیب تراشی کو مال زندگی سمجھتے تھے۔ اس لئے مدارس دینیہ کا وجود اور حتیٰ گو علمائے اہل حق کے لئے جائز الحق و ذہق الباطل کی پیشین گوئی کا اعلان تھی۔ لہذا انہوں نے حرکت مذہبی کے طور پر ہاتھ پیر مارنے شروع کئے اور اپنے وقار و اقتدار کی حفاظت کی خاطر دین و مذہب اور قرآن و شریعت کی مضبوط حصاروں کو چاند کر کے اپنے سے باہر ہو گئے۔ پس علماء و اعلام کے ساتھ انہوں نے علوم آل محمد کے خلاف بھی علم بغاوت بلند کر دیا۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ قوم ہمارے کہ تو توں سے واقف ہے وہ کسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ ہزاروں کھیل کھیلے۔ لاکھوں جتن کئے۔ کبھی کسی مسئلہ پر اشکال کیا۔ کسی وقت کوئی من گھڑت منقولہ ان کی جانب منسوب کیا۔ کسی وقت ان کے کسی قول یا فعل کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ بہر کیف عوام کو علماء کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے بہت جیلے بہانے بنائے لیکن سب کے سب ناکام ثابت ہوئے اب انہوں نے ایک اور منہک حربہ تلاش کیا جس کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے لیکن میں اسے بلبہ آبی سے زیادہ وقعت نہیں دیتا اور وہ یہ کہ علمائے اعلام کو دباؤ لگا کر کہا جائے اور عوام کو یہ باور کرایا جائے کہ مدارس دینیہ گمراہی کی تربیت گاہیں ہیں۔ اور تدریس کرنے والے علماء و شیعیت کے لباس میں وہابیت کے مروج ہیں۔ اور اس سلسلے میں ایسے کافی عوام منسک ہو گئے ہیں جو پہلے سے ہی تعلیم کو ایک ناقابل برداشت بوجھ خیال کرتے تھے اور علماء کی توہین و تذلیل ان کا محبوب مشغلہ تھا اور ذاکرین میں سے جن کے دل ایمان و دین کے نقوش سے خالی تھے ان میں اس تحریک نے کافی حد تک مقبولیت حاصل کر لی کیوں کہ وہ پہلے سے ہی عزاداری میں اصلاح کے علمبرداروں کے دل سے مخالفت تھے وہ چاہتے تھے کہ حسینی منبر پر ہر قسم کی دھاندلی برداشت کی جائے۔ ریش تراشی۔ بھنگ اور شراب نوشی وغنا شکاری اور زنا کاری بلکہ شریعت مصطفویٰ کی ہر لحاظ سے حدود شکنی کے باوجود انہیں کوئی فاسق کہنے والا نہ ہو بلکہ ذاکر حسین سمجھتے ہوئے ان کی ہر حرکت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے۔ یہ لوگ مومنین کے لئے ان کی عزت و مال بلکہ دین و ایمان کے ڈاکو بنے ہوئے تھے اور ہمیشہ چور اور ڈاکو کو تاریک فضا محبوب ہوا کرتی ہے وہ روشنی کا دل سے دشمن ہوا کرتا ہے۔ ویسے بھی فطرتاً ہی ہاں کرنے والے پیارے لگتے ہیں اور ٹکنے والوں کو کوئی نہیں چاہتا۔ انبیاء و معصومین انتہائی مخلص و خیر خواہ ہونے کے باوجود عوام کی نظروں میں بدنام صرف اس لئے ہوا کرتے تھے کہ وہ غلطیوں پر ٹوکتے تھے اور ہمیشہ انبیاء و ائمہ کے دشمن وہی لوگ ہوا کرتے تھے جن کو اپنا ظاہری وقار معرض خطر میں نظر آتا تھا اور جن کے حلوے مانڈے انبیاء کی دعوت کی مقبولیت کے بعد ختم ہوا چاہتے تھے۔ پس وہ لوگ عوام کو آواز کار بنا کر اپنی مطلب براری کے لئے انبیاء و ائمہ کے خلاف کیڑا بھال کر ان کو ہر ممکن طریقے سے بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ عوام کے جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہدایت کے ستونوں کو گرا کر اپنا راستہ ہموار کیا جائے۔ دور حاضر بعینہ وہی منظر پیش کر رہا ہے کہ

جہالت کی تاریکی میں قوم کی جیب تماشی کے عادی انوار علیہ کی روز افزوں پھلتی ہوئی اُسید افزا اشعاؤں سے گہرا اس قسم کے ردیلم تھکنوں پر اتر آئے ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ حق کی آواز اہل باطل کی ہنگامہ آرائیوں سے دبائی نہیں جاسکتی۔ آخر جہالت کا پردہ چاک ہوگا اور علم کا بلبل بالا ہوگا۔ قوم میں منصف مزاج افراد کی کمی نہیں۔ ایسے لوگ ابھی تک موجود ہیں جو صرف جبہ و دستار سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ حق کی دُور بینوں سے حقائق کا جائزہ لینا جانتے ہیں۔

علماء کو دہائی کہہ کر منبر حسینی کو کھلونا بنانے کا طریقہ زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جائے گا اور علماء کو بدنام کر کے پیر آئمہ سے بیگانگی اور مسائل شرعیہ سے سرکشی کا کھیل اب نہیں کھیلا جاسکے گا۔ ہمارے عوام کے دلوں میں دلانے علی کا فانوس روشن ہے وہ تاریک ذہن نہیں رکھتے بلکہ ان میں غور و فکر کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ علمائے اعلام پر کھیچڑا اچھالنے والوں نے اب لوگوں کو جگا دیا ہے تاکہ وہ حق و باطل کا جائزہ لینے کے لئے تیار ہو کر خدایوں اور مکاروں سے ہوشیار رہ سکیں۔ علماء کا کردار بھی ان کے سامنے ہے۔ اور منبر پر عوام کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور ان کو گناہوں پر جرات دلانے والے بہشت کے ٹھیکہ داروں کے کرتوت بھی قوم کے سامنے ہیں۔ انشاء اللہ حق کی آواز صفحہ ہستی پر گونج کر رہے گی۔

عقائد علمائے شیعہ علماء کو دہائی کہنے والی جماعت جن جن مسائل کو ہر ادسے کر عوام کے جذبات سے کھیل رہی ہے وہ یہ ہیں۔
(۱) حاضر و ناظر ہونا۔ یہ لوگ عوام کو علماء سے بذطن کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ دیکھو علماء مدرسین اللہ طہرین کو حاضر و ناظر نہیں مانتے لہذا وہ دہائی ہیں۔

اس کا اصل یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہونا اللہ سبحانہ کا خاصہ ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کی شان ہے ہو بکل شیء علیہ۔ ہو بکل شیء محیط۔ لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ۔ وہ ہر شے کو جانتے والا۔ ہر شے پر احاطہ رکھنے والا اور اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز او جھل نہیں خواہ آسمانوں میں ہر یا زمین میں وغیرہ۔
محمد و آل محمد کو جتنے وقت میں جتنے مقامات پر حاضر ہونے کی اللہ طاقت دے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن اگر ان کو اللہ کی طرح ہر وقت ہر جگہ حاضر و موجود مانا جائے تو تمام اسلامی تاریخ بلکہ مذہب سے بھی دست برداری لازم آئے گی کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ کو حاضر و ناظر کے عقیدہ کی رُو سے ملی یا مدنی یا عربی کہنا بے جا ہوگا۔ کیونکہ اس اعتبار سے ہندی، پاکستانی، ایرانی، عراقی، روسی، چینی، امریکی، افریقی و برطانوی وغیرہ سب کچھ ہوں گے کیونکہ حاضر و ناظر کا اختصاص کسی خاص مکان سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر جا ہوا کرتا ہے اسی طرح ائمہ معصومین کے جملہ حالات زندگی جو کسی خاص مکان سے اختصاص کا پہلو رکھتے ہیں غلط ہو جائیں گے پس ہجرت معراج، غدیر، خیبر، حج، ترک وطن، قید، مسافرت، بلکہ ولادت و شہادت کے تمام واقعات ہاتھ دھو کر پڑے گا لہذا صحیح عقیدہ یہی ہے کہ یہ صفت صرف اللہ کی ہے اور وہ اپنے خاصان کو جتنی جگہوں پر ایک وقت میں حاضر کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

(۲) خلق و رزق۔ علماء کو بدنام کرنے کے لئے اس مسئلہ کو بھی کافی حد تک اچھالا جاتا ہے حالانکہ شیعہ عقیدہ اس مسئلہ میں صاف ہے کہ خالق و رازق صرف اللہ ہے اور محمد و آل محمد واسطہ ہیں۔ بایں معنی کہ لولاک لما خلقت الافلاک کے مفہوم کے مطابق اگر یہ نہ

ہوتے تو نہ کوئی مخلوق ہوتا نہ مرزوق اور آئمہ کو خالق و رازق کہنے والوں پر خود آئمہ نے لعنت بھیجی ہے نیز سوچنے کے قابل بات یہ ہے کہ اگر یہ خالق ہوں تو ان کی شہادت سے انکار لازم آئے گا کیونکہ مخلوق اپنے خالق کو کیسے ذبح کر سکتی ہے۔ مرزوق اپنے رازق کا پانی کیسے بند کر سکتے ہیں؟ ہم نے مقدمہ تفسیر کے باب تفویض میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

(۳) مسئلہ علم غیب۔ علماء کو عوام کی نظروں میں وہابی ثابت کرنے کا یہ بھی ایک حربہ ہے حالانکہ بعض علمائے اعلام کو بدنام کرنا لوگوں کا اپنا عقیدہ بھی وہی ہے جو علماء کا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کا ہی خاصہ ہے اور جن باتوں کو عوام تک پہنچانے کی ضرورت ہے ان کو آئمہ ظاہرین خدا کے ذریعہ سے جانتے ہیں چنانچہ اخبار شہید جولائی ۱۹۷۶ء میں علمائے مدرسین پر کھینچا اچھالنے کے بعد علماء کی توہین کے علمبردار نے آئمہ میں اپنا عقیدہ بھی اسی قسم کا ظاہر کیا ہے اور عوام کو دھوکا دینے کے لئے آئمہ کے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے ایک کتابچے میں جہاں تمام احبات آئمہ کو بتول ثابت کرنے کی سعی حاصل کی ہے وہاں حضرت شہر بانو کے بیان میں ایک روایت درج کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسالت آئمہ نے فرمایا تھا میرے حسن و حسین میں سے جس کے گھر ایسی عورت آئے گی جو ہرات باکرہ ہوگی اُس کی نسل سے امامت تاقیامت رہے گی اور امام حسن علیہ السلام کی کثرت ازواج کی یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایسی عورت کی تلاش تھی جو ہرات باکرہ ہو پس ایک سے شادی کر کے جب اس کو باکرہ نہ پاتے تھے تو اس کو طلاق دے کر دوسری عورت نکاح میں لاتے تھے و علیٰ ہذا القیاس حتیٰ کہ جب امام حسین کے گھر میں شہر بانو آئیں تو انہوں نے اپنے بھائی حسن کو بتایا کہ آپ کو کشتش ترک کر دیں کیونکہ وہ عورت میرے گھر میں آچکی ہے تب امام حسن کو تسلی ہوئی کہ امامت امام حسین کی اولاد میں منتقل ہوگی۔

اگر اس قسم کی روایت علمائے اعلام میں سے کسی نے ذکر کی ہوتی تو جہلا کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ان کو گردن زدنی قرار دیا جاتا اور ان کے وہابی ہونے کے لئے ایک بڑا ثبوت سمجھا جاتا لیکن علماء اعلام کو بدنام کرنے والے جو کچھ کہہ دیں قابل گرفت نہیں۔
ذرا گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ امام حسن کا علم غیب کہاں گیا تھا؟ باکرہ عورت کی تلاش میں ہرات نہی شادی کی خواہش میں رہتے تھے۔ رسالت آئمہ نے اپنے صحابہ کے سامنے جب اپنے بارہ جانشین نام لے کر گولے تھے اور صحابہ نے ان کو نام نام یاد بھی کر لیا تھا حتیٰ کہ جابر نے امام محمد باقر کو حضرت رسالت آئمہ کا پیغام و سلام بھی دیا تھا کہ امام حسن کو علم غیب تو بجائے خود فرماؤ رسالت بھی یاد نہ تھا کہ نوا امام کس کی اولاد سے ہوں گے۔ حالانکہ جابر جیسے عام آدمیوں کو دیا تھا کہ امام حسن کو یہ گوارا نہیں تھا کہ امامت حسین کی اولاد میں جائے۔ کیا کثرت طلاق کے لئے یہ روایت باعث جواز بن سکتی ہے؟

عقیدہ کالتقاضا تو یہ ہے کہ اس قسم کی روایت کو جس کسی کتاب میں ہے اسی کی زینت رہنے دیا جائے۔ ایسی باتوں کو قبول کرنے کی عقیدہ مذہب برگزاجازت نہیں دیتا اور بارہ اماموں کی امامت کا اعتقاد رکھنا جب ایمان کی شرط ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس واضح امر کو خود امام نہ جانتا ہو۔ اور روایت ذکر کر کے خاموشی اختیار کرنا اس روایت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہو اگر تاہم خصوصاً جب کہ روایت بھی تائید مطلب کے لئے ذکر کی جا رہی ہو۔ جناب شہر بانو کو بتول ثابت کرنے کے شوق میں امام حسن کو امامت کی معرفت سے بیگانہ ثابت کر دیا حالانکہ اس سے اس کے مقصد کو ذرا بھر بھی تقویت نہیں پہنچی جس کے لئے اس

کو ذکر کیا ہے کیونکہ ہر رات عورت کا باکرہ ہونا اور قبول ہونا نہ ایک دوسرے کے مترادف ہیں نہ لازم و ملزوم اور نہ لازم میں ایک دوسرے کے شریک بہر کیف برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس میں ہوا کرتا ہے

میرا مقصد یہ نہیں کہ کسی پر طعن کروں مجھے تو ایسے لوگوں کی افسوسناک روش پر رونا آتا ہے جو حقائق کو سمجھ کر خواہ مخواہ ایک سیدھی سادی بات کو عوام کی نظروں میں الجھا کر علامتے اعلام کے خلاف محاذ تیار کرنے میں وقت ضائع کرتے ہیں اور غالباً یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اہل علم کی مخالف جماعت کو اکثریتی جذبات سے کھیل کر منبر کی اجارہ داری کو برقرار رکھا جائے اور طرہ یہ کہ مشافہانہ گفتگو کے موقع پر صاف صاف اعتراف ہوتا ہے کہ یہ بحث صرف لفظی ایر پھیر ہے ورنہ درحقیقت ہمارا وہی عقیدہ ہے جو علماء کا ہے لیکن ایسا فی جرات اتنی نہیں ہے کہ اس بات کا اعلان کیا جائے کیونکہ ڈر ہے کہ کہیں وہابی نہ کہہ دیا جائے ورنہ منبر کی مقبولیت سلب ہو جائے گی لیکن یاد رہے کہ یہ دورنی چال انشاء اللہ زیادہ دیر تک نہ چلے گی۔ آخر اس کا بھانڈا پھوٹ کر رہے گا۔ اور دنیا سمجھنے کی کہ علامتے اعلام کی آواز صدائے حق تھی اور ان کے خلاف ہنگامہ آرائی صرف اپنی جہالت و صاندلی اور بے راہروی پر پردہ ڈالنے کا ناپاک سبب تھا جن ذاکرین حضرات کے لئے علماء کا وجود پہلے سے ہی خارج حتم تھا۔ مدعیان علم کی یہ چال ان کو خوب بھائی اور من ترا حاجی بلوگم کے مقولہ کے پیش نظر بعض تقدس صفت انسان جو گانے والے ذاکرین کا وجود تک نہ برداشت کر سکتے تھے اب وہی علماء کی دشمنی میں افسوس ہو کر انہی کے حق میں قصیدہ خواں نظر آتے ہیں۔

بہر کیف مذہب شیعہ کا عقیدہ یہی ہے کہ علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے جیسے کہ قرآن مجید کا متعدد آیات میں اعلان موجود ہے اور ائمہ اس قدر جانتے ہیں جس قدر خدا نے ان کو علم عطا فرمایا اور خدا نے ان کو تمام عالمین میں سے علم و فضل میں ممتاز فرمایا ہے ان کے برابر مخلوق میں کوئی عالم نہیں خواہ کوئی نبی ہو یا غیر اور ہم اسی تفسیر کی مختلف جلدوں میں متعدد مقامات پر اس مسئلے کو پہلے ہی واضح کر چکے ہیں اور آئندہ بھی آیات متعلقہ کے ضمن میں بیان ہوتا رہے گا۔ ایک ظاہری اور عام قابل قبول عقلی انداز سے ہم اس کی وضاحت تفسیر کی چوتھی جلد ص ۸۹ میں کر چکے ہیں جس پر غور کرنے سے بہت حد تک ذہنی الجھن دور ہو سکتی ہے۔

(۴) مسئلہ موت و حیات۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا مازتا اور جلاتا ہے اور قرآنی فرامین اس پر ہر کجی دلالت کرتے ہیں خواہ ان ذرائع کی انجام دہی ملائکہ کے ذریعے سے ہو یا کسی اور طریقہ سے اور بصورتِ اعجاز ائمہ سے کسی بات کا صدور ان کے فعل ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کے مقبول بارگاہ کردگار ہونے کی علامت ہے۔

ائمہ کا مقام۔ بعض جبلا بات بات پر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ فرشتے کر سکتے ہیں تو امام کیوں نہیں کر سکتے۔ ہوا فرشتہ چلاتا ہے۔ بادل فرشتہ چلاتا ہے۔ مینہ پڑو ہی متعین ہیں وغیرہ تو ائمہ کیوں نہیں کر سکتے؟ یہ ایک بیوردہ خیال ہے جس کا جواب خاموشی بہتر تھی لیکن عوام کو گراہ کرنے کا چونکہ یہ بھی ایک حربہ ہے لہذا اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ذرائع و خدمات ہر انسان کے اپنی اپنی حیثیت سے ہوا کرتے ہیں اور اختیارات کی وسعت ذرائع و خدمات کی اہمیت کے پیش نظر ہوا کرتی ہے۔ ایک سپاہی کا فریضہ جتنا ہے اس کا اختیار بھی اتنا ہے اور تھانیدار کا فریضہ جس قدر ہے اس کا اختیار بھی اس انداز سے ہے۔ اب ایس۔ پی۔ آئی جی وغیرہ کے ذرائع و اختیارات کا جائزہ لیجئے۔ پٹر اسی۔ کلرک اور افسر کے

فرائض و اختیارات میں فرق دیکھئے پھر حکومت کے ہر محکمہ میں ملازمین کی حیثیت مراتب، فرائض و اختیارات پر نظر دوڑائیے تو اس مطالعہ سے یہ اندازہ خوب ہو گا کہ علمی عہدہ غیر علمی ڈگری سے بدرجہا افضل ہے اور صاحب کمال کے فرائض و اختیارات ناقص کے مقابلہ میں اہم و اتم ہوا کرتے ہیں حکومتوں کے اندر ہزار ہا کارخانے الگ الگ قسم کے ہوا کرتے ہیں لیکن حکومت کا سربراہ ہر کارخانہ کے سربراہ یا دیگر عہدہ داروں سے بدرجہا افضل ہوتا ہے اور وہ اقتدار اعلیٰ کی حیثیت سے اختیار اعلیٰ کا حامل ہوا کرتا ہے۔ چونکہ کائنات میں دو نظام رائج ہیں۔ ایک نظام تکوین (سلسلہ موت و حیات اور خلق و رزق وغیرہ) دوسرا نظام تشریح۔ سرکار محمد و آل محمد نظام تشریح کے سربراہ ہیں۔ اور نظام تکوین میں ہمارے وسیلہ و شیع اور سبب فیض وجود ہیں۔ پس نظام عالم میں حکومت الہیہ کی جانب سے ہزار ہا بلکہ کروڑ ہا قائم کردہ محکمے اور کارخانے مثلاً محکمہ آبپاشی۔ دریا۔ چشمے۔ بادل۔ بارش وغیرہ۔ محکمہ زراعت۔ سبزی۔ پھل پھول اگانا وغیرہ محکمہ بارانی اور محکمہ صنیا باری وغیرہ اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مشغول ہیں۔ بادل۔ بارش ہوا روشنی وغیرہ محکمہ جات خداوند عالم کی سربراہی اور محمد و آل محمد کی شفاعت سے برابر جاری ہیں۔ اب یہ کہنا کہ فرشتہ ہوا چلا تاتا ہے۔ بارش برساتا ہے۔ بادل لاتا ہے اور سبزیاں اگاتا ہے تو ائمہ یہ کام کیوں نہیں انجام دے سکتے انتہائی حماقت ہے اور ائمہ کی ناقدر شناسی ہے کیونکہ جس طرح فرشتے باذن پروردگار یہ امور سرانجام دیتے ہیں ائمہ بھی باذن پروردگار یہ کام کر سکتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں ان کی عظمت و وقعت نہیں باقی رہتی۔ غلام کی ڈیوٹی آقا انجام دے سکتا ہے لیکن اس میں اس کا کمال نہیں بلکہ گراؤں سمجھی جاتی ہے۔ بس ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ محمد و آل محمد سب کائنات میں اللہ کی سب مخلوق سے افضل و برتر ہیں۔ اور قدرتی نظام چلانے والے ملائکہ سب ان کے غلام ہیں۔ محمد و آل محمد کی نبوت یا ولایت کا رتبہ اجل ہے اس سے کہ وہ علمی عہدہ کے حامل ہو کر جزوی نجی فرائض کو بھی خود انجام دیں

۱۵) معجزہ۔ علام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا یہ بھی ایک بہانہ تراشا گیا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہے یا فعل معصوم اس قسم کی بحثیں بالکل لغو اور فضول ہیں صرف عوام کو آلہ کار بنانے اور ان کو علم سے منحرف کر کے اپنا اٹو سیدھا کرنے کے لئے مہینے ٹھیکہ دار گندم ناجو فروش تاجران اسلام نے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر اس کو اچھا لالہ درنا اگر سوچا جائے تو ہر دو پہلو معصوم کی عظمت کا نشان ہیں کیونکہ اگر اسے فعل خدا مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ظاہرین خدا کی بارگاہ میں اس عظمت کے مالک ہیں کہ جب یہ چاہتے ہیں خدا کو دیتا ہے یعنی شہیت یا زیدی انکی خواہش سے مختلف نہیں اور ان کی خواہش مشیت خداوند ہی سے الگ نہیں اور اگر ان کا فعل کہا جائے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا نے ان کو وہ رتبہ عطا کیا ہے اور اتنی طاقت دی ہے کہ جب یہ چاہتے ہیں تو مخالف عادت چیز منصفہ شہود پر رونما ہو جاتی ہے و صاحت نظام کائنات میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک مراتب و مدارج ہیں اور ہر درجہ و رتبہ اپنے مخصوص افعال و خواص کا حامل ہے اور پروردگار عالم نے ادنیٰ و اعلیٰ کی سرشت میں افعال و ولایت کر رکھے ہیں جو ان کے ذاتی جوہر کے تابع ہیں مثلاً مجاہد نبات حیوان اور انسان کے الگ الگ مراتب ہیں۔ نبات کی خوبی جماد میں نہیں اور حیران کی خصوصیت سے نبات محروم ہے اسی طرح انسانی جوہر سے وہ ہر سر تہی دست ہیں۔ نبات کا بڑھنا پھلنا اور پھولنا اسکی سرشت میں داخل ہے لیکن یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ اس کا چلنا معجزہ ہو گا جو اس کی ذاتی مقتضا سے باہر ہے اور حیران کا چلنا پھرنا اس کی ذاتی اقتضا ہے لیکن معجزہ نہیں اور انسان کا بولنا اور معقرلات کو جاننا ان کی سرشت ہے نہ کہ معجزہ پس معجزہ وہی ہو گا جو کہ ان کی ذاتی اور عادی رفتار سے باہر ہے پرندہ کیلئے اٹنا معجزہ نہیں لیکن انسان کا پرواز کرنا معجزہ ہو گا اسی طرح حاملین روح نبوت و ولایت

ترتیب کے ماتحت ایک ایسا جوہر اپنے اندر رکھتے ہیں جو عام انسانی سرشت سے بالاتر خصوصیات و مقصدیات کا حامل ہوتا ہے پس جس طرح عام انسان کا بلرانا چہنا پھرنا وغیرہ ان کی عادی رفتار ہے کہ اگر حیوان کو شعور دیا جاتا تو وہ انسان کے اس کمال کو معجزہ سے ہی تعبیر کرتا بلکہ بہت سے انسانی کارنامے ایسے ہیں جن کو انسان اپنی عادی رفتار سمجھ کر غفلت نہیں ہوتا لیکن جو مخلوق اس کمال سے محروم ہے اُنکے لئے یہ معجزہ کی حیثیت رکھتے ہیں پس اسی طرح نبی یا ولی سے بعید نہیں کہ وہ ایک ایسی قوت قدسہ کے مالک ہوں جس کے ماتحت ان کے بعض افعال عام انسانی روش کے لحاظ سے معجزہ ہوں لیکن ولی یا نبی کے لئے وہ ذاتی و عادی ہوں اسی بنا پر جناب پیغمبر کا پشت کے پیچھے دیکھنا معجزہ نہیں بلکہ ان کا عادی فعل ہے سوتے ہوئے غافل نہ ہونا ان کا معجزہ نہیں بلکہ انکی عادی رفتار ہے پسینہ کا خوشبودار ہونا فضلات کو زمین کا نکل جانا جسم پر لمبھی کا نہ بیٹھنا اور بادل کا سایہ وغیرہ سب ان کے عادی افعال ہیں جو ان کے ذاتی مخصوصات میں سے ہیں۔ ایسے افعال خود ان کے لئے معجزہ نہیں ہیں لیکن عام انسانی عقول کے لئے چونکہ خارق عادت ہیں لہذا معجزہ ہیں اور اس کے برخلاف وہ افعال جو نبی یا ولی کی عادی رفتار سے باہر ہیں اور عوام پر ان کے نبی یا ولی ہونے کے ثبوت میں پروردگار نے خارق عادت امور کو معرض ظہور میں پیش فرمایا ہے وہ معجزہ ہے اور فعل خدا جو نبی یا ولی کے لئے نبی معجزہ اور عوام کے لئے نبی معجزہ کہلائے مثلاً قرآن مجید یہ کلام مقدس جناب رسالت کا عادی کلام نہیں ہے بلکہ بطور معجزہ پروردگار عالم نے فصحاء و بلغاء عرب سے ان کی نبوت تسلیم کرانے کے لئے ان کو عطا فرمایا ہے پس وہ فعل نبی نہیں بلکہ فعل خدا ہے لہذا اس کو کلام نبی کہنا ناجائز ہے اور کلام اللہ کہنا واجب ہے اسی طرح معراج حضرت رسالت کا عادی سفر نہیں بلکہ عالم بالا کی قدسی مخلوق پر ان کی شان واضح کرنے کے لئے خدا نے ان کو بلا یا پس وہ خود نہیں گئے بلکہ خدا ان کو لے گیا جیسے ارشاد فرماتا ہے اَسْرَىٰ لِعِبْدِهِ الْاٰیۃِ اور نادر صالح اور عصائے موسیٰ اسی قسم سے ہیں کہ حضرت صالح کی تصدیق کے لئے خدا نے پتھر سے ناتھ پیدا کی جو ان کا معجزہ کہلا یا۔ اور حضرت موسیٰ کی تصدیق کے لئے خدا نے ان کے عصا کو سانپ بنا دیا جو معجزہ کہلا یا اور یہی وجہ تھی کہ خود حضرت موسیٰ کے دل میں خدا نے خوف ڈال دیا کیونکہ اگر وہ خود خوفزدہ نہ ہوتے تو دنیا والے اس کو فعل موسیٰ کہتے اور معجزہ کی حیثیت ختم ہو جاتی۔

بہر کیت قوم کے جیب تراش اور دین و دنیا کے بیڑے ملاؤں نے عوام کو علمائے اعلام کے خلاف ابھارنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی لیکن انشاء اللہ علمائے اعلام سیرت انبیاء و ائمہ کے پیش نظر صبر و ضبط سے کام لے کر اپنے کام کو جاری رکھیں گے اور مدارس دینیہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہوگی حتیٰ کا بول بالا اور باطل کا مٹنا کا لا ہوگا۔ یہ طوفان بدتمیزی حتیٰ کی مضبوط چٹانوں سے ٹکرا کر خود ہی ختم ہو جائیگا اور اس کی فضائیں اٹھتی ہوئی کہیں خود بخود نیست و نابود ہو جائیں گی۔

حق کے دوست اور باطل کے دشمن ابھی تک موجود ہیں اللہ کی رحمت حق والوں کے سر پر ہے و مابیت کے نام سے علماء کو خطاب کیڑا لے اور ان کو بدنام کر کے اپنی ہوس کا اٹو سیدھا کرنے والے بیشک عوام کے جذبات سے کھیلیں اور علماء کو کوسنے میں ان پر کوئی رحم نہ کریں خدا خود ہی انکا محاسبہ کرے گا اور حق پرست طبقہ علماء و اعلام اور ان جیب تراش ایمان فروش ملاؤں کے درمیان نمایاں فرق محسوس کرنے کے بعد خود ہی حتیٰ کا ساتھ دیکھ ان کے منہ میں لگام دینے میں کامیاب ہوگا جس طرح عام مسلمان شیعوں کو ایک انتہائی غیر منہب اور اخلاق سے بیگانہ قوم سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ملاؤں نے ان کے سامنے شیعوں عقائد و اعمال ایسے بھدے رنگ میں پیش کئے تھے جس سے حیا و شرم سرنگیوں نظر آتا تھا لیکن جن جن شیعوں کو دار منظر عام پر آنے لگا اور شیعوں عقائد آل محمد کے دکھانے کے ذریعے سے منصفہ شہود پر نظر پڑنے لگے تو اکثر لوگوں کے اذہان ان غلط فہمیوں سے بچ

۱۰ ذکرہ بالا بیان سے یہ سمجھا جائے کہ نبی یا امام کی کوئی علیحدہ نوع ہے نہیں بلکہ وہ نوع انسانی کے ہی اکل افراد ہیں جو عقائد ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہر نوع کے افراد میں سے موجود ہے علمائے بعض افعال جاہل کو نظر میں معجزہ معلوم ہوتے ہیں اور بالآخر آدمی کے افعال ایک طفل غیر عمر کر۔ وہ کھتا

گئے جو ملاؤں کے ذریعہ سے پھیلائی جا چکی تھیں اور رائیت الناس یہ غلظون فی دین اللہ انما جاءکم مضمون کے مطابق لوگ جو حق درجوق مذہب شیعہ میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اس طرح منبر حسینی پر مسلط گروہ نے عوام مومنین کو چونکہ مدت سے اپنی سوس کا شکار بنایا ہوا تھا اور ہر جائز ناجائز طریق سے ان کی دولت و ایمان پر ان کا پیرہ تھا اور جانتے تھے کہ عوام کو دین و مذہب جس قدر دُور رکھا جائیگا وہ اسی قدر زیادہ سے زیادہ خدمت کریں گے اسی لئے انہوں نے گناہوں سے بخشش کے لئے ذہن نشین کر رکھا تھا کہ نماز روزہ و دیگر اعمال شریعی کی کوئی ضرورت نہیں پس علی علی کریم اور سیدھے جنت میں جاؤ یہ نعرہ اس وقت بر عمل تھا جب کہ بالعموم لوگ علی سے بیگانہ تھے پس فرود کی تعلیم سے اصل کا درس ان کے لئے اہم اور ضروری تھا جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں شرک سے نجات دلانے کے لئے جناب رسالت نے فرمایا تھا قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ توحید کا اقرار کرو اور سیدھے جنت میں جاؤ لیکن جب لوگ شرک سے بچ گئے تو ان کی نجات کا ذمہ دار اعمال کو قرار دیا گیا اسی طرح اب جب کہ لوگ دلائل علی کے علم کے نیچے جمع ہو چکے ہیں تو ان کو اعمال کے بنانے کی ضرورت ہے اور وہ شریعت جس کے علی اور اولاد علی پاسبان تھے شیعوں کو اب اس سے روشناس کرنے کا وقت ہے اور شیعیت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی خدمت نہیں ہے۔ بفضلِ خدا اب علماء کی کثرت ہے جو آلِ محمد کی تعلیمات کو پھیلانے میں شب و روز مجر عمل ہیں اگرچہ چمکا ڈر کبھی سورج کے وجود کو پسند نہیں کرتا تاہم سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ افق عالم پر طلوع کر کے روشنی پھیلاتا رہتا رہتا ہے۔ اور چمکا ڈر کے لئے سوائے جان چھپانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ پس علوم آلِ محمد کی نشر کا ہیں سورج بن کر چمکتی رہیں گی اور حاسدین اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دم بخور ہوں گے۔ خداوندِ کریم علماء کا سایہ برقرار رکھے اور عوام کو ان سے مستفید ہونے کی ہمت دے اور ناخدا ترس ملاؤں کی گیند بھجھکیں زہریلے پروپگنڈوں اور اضلاق سوز ہتھکنڈوں کے کھنچنے کی قوم کو توفیق دے۔

آخر میں میں پوری قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ دین فروش علماء سے اجتناب کریں اور علماء و اعلام سے پورا پورا تعاون کریں تاکہ آلِ محمد کے علوم منظر عام پر آئیں اور جہالت کی تاریکیاں بہت جلد ختم ہوں۔ لہذا مدارس دینیہ کی دل کھول کر امداد فرمائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ قوم کے نونہال فیض یاب ہو کر قوم کو مذہب و شعائر مذہب کا صحیح درس دیکر خوشنودی پروردگار اور رضامندی محمد و آلِ محمد کا پروانہ حاصل کریں۔

جامعہ علیہ باب النجف جاڑ اضلع ڈیرہ اسماعیل خان اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جو گیارہ برس سے علمی خدمات انجام دے رہا ہے اور انتہائی پس ماندہ علاقہ میں واقع ہونے کے باوجود نہایت خوش اسلوبی سے عمارت ترقی طے کرتا جا رہا ہے کسی رئیس یا نواب کی دولت کا سایہ اس کے سر پر نہیں لہذا تمام افراد ملت خصوصاً دینی درو اور مذہبی جوش رکھنے والے مخیر حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس درس گاہ کی دامے درمے قدمے سنبھالیں اور فرما کر اس کی پریشانیوں کو دور فرمادیں اور اس کی بنیادوں کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کریں تاکہ موجودہ حالت سے بڑھ کر علمی خدمات انجام دے سکے۔ یہ یاد رہے کہ زیر نظر تفسیر انوار النجف اس مدرسہ کی خدمات میں سے ایک اہم اور قابلِ قدر پیش کش ہے جس کی یہ ساتویں جلد آپ کے سامنے ہے۔ جو چورہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

والسلام
حسین بن علی رضی اللہ عنہما
وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم